پیدائش عالم
علامہ پال ارنسٹ

باب سوم :-

باب چہارم :-

3

انتساب

میں اپنی اِس کتاب کو
اپنی رفیقۂ حیات

حنّہ برکت بی بی

کے نام منسوب کرتا ہوں ——
جو ۲۴ جنوری ۱۹۸۷ء بروز ہفتہ
خداوند میں سو گئی۔

کتاب کے بارے میں

موجودہ زمانے میں بے دینی بہت پھیل گئی ہے اور پھیل رہی ہے۔ بے دین لوگ خدا کو نہیں مانتے وہ کائنات کو خدا کی بنائی ہوئی نہیں سمجھتے بلکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا ہمیشہ سے ایسی ہی چلی آئی ہے۔ اس کتاب "پیدائش عالم" کے لکھنے کی غرض یہ ہے کہ یہ ثابت کیا جائے کہ اس کائنات کا بنانے والا خدا ہے اور یہ کائنات خود بخود نہیں بنی جو غلط خیالات خدا اور کائنات کے بارے میں پائے جاتے رہے ہیں اُن سب کو اس کتاب میں ردّ کیا گیا ہے اور وضاحت سے اُن کے جواب دیئے گئے ہیں۔

وحدت الوجود دنیا میں دو طرح کی مانی جاتی رہی ہے اور آج کل

بھی مانی جاتی ہے۔ ہندوؤں میں ایسے لوگ پائے جاتے رہے ہیں جو یہ مانتے تھے کہ صرف خدا ہی موجود ہے اور خدا کے سوا اور کچھ نہیں۔ یہ دنیا جو ہمیں موجود معلوم ہوتی ہے یہ حقیقت میں موجود نہیں بلکہ صرف یہ موجود معلوم ہوتی ہے۔ یہ کائنات مایا ہے یعنی دھوکا ہے۔ وہ اس کو مایا یا دھوکہ اس لئے کہتے تھے کیونکہ وہ کہتے تھے کہ یہ حقیقت میں موجود نہیں ہے حقیقت میں صرف خدا موجود ہے۔ دوسری طرف آج کل کے دہریے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ صرف مادہ موجود ہے اور مادّے کے سوا اور کچھ موجود نہیں ہے۔ یہ ساری کائنات مادہ ہی مادہ ہے روحوں کا کوئی وجود نہیں پس خدا جو روح ہے وہ نہیں ہے اور فرشتے جو روحیں ہیں وہ بھی نہیں ہیں۔ اور انسان میں بدن کے سوا جو روح مانی جاتی ہے وہ بھی نہیں ہے انسان اور جانداروں میں صرف جان ہی جان ہے یہ لوگ صرف مادہ کو ماننے والے ہیں۔ "پیدائش عالم" میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ کائنات فی الواقع موجود ہے اور اس کا بنانے والا خدا ہے۔ خدا روح ہے۔ خدا کے روح ہونے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ روحوں کا ہونا ممکن ہے۔ خدا کی کتاب اور خدا کے مذہب اور خدا کے نبیوں نے یہ سکھایا ہے کہ خدا نے فرشتے بھی پیدا کئے ہیں جو روحیں ہیں اور انسانوں میں بھی روح پائی جاتی ہے پس خدا کے روح ہونے سے روحوں کا امکان ثابت ہوتا ہے اور خدا کی کتاب اور اس کے نبیوں کی تعلیم سے روحوں کا ہونا یقینی ہے۔

بعض لوگ یہ غلط بات مانتے رہے ہیں کہ کائنات کوئی الگ ہستی نہیں ہے بلکہ خُدا ہی یہ کائنات بن گیا ہُوا ہے۔ ہندوؤں کے بعض فلاسفر اور مسلمانوں کے صوفی ہمااوستی ہوئے ہیں یہ لوگ کائنات اور خُدا کو الگ الگ دو چیزیں نہیں مانتے بلکہ اِن کو ایک ہی چیز مانتے ہیں۔ یعنی کائنات خُدا ہی کی ایک صورت ہے اور خُدا ہی کائنات بنا ہُوا ہے۔ یہ تعلیم سخت جھوٹی اور ایک قسم کا دہریہ پن ہے اس جھوٹی تعلیم کو بڑی تفصیل کے ساتھ "پیدائش عالم" میں رد کیا گیا ہے۔

پُرانے زمانے میں مختلف قومیں دنیا کی پیدائش کے بارے میں طرح طرح کے خیال رکھتی تھیں اُن کے وہ خیال نہایت غلط اور نفرت انگیز اور محض بناوٹی تھے۔ ان طرح طرح کے خیالوں کو اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے۔ اور ان کے بعد بائیبل مقدس کا "پیدائش عالم" کے بارے میں جو بیان ہے وہ پیش کیا گیا ہے ان کا مقابلہ کرنے سے صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ بائیبل مقدس کا بیان نہایت اعلیٰ اور بالکل سچا ہے۔ زرتشتیوں کا خیال بھی پیش کیا گیا ہے وہ دو خُدا مانتے ہیں ایک نیکی کا خُدا اور دوسرا بدی کا خُدا۔ اور وہ دنیا کی چیزوں کو دو طرح کی مانتے ہیں یعنی اچھی چیزیں اور بُری چیزیں۔ اچھی چیزیں نیک خُدا کی بنائی ہوئی ہیں اور بُری چیزیں بُرے خدا کی بنائی ہوئی ہیں۔ لیکن یہ تعلیم جھوٹی ہے خُدا صرف ایک ہے جو نیک ہے۔ بدی کا خُدا کوئی نہیں ہے اور دنیا کی چیزیں بھی دو طرح کی نہیں ہیں۔ بلکہ صرف ایک ہی طرح کی ہیں یعنی سب چیزیں اچھی ہیں اور وہ سب

کی سب اچھے خُدا کی بنائی ہوئی ہیں۔

اس کتاب میں "پیدائشِ عالم" کے بیان میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ کائنات کے وجود سے خُدا کی ہستی ثابت ہوتی ہے اور پھر یہ بیان کیا گیا ہے کہ خُدا کیسا ہے اور وہ کیوں ویسا ہے۔ خُدا کے بارے میں جو غلط خیال پائے جاتے رہے ہیں اور پائے جاتے ہیں ان کو بھی رد کیا گیا ہے۔ صوفی لوگوں کا خیال یہ ہے کہ یہ انسان خُدا کی محبت میں بڑھتے بڑھتے آخر اس اُس حد پر پہنچ جاتے ہیں کہ وہ فنا فی اللہ ہو جاتے ہیں۔ اور جس طرح پانی کا قطرہ سمندر میں گر کر سمندر کا حصہ ہو جاتا ہے اور اپنی الگ ہستی کھو دیتا ہے اُسی طرح انسان بھی خُدا کی محبت میں بڑھتے بڑھتے خُدا ہو جاتا ہے اور وہ خُدا کے ساتھ ایک ہو جانے کی وجہ سے خُدا ہی ہوتا ہے جیسے پانی کا قطرہ سمندر میں گر کر سمندر ہوتا ہے اُسی طرح انسان خُدا میں فنا ہو کر خُدا ہو جاتا ہے اور یوں وہ اپنے آپ کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ "میں خُدا ہوں"۔ دوسرے لوگ جو انسان کو الگ اور خُدا کو الگ وجود مانتے تھے اور صوفی لوگ اپنی بات کو یوں ثابت کرتے تھے کہ موسیٰ کی جھاڑی میں سے یہ آواز آئی کہ "میں خُدا ہوں" یعنی اس درخت نے کہا کہ "میں خُدا ہوں" تو اگر کوئی نیک آدمی یہ کہے کہ "میں خُدا ہوں" تو پھر کیوں ٹھیک نہیں ہے جبکہ درخت کے "میں خُدا ہوں" کہنے کو روا جانا جاتا ہے تو اگر کوئی نیک آدمی کہے کہ "میں خُدا ہوں" تو یہ کیوں روا نہیں ہے۔ "گلشن راز"، ایک صوفی کی لکھی ہوئی کتاب ہے اس کتاب میں یہی بات پیش کی گئی ہے اُس میں لکھا ہے کہ:–

؎ بیا در وادی ایمن کہ ناگاہ — درختے گویدت انی اَنَلہ

؎ روا باشد اَنَلہ از درختے — چرا نبود روا از نیک بختے

ترجمہ:۔ مبارک وادی میں آ کہ تجھ سے یکایک ایک درخت کہے کہ "بے شک میں اللہ ہوں"۔ اگر ایک درخت "میں اللہ ہوں" کہے تو یہ روا ہے لیکن اگر کوئی نیک شخص کہے کہ "میں اللہ ہوں" تو پھر کیوں روا نہیں ہے۔

صوفیوں کی یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ موسیٰ والے درخت نے یہ نہیں کہا تھا کہ "میں خدا ہوں" بلکہ اُس میں سے خُدا نے کہا تھا کہ "میں خدا ہوں" اگر کسی انسان میں سے فی الواقع خُدا بولے کہ "میں خدا ہوں"۔ تو پھر اُسی انسان کے لئے ایسا کہنا روا ہے اور ایسا انسان یا شخص صرف ایک ہی ہُوا ہے اور وہ یسوع مسیح تھا اُس کی انسانیت کے ساتھ خُدا متحد تھا اور وہ خُدا جو فی الواقع خدا ہے وہ اُس میں سے کہتا تھا کہ "میں خدا ہوں" سوائے اس کے اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ "میں خدا ہوں"۔ Very good

نوٹ:۔ اَنَلہ : اَنَلّاہ

اَنَلہ کا تلفظ اَنَلّاہ ہے۔ تلفظ کے لحاظ سے ان دو شعروں کو یوں پڑھنا چاہیئے۔

؎ بیا در وادیٔ ایمن کہ ناگاہ — دختے گویدت انی اَنَلّاہ

؎ روا باشد اَنَلّاہ از درختے — چرا نبود روا از نیک بختے

صوفی اپنی محبت کو پہنچ کر فنا فی اللہ ہو جانے کی وجہ سے اپنی الگ ہستی کھو دیتا ہے اور اُس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ زندگی اور محبت کا لطف بھی کھو دیتا ہے۔ اس لئے صوفی اس حد پر پہنچ کر یہ کہتا ہے کہ افسوس افسوس اُسکو بجائے خوشی کے افسوس حاصل ہوتا ہے۔ یہ صوفیوں کے فنا فی اللہ ہونے کا نتیجہ

اور انجام ہے۔ ان کی ہمہ اوست کی تعلیم کا نتیجہ اور انجام یہی ہے لیکن محبت اور زندگی اور ہستی کا لطف تب قائم رہتا ہے جبکہ صوفیوں کی یہ حالت نہ ہو جس میں وہ کہتے ہیں کہ

من تو شُدم تو من شدی   من تن شدم تو جاں شدی

تاکس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

ترجمہ:- میں تُو ہو گیا اور تُو میں ہو گیا۔ میں بدن ہو گیا اور تُو جاں ہو گیا تاکہ اس کے بعد کوئی یہ نہ کہے کہ میں اور ہوں اور تُو اور ہے بلکہ ہستی، زندگی اور محبت کا لطف تب ہے جبکہ دوئی قائم رہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ

اُلفت کا تب مزہ ہے دونوں ہوں بے قرار   دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی

دوئی قائم رہنے سے یعنی دونوں کی الگ الگ ہستی قائم رہنے سے زندگی پُر لطف ہوتی ہے۔ ہر مسیحی کو صوفیوں کی طرح خُدا کو محبت کرنے کا حکم ہے۔ انجیل میں سب سے بڑا اور سب سے پہلا حکم یہی ہے کہ تُو خُدا کو اپنے سارے دل، اپنی ساری عقل، اپنی ساری سمجھ اور اپنے سارے زور سے پیار کر۔ ہر مسیحی کی محبت صوفیوں سے اعلیٰ اور بڑی ہے اور اس کا انجام فنا فی اللہ نہیں، افسوس اور حسرت نہیں بلکہ بقا باللہ ہے یعنی خُدا کے ساتھ زندگی ہے اور ہمیشہ کی خوشی ہے۔

جو ہندو فلاسفر یہ کہتے تھے کہ صرف خُدا ہی خُدا موجود ہے اور اُس کے سوا اور کچھ موجود نہیں۔ کائنات موجود معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت میں یہ موجود نہیں ہے۔ ہم اُن سے یہ پوچھتے ہیں کہ تم کون ہو جو کہتے ہو کہ خُدا کے سوا اور کچھ موجود نہیں، اگر خُدا کے سوا اور کچھ موجود نہیں تو پھر تم بھی موجود نہیں ہو۔ تم نیستی ہو۔ کیا نیستی کہتی ہے کہ صرف خُدا ہی موجود ہے اور کائنات موجود نہیں ہے بلکہ صرف موجود معلوم ہوتی ہے۔ حقیقت میں وہ فلاسفر اپنے آپ کو موجود سمجھتے

ہیں جو خدا کے سوا اور موجود ہیں وہ صرف موجود معلوم ہی نہیں ہوتے بلکہ فی الحقیقت موجود ہیں۔ اور اس لئے باقی سب چیزیں بھی جو موجود معلوم ہوتی ہیں وہ درحقیقت موجود ہیں۔ خدا کی موجودگی تبھی معلوم ہوسکتی ہے اور ثابت ہوسکتی ہے جبکہ کائنات فی الحقیقت موجود ہو اور "پیدائش عالم" نامی کتاب میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ کائنات یقیناً موجود ہے اور اس لئے خدا کی ہستی ثابت ہوتی ہے۔ اور اس کی ہستی بالکل یقینی ہے اُسی نے کائنات پیدا کی ہوئی ہے۔ اُس کا جلال تا ابد ہوتا رہے۔ آمین۔

"پیدائش عالم" کے پروف کی اصلاح کرنے میں میرے پوتے انجم جیمز۔ آفتاب جیمز اور میری پوتی شبانہ جوزف نے میری بہت مدد کی ہے اور اس کتاب کا پیش لفظ (یعنی کتاب کے بارے میں) لکھنے میں میری پوتی ناصرہ جارج نے میری مدد کی ہے۔ میں ان تینوں کا بہت شکرگزار ہوں۔ خدا ان کو اپنی برکتوں اور اپنے فضلوں سے مالا مال کرے اور ہمیشہ مالا مال رکھے۔

پال ارنسٹ
خوشپور چک ۵۱ گ۔ب تحصیل سمندری
ضلع فیصل آباد

مؤرخہ ۱۳ اپریل ۱۹۸۷ء

باب اوّل :-

مذہب کیا ہے

مذہب عقائد کا وہ منظّم اور مُرتّب مجموعہ ہوتا ہے جس میں خدا اور اِنسان کے اُن فرائض کا بیان ہوتا ہے جو خدا اور دیگر اِنسانوں اور ہر اِنسان کے اپنے بارے میں ہیں۔ لفظِ مذہب عربی زبان کا لفظ ہے اور اس کا معنیٰ راستہ ہے یعنی راستہ خدا کا بنایا ہُوا اِنسان کے لئے خدا کے پاس جانے کے لئے پس مذہب اِنسان کے لئے خدا کے پاس جانے کے لئے خدا کا بنایا ہُوا راستہ ہے یعنی مذہب وہ راستہ ہے جو خدا نے اِنسان کے لئے بنایا ہُوا ہے تاکہ وہ اُس کے پاس پہنچنے کے لئے اُس پر چلے اور اُس پر چل کر اُس کے پاس چلا جائے اور ہمیشہ

اُس کے پاس رب ہے۔ انگریزی لفظ ریجن (RELIGION) اور لاطینی لفظ ریلجیو (RELIGIO) لاطینی لفظ ری لی گارے (RELIGARE) سے مُشتق ہے۔ اِس کا معنیٰ پھر بندھنا یا پھر پیوست ہونا ہے انسان گناہ کرکے خُدا سے جُدا ہوگیا اور جُدا ہو جاتا ہے اور مذہب اُسے خُدا کے ساتھ پھر باندھ دیتا یا پیوست کر دیتا ہے۔ پس خُدا کے ساتھ پھر پیوست ہو جانا یا اُس کے ساتھ پھر ملاپ ہو جانا مذہب ہے۔ مذہب کے اِس تصور میں غالب خیال خُدا سے جُدائی اور بیگانگی کا دُور ہونا ہے یعنی خُدا سے جُدا شُدہ اور بیگانہ انسان خُداوند یسُوع مسیح کی صلیبی قربانی کے وسیلے سے خُدا کے ساتھ پھر پیوست ہو جاتا اور اُس کا یگانہ بن جاتا ہے لہٰذا مذہب وسیلۂ حصولِ وصالِ الٰہی ہے۔

مذہب کا مقصد خُدا کو ہمیشہ کے لئے پانا ہے۔ مذہب کی غرض و غایت حصولِ خُدا ہے۔ اِنسان جھوٹی تعلیموں اور بُرے کاموں کے باعث خُدا سے جُدا ہو جاتا ہے اور مذہب اُسے خُدا کے ساتھ پھر پیوست کر دیتا ہے۔ اس پیوستگی کا اکمل باعث اور پورا سبب خُداوند یسُوع مسیح کی صلیبی قربانی ہے۔ مذہب اِنسان کو خُداوند یسُوع مسیح کی صلیبی قربانی کے ذریعے سے خُدا کے ساتھ پھر پیوست کر دیتا ہے۔

قدرتی مذہب :۔

مذہبی عقائد کا وہ مجموعہ جو محض قوائے عقلی پر مبنی ہو اُسے قدرتی مذہب کہتے ہیں۔ یہ مجموعہ خواہ علمی ہو خواہ عملی ایسا ہوتا ہے جیسے عقلِ

اِنسانی اپنی قدرتی قوّتوں سے جان سکتی ہے لیکن اگر مذہب محض قدرتی اور فطری نہ ہو بلکہ خُدا کی طرف سے کسی نہ کسی طرح غیر معمولی پروردگاری سے ظاہر یا کشف کیا گیا ہو۔ یعنی اگر مذہبی علم عام پروردگاری سے دیئے ہُوئے علم پر نہیں بلکہ خاص پروردگاری سے دیئے ہُوئے علم پر موقوف ہو تو یہ مکشوف مذہب یا کشف کیا ہُوا یا ظاہر کیا ہُوا مذہب کہلاتا ہے اور جو کچھ خُدا نے ظاہر کیا ہے وہ مکاشفہ کہلاتا ہے پس خُدا کاشف ہے اِنسان مکشوف اِلیہ ہے۔ مذہب مکشوف ہے اور جو کچھ مذہب میں ظاہر کیا گیا ہے وہ مکاشفہ ہے۔ مذہب کا مواد مکشوف مواد ہے۔ مذہبی تعالیم خواہ وہ ایمانی ہوں خواہ اخلاقی سب کی سب مکشوف تعالیم ہیں اور مکشوف تعالیم کو مکاشفہ کہتے ہیں۔ اِنسان مکشوف اِلیہ ہے کیونکہ کلامِ اِلٰہی کشف کیا گیا طرف اُس کی اور اِنسان مکشوف علیہ ہے کیونکہ کلامِ اِلٰہی کشف کیا گیا اُوپر اِس کے پس کلامِ اِلٰہی اِنسان کی طرف اور اِنسان پر کشف کیا گیا۔

اِسرائیلی مذہب اور انبیاء:۔

اِسرائیلی مذہب اِسی طرح کا تھا۔ یہ مذہب صرف اپنے آغاز ہی میں اِلٰہی مکاشفہ پر موقوف نہیں تھا بلکہ صدیوں کے دوران میں اپنے ارتقا میں بھی مکاشفۂ اِلٰہی پر موقوف تھا۔ عہدِ عتیق کی تاریخ کے بہت بڑے حصّے میں خُدا لوگوں کے ساتھ اپنے پیغمبروں کے ذریعے سے کلام کرتا رہا۔ وہ خُدا کے نام سے اور خُدا کے اختیار سے تعلیم دیتے تھے۔ خُدا کے پیغمبر یا

نبی خُدا اور لوگوں کے درمیان واسطہ یا درمیانی ہوتے تھے۔ وہ خُدا سے وہ پیغام پاتے تھے جو خُدا لوگوں کو پہنچانا چاہتا تھا۔ اور وہ خُدا کا پیغام لوگوں کو پہنچا دیا کرتے تھے گویا نبی یا پیغمبر خُدا کا مُنہ ہوتا ہے جس کے ذریعے سے خُدا اپنا کلام بولتا تھا۔

نبی کا یہ خاص اور لازمی کام اُس تعلّق سے صاف ظاہر ہے جو خُدا نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کے درمیان قائم کیا۔ جب خُدا حضرت موسیٰ کو پیغمبری بخش رہا تھا تو حضرت موسیٰ نے عُذر کیا کہ مَیں اِس لائق نہیں ہُوں کیونکہ میری زبان میں لُکنت ہے تو خُدا نے فرمایا کہ تُو میری باتیں ہارون کو بتایا کرنا اور وہ لوگوں کو بتایا کرے گا "وہ تیرا مُنہ ہو گا اور تو اُس کے لئے گویا اِلٰہ ہو گا" خروج ۴ : ۱۶ اور جو کام حضرت ہارون کے سپرد کیا گیا وہ اُس طرح کا تھا جس طرح کا نبیوں کے سپرد کیا جاتا تھا یعنی خُدا اور لوگوں کے درمیان واسطہ ہونے کا کام۔ یہ بات خروج ۷ : ۱ میں پائی جاتی ہے جہاں خُدا حضرت موسیٰ سے فرماتا ہے کہ "دیکھ میں نے تجھے فرعون کا خُدا مقرر کیا ہے اور تیرا بھائی ہارون تیرا نبی ہو گا تُو اُسے وہ سب باتیں بتانا جن کا مَیں تجھے حکم دُوں گا اور وہ فرعون کو بتائے گا" جس طرح حضرت ہارون کا کام یہ تھا کہ جو بات حضرت موسیٰ اُس کے مُنہ میں ڈالے وہ اُسے فرعون سے کہے اِسی طرح نبی کا کام یہ ہوتا تھا کہ جو پیغام خُدا اُس کے مُنہ میں ڈالے وہ اُسے لوگوں کو بتائے۔

نبی اپنے بارے میں کیا کہتے ہیں :-

انبیاء اپنے نبی ہونے کے بارے میں جو کچھ کہتے ہیں وہ درج ذیل ہے
حضرت یرمیاہ اپنے نبی مقرر کیئے جانے کے بارے میں کہتا ہے کہ خُداوند
نے اپنا ہاتھ بڑھا کر میرے مُنہ کو چھُوا اور خُداوند نے فرمایا دیکھ میں نے
اپنا کلام تیرے مُنہ میں ڈال دیا ہے" یرمیاہ ۱ : ۹۔ حضرت اشعیا نبی کی
تقرری یوں بیان کی گئی ہے کہ "جس سال میں عُزیاہ بادشاہ نے وفات
پائی میں نے خُداوند کو ایک بڑی بلندی پر اُونچے تخت پر بیٹھے دیکھا
اور اُس کے لباس کے دامن سے ہیکل بھر گئی۔ اُس کے آس پاس
سرافیم کھڑے تھے جن میں سے ہر ایک کے چھ چھ پر تھے اور ہر ایک
دو سے اپنا مُنہ ڈھانپے تھا اور دو سے پاؤں اور دو سے اُڑتا تھا
اور ایک نے دوسرے کو پکار کر کہا قُدّوس قُدّوس قُدّوس رب الافواج
ہے۔ ساری زمین اُس کے جلال سے معمور ہے اور پکارنے والے کی
آواز کے زور سے آستانوں کی بُنیادیں ہل گئیں اور مکان دھوئیں سے
بھر گیا تب میں بول اُٹھا کہ مجھ پر افسوس مَیں تو برباد ہُوا کیونکہ میرے
ہونٹ ناپاک ہیں اور میں نجس لب لوگوں میں بستا ہوں اور میری
آنکھوں نے بادشاہ رب الافواج کو دیکھا ہے۔ اُس وقت سرافیم میں
سے ایک نے ایک سُلگتا ہُوا کوئلہ دستپناہ سے مذبح پر سے اُٹھایا
اور اپنے ہاتھ میں لے کر اُڑتا ہُوا میرے پاس آیا اور اُس سے میرے
مُنہ کو چھُوا اور کہا دیکھ اس نے تیرے لبوں کو چھُوا ہے پس تیری بدکاری

ڈور ہو گئی ہے اور تیرے گناہ کا کفّارہ ہو گیا ہے۔ اُس وقت مَیں نے خُداوند کی آواز سُنی جس نے فرمایا کہ مَیں کس کو بھیجوں اور ہماری طرف سے کون جائے گا تب مَیں نے عرض کی کہ مَیں حاضر ہوں مجھے بھیج تو اُس نے فرمایا کہ جا" اِشعیاء ۶: ۱-۹ حضرت زکریاہ نبی کی کتاب میں فرمایا گیا ہے کہ "اُنھوں نے اپنے دِلوں کو الماس کی مانند سخت کیا تاکہ شریعت اور اُس کلام کو نہ سُنیں جو رب الافواج کے گزشتہ نبیوں پر اپنی روح کی معرفت نازل فرمایا تھا" زکریاہ ۷: ۱۲۔

انبیاء اکثر دفعہ پیشینگوئیاں بھی کیا کرتے تھے لیکن پیشینگوئی کرنا نبی کے کام کا لازمی جزو نہیں ہوتا تھا۔ مُدتیں ہوئیں کہ مُقدّس اگستین نے نبی کا کام اِسی طرح کا سمجھا تھا یعنی یہ کہ "نبی کا کام یہی ہے کہ وہ لوگوں کو خُدا کے کلام کا پیغام دے" اِسی طرح مُقدّس یُوحنّا خرد سوتم نے کہا کہ "انبیاء کا مُنہ خُدا کا مُنہ ہوتا ہے" اور "نبی خُدا کا ترجمان ہوتا ہے" اِس بات میں اسرائیل کا مذہب مسیحیت سے بہت مختلف ہے کیونکہ مسیحی مکاشفہ آخری رسول کی موت نے ساتھ پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا تھا۔ اُس کے بعد کلیسیا کو کوئی نیا مکاشفہ نہیں بخشا گیا گو روح القدس کی رہنمائی سے اُس مکاشفہ کا علم اور تفہیم گہرا اور وسیع ہوتا رہا ہے۔ لیکن اسرائیل کے مذہب کو مکاشفۂ اِلٰہی کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اِس کی چھوٹی چھوٹی اور معمولی باتیں بھی براہِ راست خُدا ہی کی طرف سے ظاہر کی گئی تھیں۔ براہِ راست مکاشفہ سے صرف وہ باتیں مراد ہیں جنہیں انسان کی قوائے فطری دریافت نہیں کر سکتیں لیکن وسیع معنی میں

ہر وہ بات کشف کی ہوئی کہلاتی ہے جسے خُدا فوق الفطرت طریقے سے انسان کو بتاتا ہے اور اُس پر اُسے ظاہر کرتا ہے۔ اِس صورت میں جو بات فطری طریقے سے معلوم ہو سکتی ہے خُدا اُس کی تصدیق کرتا اور اُس پر اپنی مُہر لگاتا ہے۔ مثلاً بیگانہ مال مالک کی بے خبری میں بلا اجازت لینا یعنی چوری کرنا فطری طور پر یعنی ہماری عقل سے معلوم ہو جاتا ہے کہ گناہ ہے لیکن خُدا خود بھی فرماتا ہے کہ تُو چوری نہ کر پس خُدا ہماری عقل سے جانی ہوئی بات کی تصدیق کرتا اور اس کے صحیح ہونے اور حکمِ الٰہی ہونے پر مُہر لگاتا ہے۔

اسرائیلی قوم مکشوف مذہب کو مانتی تھی لیکن مذہب کا مکشوف ہونا اس بات کو نہیں روکتا کہ جو دستورات اور قوانین مکاشفہ کے بغیر پیدا ہوئے یعنی اس سے الگ پیدا ہوئے اُنہیں جاری رہنے دے سلیمان کی ہیکل کی طرزِ تعمیر شامی اور مصری عبادت گاہوں کی طرزِ تعمیر کے مطابق ہے پس اس طرزِ تعمیر کی مطابقت میں ہدایتِ الٰہی کے دئیے جانے کا مطلب یہ ہے کہ ہیکل اُس طرزِ تعمیر کے مطابق بنائی گئی تھی۔ پرانے زمانے کے لوگ ہر بات کا سبب خُدا کو قرار دیتے تھے۔ یہ تو سچ ہے کہ خُدا سببِ اوّل ہے لیکن وہ لوگ دوسرے درجے کے اسباب یعنی ثانوی اسباب بھی خُدا ہی سے منسوب کرتے تھے لہٰذا وہ چھوٹی چھوٹی اور معمولی باتیں اور ثانوی اسباب بھی خُدا ہی سے منسوب کرتے تھے اور ان کا سبب بھی خُدا ہی کو قرار دیتے تھے پس حقیقی مکاشفہ اور سب دیگر باتیں مکاشفہ ہی کہلاتی تھیں اور مکاشفہ ہی سمجھی

جاتی تھیں۔ اسرائیلی مذہب کے بعض دساتیر اور قوانین ایسے ہیں جو اسرائیل کے علاوہ دوسری قوموں میں بھی پائے جاتے تھے۔ اُن اچھے دستوروں قانونوں طریقوں اور فنّوں کو رہنے دیا اور اگر دوسروں سے کوئی بات لینے کی ضرورت تھی تو وہ لے لینے دی خُدا ایسی سب اچھی باتوں کو قبول اور منظور کرتا ہے۔ بہت سی باتیں ضمیر کی ہدایت سے لی جاتی ہیں اور خُدا اُن کی تصدیق کر دیتا ہے اور یوں وہ مُقدّس قوم کے مُقدّس مذہب کا جزو بن گئیں۔ خُدا سب کچھ کو کام میں لاتا اور سب کچھ سے کام لیتا ہے۔

علمِ الٰہیات اور علمِ اخلاقیات:۔

خُدا کے بارے میں منظّم بیان اور انسان کے ساتھ خُدا کے کاموں کے منظّم بیان کو اِلٰہیات یا علمِ اِلٰہی کہتے ہیں۔ اگر یہ علم محض قوائے عقلِ انسانی پر مبنی ہو اور انسانی عقل کی کوششوں اور جدوجہد سے معلوم اور حاصل کیا گیا ہو تو اس کو اِلٰہیاتِ فطری یا اِلٰہیاتِ قُدرتی کہتے ہیں لیکن اگر یہ خُدا کے مکاشفہ پر مبنی ہو تو اُسے اِلٰہیاتِ مکشوف کہتے ہیں اور یہ دو طرح کا ہے۔ ایمانیہ اور اخلاقیہ۔ جن باتوں یا عقائد کو عقل سے ماننا ہوتا ہے اُس کو اِلٰہیاتِ ایمانیہ یا عقائدیہ کہتے ہیں نیکی اور بدی کا جو علم محض عقل پر موقوف ہو اُسے علم الاخلاق یا اخلاقیات کہتے ہیں اور جو خُدا کی دی ہوئی تعلیم پر یعنی مکاشفہ پر موقوف ہو اُسے علمِ اِلٰہیاتِ اخلاقیہ یا اخلاقی اِلٰہیات کہتے ہیں۔ بائبلِ مُقدّس میں جو

مختلف اقسام کا ادب پایا جاتا ہے اُس میں علمِ الٰہی کا اس طرح کا منظّم بیان نہیں ہے۔ قدیم عبرانی نہ الٰہیات دان تھے اور نہ فلسفی۔

قدیم زمانے کے عبرانی لوگوں میں جو اشخاص تصنیف کا کام کرتے تھے وہ بڑے مذہبی اشخاص تھے۔ اُن کا دل مسائلِ حیات میں معروف رہتا تھا لیکن وہ اُس طرح مُتصل منظّم مُرتّب مکمل اور منطقی طرز میں نہیں لِکھتے تھے جس طرح اِلٰہیات دان اور فلاسفر لِکھتے ہیں۔ اثر جو خُدا اُن پر ڈالتا تھا اور خیالات جو وہ اُن میں نفوذ کرتا تھا وہ اُنکے قُدرتی عطیات اور طبائع کے مطابق ہوتے تھے یعنی جوں جوں انسان کی عقل ترقی کرتی گئی توں توں خُدا انسان کو سچائی اور اخلاق کی زیادہ زیادہ تعلیم دیتا گیا۔ خُدا عقلی اور اخلاقی ہستی ہے اور انسان بھی عقلی اور اخلاقی ہستی ہے۔ خُدا روح ہے اور اِنسان روح اور بدن ہے اِنسان میں رُوح ہے۔ خُدا اِنسان کو اُس طرح تعلیم دیتا تھا جس طرح عقلی اور اخلاقی ہستی کو عقلی اور اخلاقی ہستی کے لئے تعلیم دینا موزوں ہے خُدا کی روح اِنسان کی رُوح کے ساتھ بات کرتی تھی یا یہ کہ خُدا کی عقل انسان کی عقل کے ساتھ بات کرتی تھی۔ خُدا کی روح اور عقل اِنسان کی روح اور عقل کو تعلیم دیتی تھی۔ جو کچھ خُدا اِنسان کو سکھانا چاہتا تھا وہ اُسے اس کی عقل میں ڈالتا تھا۔

جس طرح بچہ پہلے کچھ بھی نہیں جانتا اور پھر آہستہ آہستہ سیکھتا رہتا ہے اسی طرح ابتدائی اِنسان بے علم یا نہایت کم علم تھے۔ لیکن خُدا اُن کو روشنی دیتا گیا۔ جس طرح بچوں کے بہت سے خیالات غلط

ہوتے ہیں۔ اُسی طرح ابتدائی اِنسانوں کے بھی بہت سے خیالات غلط تھے اور غلط خیالوں والے انسانوں کی اب بھی کمی نہیں ہے۔ خُدا آہستہ آہستہ اُن کے غلط خیالوں کو دُور کرتا تھا خُدا اُن کی عقل میں سے اندھیرا دُور کرتا اور اُس میں روشنی ڈالتا تھا۔ خُدا اپنے اور مذہب کے بارے میں اُن کے غلط خیال یعنی کفر دُور کرتا اور اُن کے دل میں ایمان بھرتا تھا۔ خُدا یہ کام بتدریج کرتا تھا اور تھوڑا تھوڑا علم بڑھتا رہا۔ جس طرح صبح کے وقت روشنی کم ہوتی ہے اور پھر آہستہ آہستہ بڑھتی جاتی ہے اگرچہ وہ ایک ہی اور اُسی سورج کی ہوتی ہے اِسی طرح مذہبی علم اور سب علوم کے بارے میں ہُوا۔ دوپہر کو روشنی سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ دوپہر کی مذہبی روشنی خُداوند یسُوع مسیح لایا۔ وہ آفتابِ نیمروز ہے۔ خُدا سے بہتر اُستاد کون ہے اور وہ انسان کو اُس طریقے سے تعلیم دیتا آیا ہے جو سیکھنے والے اور سِکھانے والے کی شان اور حالت اور حقیقت کے مطابق ہو۔ بچے آسمان کو خُدا سمجھتے ہیں اور اِسے خُدا کہتے ہیں لیکن ایک وقت ایسا آجاتا ہے کہ اُن کے اس خیال کی اصلاح ہو جاتی ہے اور یہ خیال دور ہو جاتا ہے۔

تاریخِ مذہب کو معلوم ہوتا ہے کہ خُدا گھٹیا ناقص اور غلط خیالات کو دُور کرتا آیا ہے اور اعلےٰ اور صحیح خیالات بخشتا آیا ہے۔ وہ کون سا زمانہ ہے جس میں اِنسان کے خیالات غلط نہیں تھے اور وہ کونسا انسان ہے جس کے خیالات میں کبھی نہ کبھی کوئی نہ کوئی غلطی نہیں ہوتی۔ انپڑھوں کے آج کل بھی کس قدر ادنےٰ اور غلط خیالات ہیں

اور خواندہ اشخاص کو کونسا شرخاب کا پر لگا ہوا ہے ان کے بھی بہتیرے خیالات غلط ہوتے ہیں۔ خدا نے سب غلطیاں ایک دم دُور نہیں کر دی تھیں اور نہ ابتدا ہی میں کامل خیال بخشے تھے بلکہ خدا نے اپنی حکمت کے مطابق انسان کو آہستہ آہستہ اور تھوڑی تھوڑی تعلیم دی۔

خدا کے بارے میں پرانے زمانے کے لوگوں کے خیال بہت ادنےٰ تھے اور کئی باتوں میں غلط اور جھوٹے تھے اور اخلاق کے بارے میں بھی ادنےٰ اور غلط باتیں مانتے تھے اور اخلاق کی کئی باتوں کو جو فی الواقع بُری تھیں وہ بُری نہیں سمجھتے تھے آج کا انسان بھی بداخلاقی کے بعض کاموں کو بداخلاقی نہیں سمجھتا۔ کئی قبائل ایسے ہیں جو چوری کو گناہ نہیں سمجھتے۔ بعض لوٹ مار کرنے اور لوٹ مار کرنے کی خاطر قتل و غارت کرنے کو گناہ نہیں سمجھتے۔ بعض لوگ لواطت یا لونڈے بازی کو گناہ نہیں سمجھتے حالانکہ یہ زناکاری اور حرامکاری سے بھی زیادہ اور بڑھ کر گناہ ہے۔ یہ نہایت سخت کبیرہ گناہ ہے۔ زناکاری اور حرامکاری کے گناہوں کا عمل فطرت کے مطابق ہے لیکن لواطت کے کبیرہ گناہ کا عمل فطرت کے خلاف ہے اس لئے یہ زناکاری اور حرامکاری سے زیادہ کبیرہ ہے پس زمانے کے لوگوں کے غلط اخلاقی خیالات کے بارے میں متعجب نہیں ہونا چاہیئے۔ وہ بھی بعض بُری باتوں کو بُری نہیں سمجھتے تھے۔ وہ انہیں عمل میں لاتے تھے اور آج کل بھی جو لوگ جن بُری باتوں کو بُری نہیں سمجھتے وہ انہیں بے دھڑک عمل میں لاتے ہیں۔

قدیم زمانوں کے لوگ اپنے معبودوں یا اپنے خُدا کو ہر بات کا سبب سمجھتے تھے۔ یہ تو سچ ہے کہ خُدا سببِ اوّل ہے لیکن وہ لوگ ثانوی یا دوسرے درجے کے اسباب کو بھی خُدا ہی سے منسوب کرتے تھے اور خُدا تو عموماً اپنی عام پروردگاری سے حکومت اور کام کرتا ہے مگر وہ لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ وہ ہر بات میں اور ذرا ذرا سی بات میں اور بالکل معمولی باتوں میں بھی اپنی خاص پروردگاری سے کام کرتا ہے اور جس طرح وہ لوگ اپنے صحیح خیالوں کو خُدا کی طرف سے سمجھتے تھے اُسی طرح وہ اپنے غلط خیالوں کو بھی اُسی کی طرف سے سمجھتے تھے اور جس طرح وہ اچھے کاموں کو اچھے سمجھتے تھے اُسی طرح وہ اپنی کم علمی کی وجہ سے بعض بُرے کاموں کو بُرے نہیں سمجھتے تھے۔ جھوٹی باتوں کا جھوٹا ہونا اور بُرے کاموں کا بُرا ہونا معلوم ہونے کے لئے وقت درکار تھا۔

اِنسان اپنی جھوٹی تعلیموں غلط خیالوں اور بداَخلاقی کی باتوں کو خواہ خُدا سے منسوب کرے اور خواہ کسی اور سے لیکن خُدا اپنی حکیمانہ استادی سے انسان کے دل و دماغ سے کُفر کا اندھیرا دُور کرتا چلا جاتا تھا اور ایمان کا نُور پھیلاتا جاتا تھا۔ مگر یہ کام آہستہ آہستہ اور بتدریج ہوتا ہے۔ روم ایک ہی دن میں نہیں بن گیا تھا اور انسان کی تعلیم و تدریس بھی ایک دن یا قلیل عرصے میں نہیں ہو سکتی تھی اِس کے لئے طویل عرصہ درکار تھا اور یہ تعلیم و تربیت طویل عرصے میں پایۂ تکمیل کو پہنچی تھی۔ خُدا عین سچائی ہے اِس لئے وہ کسی جھوٹی بات کی تعلیم

نہیں دے سکتا اور وہ اَخلاقی ہستی ہے اس لئے وہ کبھی کوئی بُرا کام کرنے کا حکم نہیں دے سکتا اور نہ وہ کبھی کسی بُرے کام کو قبول کر سکتا ہے۔ وہ توہمات کی تعلیم نہیں دے سکتا بلکہ توہمات کو آہستہ آہستہ دُور و دفع کرتا ہے۔ قدیم زمانوں کے لوگ ایسی باتوں کو اپنے معبودوں یا اپنے خُدا سے منسوب کرتے تھے لیکن خُدا بے حد سچّا ہے اِس لئے وہ توہمات کی تعلیم نہیں دے سکتا پس خُدا بُری اور جھوٹی باتوں بُرے کاموں اور توہمات کی تعلیم نہیں دے سکتا تھا

چُونکہ قدیم عبرانی مُصنّفین منظّم اور مرتّب صورت میں اِلٰہیات نہیں لکھتے بلکہ اِلٰہیات کے مفردات اور عناصر لِکھتے تھے اِس لئے اُنھوں نے اس کا بیان باقاعدہ اور باترتیب نہیں کیا ہے مثلاً اُن کی تصانیف میں کسی جگہ خُدا کی وحدت کا کسی جگہ اُس کے خالق ہونے کا کہیں قادرِ مطلق ہونے کا کہیں ہمہ دان اور کہیں ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کا بیان ہے۔ اِسی طرح کا بیان اِنسان کے اخلاقی فرائض اور اُس کی نجات اور نجات کے وسائل کا ہے۔ مذہب میں ایک تو خُدا کا اور اِنسان کے بارے میں اُس کی پروردگاری کا بیان ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اِنسان کے خُدا کے بارے میں کیا فرائض ہیں۔ ان کو مختصر طور پر خدا کی مرضی پوری کرنا کہا جاتا ہے۔ خُدا کی مرضی پوری کرنا، نیکی کرنا اور بدی نہ کرنا ہے۔ نیکی اور بدی کے بارے میں مذہب کی تعلیم یہ ہے کہ "بدی سے عداوت اور نیکی سے محبّت رکھو" عاموس ۵ : ۱۵۔ انسانی فرائض سب سے پہلے خُدا کے بارے میں ہیں لیکن

اِنسان ایک ایسا فرد ہے جو معاشرے کا بھی ممبر ہے اس لئے خُدا کے بارے میں ہر شخص کے انفرادی فرائض کے علاوہ معاشرتی یا جمہوری فرائض بھی ہیں اور انسان خاندان کا بھی ممبر ہوتا ہے اور ہر اِنسان کے ذمّہ خاندانی فرائض ہوتے ہیں۔ اِنسان کی حالت سہ گانہ ہے یعنی انفرادی خاندانی اور معاشرتی ہے اور اُس کے فرائض بھی انفرادی، خاندانی اور معاشرتی ہوتے ہیں۔

خُدا کی عبادت انفرادی خاندانی اور معاشرتی یعنی جماعتی صورتوں میں کرنا لازمی ہے۔ اِنسان کے فرائض مخلوقات کے بارے میں بھی ہیں اور خاص کر انسانوں کے بارے میں ہیں۔ اِن میں سے کچھ فرائض تو عبادت اور اُس کے طور وطریق کے بارے میں ہیں اور باقی سب فرائض اخلاقی فرائض ہیں جو ہر انسان کے اپنے بارے میں اور دوسرے انسانوں کے بارے میں ہیں۔ مثلاً خون نہ کرنا اخلاقی فرض ہے۔ تُو ہرگز خون نہ کرنا کا مطلب یہ ہے کہ تُو اپنا اور دوسرے انسانوں کا خون ہرگز نہ کرنا انسان اپنی زندگی کا مالک نہیں ہے اُس کی زندگی کا مالک خُدا ہے اِس لئے کسی انسان کا خودکشی کرنے کا حق نہیں ہے۔ نہ کوئی اِنسان دوسرے اِنسانوں کی زندگی کا مالک ہے اس لئے کسی اِنسان کا دوسرے انسان کا خون کرنے کا حق نہیں ہے۔ انسان کو اپنی اور جہاں تک ہو سکے دوسروں کی زندگی کی حفاظت کرنا چاہیئے۔ جیسے کہ بیان کیا جا چکا ہے جب اِنسانی فرائض کا علم محض عقل پر منحصر ہو تو اُسے اخلاقیات یا علم الاخلاق کہتے ہیں لیکن جب یہ مکاشفہ پر مبنی ہو تو اسے الٰہیاتِ

آخلاقی کہتے ہیں۔

ایمان اور عقل:۔

خدا کی ظاہر کی ہوئی باتیں جو عقل سے مانی جانے والی باتیں ہیں۔ ایمانی باتیں ہیں یہ ایمان ہے اور دل یا مرضی سے مانی جانے والی باتیں آخلاقی باتیں ہیں یہ آخلاق ہے۔ آخلاقی باتوں کو بھی پہلے عقل سے ماننا ہوتا ہے کہ یہ بات نیکی ہے اور یہ بات بدی ہے اور پھر مرضی سے اُن پر عمل کرنا ہوتا ہے۔ رُوح کی خاص دو خاصیتیں ہیں اِس کی ایک خاصیت تو عقل ہے اور دوسری آزاد مرضی۔ عقل سچائی کو چاہتی ہے اور مرضی نیکی اور اچھائی کو پسند کرتی ہے۔ عقل سچائی کو چاہتی ہے اور مرضی اچھائی کو۔ اگر عقل دھوکا کھا کر جھوٹ کو سچ مان لے تو پھر بھی وہ اُسے سچ سمجھ کر ہی مانتی ہے۔ عقل کسی جھوٹی بات کو جھوٹی سمجھ کر اُسے سچّی نہیں مانتی اور مرضی اچھائی سے محبّت کرتی ہے۔ وہ جو کچھ کرتی ہے وہ اُسے اچھا سمجھ کر کرتی ہے جب مرضی بُرائی کرتی ہے تو وہ اُسے کسی نہ کسی طرح کی اچھائی سمجھ کر کرتی ہے۔ مثلاً چور چوری کرتا ہے تو وہ یہ خیال کرتا ہے کہ ایسا کرنے سے میری خلاں ضرورت پوری ہو گی یا میرے اور میرے بال بچّے کے لئے گزارے کی سبیل پیدا ہو گی جب مرضی بُرائی کرتی ہے وہ بُرائی کو بھی اچھائی ہی سمجھ کر کرتی ہے یعنی اِنسان اپنی مرضی کے ذریعے سے تب بدی کرتا ہے جب وہ بدی میں کوئی نہ کوئی اچھائی

دیکھتا ہے۔ وہ غلطی سے اُس کو اچھائی سمجھتا ہے۔

پس عقل کا کام سچائی ماننا ہے اور سچائی کا جاننا ہے اور مرضی کا کام اچھائی کو پسند کرنا ہے۔ عقل سچائی کو محبت کرتی ہے اور مرضی اچھائی کو۔ پس ہم عقائد کو عقل سے مانتے ہیں اور اخلاق کو مرضی سے ایمان مجموعۂ عقائد کو بھی کہتے ہیں۔ جن عقائد کو ہم مانتے ہیں اُن کو مسائلِ ایمانیہ یا مسائلِ ایمان کہتے ہیں۔ ایمان ایک تو یہ ہے کہ خُدا کی ظاہر کی ہُوئی باتوں کو خُدا کی شہادت پر یعنی خُدا کے ظاہر کرنے یا بتانے کی وجہ سے بلا شک وشبہ سچّی ماننا چاہیئے۔ اور جن باتوں کو اِس ایمان اور یقین سے سچّی مانا جاتا ہے اُن باتوں یا اُن عقائد و تعلیم کو بھی ایمان کہتے ہیں۔ اور نیکی کو نیکی اور بُرائی کو بُرائی ماننا بھی ایمان ہے اور اوامر و نواہی اخلاق ہے خُدا جن باتوں کے کرنے کا حکم دیتا ہے اور جن کاموں کا کرنا منع کرتا ہے وہ باتیں یا وہ کام اخلاق ہے۔ خُدا عبادت کرنے کا حکم دیتا ہے کیونکہ عبادت کرنا اخلاقی کام ہے۔ خُدا کی عبادت نہ کرنا یا اُس کی عبادت کرنے سے انکار کرنا اخلاقی بُرائی ہے۔ یہ بداخلاقی اور فرض ناشناسی ہے۔ پس اخلاق اچھے کاموں کا کرنا اور بُرے کاموں کا نا کرنا ہے یا اخلاق فرائضِ حیات ہیں۔ فرائضِ حیات کا نام اخلاق ہے۔

خُدا مذہب کا ظاہر کرنے والا ہے پس وہ مذہب کا کاشف ہے وہ مذہب کو کشف کرنے والا ہے اور مذہب مکشوف ہے یعنی کشف کیا ہُوا یا ظاہر کیا ہوا ہے اور جو کچھ مذہب میں ظاہر یا

کشف کیا گیا ہے وہ مرکاشفہ ہے اور جس پر مذہب ظاہر یا کشف کیا گیا ہے وہ اِنسان ہے لہٰذا اِنسان مکشوف علیہ ہے۔ مکشوف علیہ کا مطلب ہے کشف کیا گیا اُس پر یعنی وہ جس پر کشف کیا گیا۔ مذہب اِنسان کی طرف ظاہر کیا گیا یا یہ کہ انسان کی طرف بھیجا گیا پس اِنسان مکشوف اِلیہ ہے یعنی کشف کیا گیا اُس کی طرف۔ مذہب انسان کے لئے ہے اور اِنسان کی طرف کشف کیا گیا اور اِنسان پر کشف کیا گیا لہٰذا انسان مکشوف علیہ ہے۔

باب دوم:-

اسرائیلی مذہب کا ارتقائی نظریہ

جس طرح دُنیا کی ہر چیز ترقی کر کے پایۂ تکمیل کو پہنچتی ہے اُسی طرح عالم رُوحانیت میں بھی آہستہ آہستہ ترقی ہو کر کمالیّت کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ اِنسان کو مذہب بھی آہستہ آہستہ ملا ہے۔ تاکہ مذہب کے تھوڑا تھوڑا کر کے ملنے پر تعجب نہ کیا جائے اور اسے ناقص طریق نہ سمجھا جائے اور مذہب کے اِس طور پر ملنے کا انکار نہ کیا جائے دُنیا کی دوسری چیزوں کے آہستہ آہستہ ترقی کر کے کامل ہونے کا بیان کیا جاتا ہے۔ خُدا کی حکمت کو یہی طریق پسند آیا اور ہمیں اُس نے سمجھ دی ہے کہ اِس طریق کی عُمدگی کو سمجھیں۔ پودے جاندار اور اِنسان سب کے سب نہایت ابتدائی اور ناکامل حالت سے شروع ہوتے ہیں اور آہستہ آہستہ ترقی کر کے کمال کے درجے تک پہنچتے ہیں۔

سورج چاند سیارے اور ستارے نیبولا کی حالت سے اربوں سالوں
میں کمال تک پہنچے۔ زمین پر خشکی اور سمندر بننے کے لئے کروڑوں
سال کا عرصہ لگا اور پھر دریا بننے کے لئے بہت طویل اور دراز
عرصہ لگا۔

انسان کو تو پہلے بہ اپنی ماں کے بطن میں جنین ہونا ہے
پھر شیر خوار بچہ ہوتا ہے پھر لڑکے یا لڑکی سے یعنی لڑکپن سے
بلوغت کو پہنچتا ہے اور انسان میں جس طرح کے کمالات ہونا
چاہئیں۔ انہیں حاصل کرتا رہتا اور ان میں ترقی کرتا رہتا ہے ابتدا
میں انسان ننگے ہوا کرتے تھے پھر بہت طویل زمانہ گزرنے کے بعد
پتے پہننے لگے اور اس کے بعد ہزاروں سال گزرنے پر چمڑا پہننے
لگے۔ ان کی رہائش گاہیں درختوں کی شاخیں اور پہاڑوں کے غار
تھے یعنی انسان درختوں پر اور غاروں میں رہا کرتے تھے درختوں کے
پھل اور پتے کھا کر گزارا کرتے تھے۔

بہت مدت گزرنے کے بعد گوشت خور جانوروں کی طرح
مردار بھی کھاتے تھے۔ ہزاروں سالوں کے بعد اور جانوروں کی
طرح مردار بھی کھاتے تھے ہزاروں سالوں کے بعد آگ کا استعمال
معلوم ہوا اور گوشت کو بھوننے لگے۔ جب بہت طویل عرصہ گزرنے
پر نمک کا استعمال معلوم ہوا اور گوشت میں اتفاقاً اندازے کا نمک
پڑ گیا یا بے اندازہ نمک لگ گیا۔

ان کی زبان چٹخارے بھرتی تھی اور ان کے لئے وہ کھانا ایسا

ہی لذیذ تھا جیسا ہمارے لئے کسی شہر کے اوّل درجے کے ہوٹل کا کھانا لذیز ہوتا ہے۔ جب پتے پہننے کی منزل طے کرکے چمڑا پہننے لگے تو مُردہ جانوروں کی کھالیں مردوں کے سُوٹ اور عورتوں کی ساڑھیاں تھیں۔ عورتیں کھال پہن کر پہلے تو اپنا گردو پیش دیکھتی ہوں گی اور اپنا آگا پیچھا دیکھ چکنے کے بعد اِدھر اُدھر بھی دیکھتی ہوں گی کہ مُجھ بنی ٹھنی کو کوئی دیکھتا بھی ہے یا نہیں۔

کپاس سے کپڑے بنانا بہت دیر کے بعد مروّج ہُوا۔ یہ تو سُوتی کپڑے تھے۔ ریشمی اور اُونی کپڑوں کی تیاری کے لئے بھی دراز عرصہ درکار تھا۔ اسی طرح کھانے کی چیزوں میں لال مرچ کالی مرچ پیاز لہسن۔ دھنیا اور ہلدی کے علاوہ گرم مصالحہ ڈالنے کے لئے بھی بڑا لمبا زمانہ لگا۔ گیہوں چاول وغیرہ کھانے کی اجناس کا بھی آہستہ آہستہ علم ہُوا۔ یہ کہ کون کون سے جانور انسان کے لئے بہت کارآمد ہیں یہ معلوم کرنے اور اُنہیں پالتو بنانے کے لئے بھی بہت وقت لگا یعنی یہ معلوم کرنے کے لئے کہ بیل ہمارے ہل جوتنے کے لئے ہیں۔ گائے۔ بھینس بھیڑیں اور بکریاں ہمیں دودھ دینے کے لئے ہیں۔ گھوڑے سواری کے لئے اور اونٹ اور گدھے سواری کے علاوہ اسباب لاد کر لے جانے کے لئے ہیں ہاتھی جیسے جانور بھی ہماری سواری کے لئے ہیں۔

مٹی اور لکڑی مکان بنانے کے لئے ہیں۔ لکڑی ایندھن کے لئے بھی ہے یہ معلوم ہونے کے بعد گاڑیاں اور رتھیں وغیرہ بنیں

لیکن گاڑیاں بننے سے پہلے پہیے کی ایجاد ہونا چاہیئے تھی اور پہیہ میسو پوٹامیہ کی سُمیری قوم کی ایجاد ہے۔ دودھ سے دہی مکھن اور گھی بنانے کے لئے مُدتِ مدید درکار تھی۔ بڑا عرصہ گزرنے کے بعد اناج کا علم ہُوا کہ کونسی اجناس اِنسان کے کام کی ہیں مثلاً کونسی کھانے کی چیزیں ہیں اور کونسی تیل نکالنے کی غرض یہ کہ خُدا نے اَن گنت چیزیں پیدا کی ہوئی ہیں جن کے فوائد کا عِلم بہت زمانے گزرنے کے بعد ہُوا ہے۔

لکھنے پڑھنے کا فن بہت طویل عرصے کے بعد جاری ہُوا اور سامانِ نوشت و خواند میں آہستہ آہستہ ترقی ہوتی رہی۔ اِنسان کا باتیں کرنا بڑے عرصے کے بعد شروع ہُوا اور زبان کی تکمیل کو طویل عرصہ لگا۔ پہلے تو جانوروں کی طرح بولتے۔ بچوں کی طرح غُوں غاں کرتے اور اشاروں سے کام لیتے تھے پہلے نہ آدمیوں کے نام ہوتے تھے اور نہ جانداروں اور بے جان چیزوں کے نام ہوتے تھے۔

کھیتی باڑی کرنا اور بھیڑ بکریاں پالنا اگرچہ بہت مدت کے بعد شروع ہُوا لیکن ایسی قبل از تاریخ باتیں اِنسان کے ابتدائی زمانوں سے منسوب کی گئی ہیں۔ باتیں کرنا اور زبان اور بولی بھی ابتدائی زمانے سے منسوب کی گئی ہے۔

پہلے انسان ننگے رہتے اور پھل پتّے کھا کر گزارا کرتے تھے۔ اِسی کو آدم اور حوّا کا عدن کے باغ یا نخلستان میں رہنا کہا گیا ہے۔ پھر اِنسان پتّے پہننے لگا اور پھر چمڑا۔ اور اِنسانوں نے یا آدم اور حوّا

نے درختوں پر گزارا کرنا اور درختوں میں رہنا چھوڑ کر جانوروں کو پالنا اور کھیتی باڑی کرنا شروع کیا۔ آدم سے مرد اور خصوصاً انسان مُراد ہیں تکوین ۵ : ۲ میں ہے کہ اُس نے اُن کا نام آدم رکھا پس سب مرد و زن آدم ہیں یعنی اِنسان ہیں اور حوّا سے عورتیں مُراد ہیں قائن کسانوں کی جماعت ہے اور ہابل گڈریوں کی۔ چونکہ گڈریوں کی بھیڑیں بکریاں کبھی کبھی کسانوں کی کھیتی کا نقصان کرتی تھیں اِس لئے کسان لوگ گڈریوں کو مارا پیٹا کرتے تھے اِس لئے وہ گڈریوں کو مار بھی ڈالتے تھے۔ اُس وقت انتظام اور حکومت وہ سخت سخت دل اور تُند مزاج ہوتے تھے اِس لئے وہ گڈریوں کو مار بھی ڈالتے تھے۔ اُس وقت انتظام اور حکومت کیا ہوتا تھی۔ اِس لئے اُس وقت قانون کا خوف نہیں ہوتا تھا اور یوں کسان اپنے اِنسان بھائی گڈریے کو مار ڈالتا تھا۔

خاندانی زندگی بننے کے لئے بھی عرصہ لگا خاندانوں سے قبلیے اور قبلیوں سے قومیں بنیں۔

بائیبل مُقدّس مذہبی کتاب ہے اور یہ انسان کا اُس وقت سے ذکر شروع کرتی ہے جب آدمیوں اور حوّاؤں میں یعنی اِنسانوں میں مذہب و تہذیب کا آغاز ہُوا۔ زمانۂ قبل از مذہب کا یا تو بیان کیا ہی نہیں اور یا صرف چند لفظوں میں نہایت مختصر طور پر بیان کیا ہے یعنی یہ کہ قبل از تاریخ اِنسان ننگے ہوتے تھے۔ درختوں میں رہتے اور درختوں کے پھل پھول پر گزارا کرتے تھے۔ پھر پتے پہننے لگے اور پھر

چمڑا اور پھر درختوں میں رہنا چھوڑ کر کھیتی باڑی کرنے اور بھیڑ بکریاں پالنے لگے آزاد جانوروں کو پالتو اور گھریلو بنا لیا۔

سیت کے زمانے میں انسان خداوند کا نام لینے لگا یعنی مذہب کا آغاز ہو گیا۔ اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ مذہب اُس وقت سے نہیں ہے جب سے انسان زمین پر ہے بلکہ مذہب بہت بعد کا ہے خدا نے یہ انسان کو اُس وقت دیا جب انسان مذہب کے حصول کے لائق ہُوا۔ تکوین (پیدائش) کی کتاب کے پانچویں باب میں نسلِ انسانی کے افراد کے پیدا ہونے اور مرنے کا ذکر ہے لیکن یہ ذکر نہیں کہ وہ قبروں میں دفن کئے گئے یا جلائے گئے۔ کیونکہ پہلے زمانوں میں انسان نہ دفن کئے جاتے تھے اور نہ جلائے جاتے تھے بلکہ جس طرح جانوروں کے بدن وہیں پڑے رہتے تھے جہاں وہ مرتے تھے اُسی طرح انسانوں کے بدن بھی وہیں پڑے رہتے تھے جہاں وہ مرتے تھے اور جس طرح مُردہ جانوروں کے بدنوں کو کوّے کتّے چیلیں اور گدھ وغیرہ کھا جاتے تھے اُسی طرح انسانوں کے بدنوں کو بھی گوشت خور چوپائے اور پرندے کھا جاتے تھے۔ قبروں میں دفن کرنے اور جلانے کا رواج مُدتوں بعد شروع ہُوا۔ بائیبل میں پہلا مُردہ جس کے دفن کئے جانے کا ذکر ہے وہ حضرت ابراہیم کی بیوی سارہ ہے لیکن مُردوں کو دفن کرنے کا رواج اس سے پہلے شروع ہو چکا ہوا تھا۔ جب حضرت ابراہیم نے حِتیوں سے اپنی بیوی کو دفن کرنے کے لئے جگہ مانگی تو اُسے یہ کہا گیا کہ تو ہمارے درمیان

زبردست دلیل ہے ہماری قبروں میں سے جو سب سے اچھی ہے اُس میں اپنی مرحومہ کو دفنا اور ہم میں کوئی نہیں جو تجھے اپنی قبر سے منع کرے پس قبروں میں مُردوں کے دفن کرنے کا رواج جاری ہو چکا ہوا تھا لیکن جس مُردے کے دفن کئے جانے کے نام کا ذکر کیا گیا ہے وہ حضرت سارہ ہے۔ وہ پہلی مدفونہ نہیں وہ پہلی مذکورہ مدفونہ ہے بس جبکہ قبر بنانے کے آلات نہیں تھے اور آگ کا استعمال معلوم نہیں تھا تو کیسے دفن کرتے یا جلاتے اور خصوصاً جب کہ دفن کرنے اور جلانے کا خیال تک نہیں پایا جاتا تھا پس نہایت ابتدائی زمانوں میں مُردوں کو نہ دفن کیا جاتا تھا اور نہ جلایا جاتا تھا۔

مذہب اور انسان :-

جب اِنسان مذہب کو قبول کرنے کے لائق ہو گیا تو خُدا نے اُس کو مذہب دینا شروع کر دیا۔ اب بھی اِنسان کو پیدا ہوتے ہی مذہب نہیں مل جاتا بلکہ جب پانچ چھ سال کا ہو جاتا ہے تو اُسے مذہب مِلنا شروع ہوتا ہے شیر خوارگی کے وقت بچّے میں مذہب کی قبولیّت کی سمجھ نہیں ہوتی۔ چونکہ اُس میں اُس وقت مذہب کی قبولیّت کے لئے سمجھ نہیں ہوتی اِس لئے وہ اُس وقت مذہبی علم کے لحاظ سے بے مذہب ہوتا ہے۔ بے مذہب سے مُراد مذہب سے بے خبر ہے بے مذہب شخص مذہب کا مُنکر نہیں ہوتا وہ مذہب سے بے خبر ہوتا ہے۔

لیکن جو شخص مذہب کا منکر ہو اُسے لامذہب کہتے پس شیر خوار بچے بے مذہب ہوتے ہیں لیکن بے دین لوگ جو مذہب کو نہیں مانتے بلکہ اُس کا انکار کرتے ہیں وہ لامذہب ہوتے ہیں جب نوعِ انسانی زمین پر وجود میں آئی تو انسان اپنی موجودگی کے ابتدائی زمانے میں بچوں کی طرح بے مذہب تھے۔ اُنہیں خُدا کا کوئی علم نہیں تھا جس طرح شیر خوار بچوں کو خُدا کا کوئی علم نہیں ہوتا۔ شیر خوار بچے کو خُدا اور مذہب کا علم نہ ہونے سے خُدا کی ہتک نہیں ہوتی اور خُدا کی شان کو بٹہ نہیں لگتا بلکہ یہ خالی خولی حالت بھی خُدا کے جلال کا باعث ثابت ہوتی ہے جبکہ بعد کی منازلِ ترقی کو پیشِ نظر لاتے ہیں اس سے خُدا کی حکمت اور دانائی کا جلال ہوتا ہے کہ وہ نوعِ انسانی جس کا مذہبی علم ابتداء میں صفر تھا اب وہی نوعِ انسانی خُدا اور مذہب کے علم میں ساتویں آسمان پر پہنچی ہوئی ہے اور شیر خوار بچہ جو خُدا اور مذہب کو بالکل نہیں جانتا یعنی جس کا علم ان کے بارے میں صفر ہوتا ہے وہ ہوتے ہوتے مذہب کا عالم و فاضل ہو جاتا ہے شیر خوار بچہ چل پھر نہیں سکتا اور انسان کے ابتدائی زمانے کے شیر خوار بچے بھی چل پھر نہیں سکتے تھے۔ پھر ابتدائی انسان پیدل چلتے رہے اور ہوتے ہوتے انسان گھوڑوں گدھوں اونٹوں ٹانگوں اور سائیکلوں وغیرہ سے گزر کر ہوائی جہازوں پر سفر کرنے لگے یہاں تک کہ راکٹوں میں سوار ہو کر چاند پر بھی پہنچ گئے۔ اِسی طرح مذہب اور مذہبی علم میں بھی ترقی ہوئی ہے اور جب بعد کی حالتوں کو

دیکھا جاتا ہے تو ابتدائی حالت کے بارے میں خُدا کی حکمت کا جلال عیاں اور منکشف ہوتا ہے۔

پس یہ خیال غلط جھوٹا اور باطل ہے کہ انسان کو دنیا کے شروع میں وجود میں آتے ہی مذہب مل گیا تھا اور اب پیدا ہوتے ہی اسے مذہب مل جاتا ہے اور یہ بھی غلط خیال ہے کہ انسان کو دُنیا کے شروع ہی میں مذہب ملنا چاہیئے تھا اور اب بھی اسے پیدا ہوتے ہی مذہب مل جانا چاہیئے۔ یہ حقیقت ہمیشہ ہماری آنکھوں کے سامنے موجود رہتی ہے کہ انسان کو پیدا ہوتے ہی مذہب نہیں ملتا بلکہ بہت عرصے کے بعد ملتا ہے۔ انسان کی اِس حالت کو خُدا اپنی ہتک نہیں سمجھتا۔ خُدا نے سب کچھ اپنے جلال کے لئے پیدا کیا ہے اور انسان کی یہ حالت بھی اُس نے اپنے جلال کے لئے پیدا کی ہے لہٰذا انسان کا بے مذہب زمانہ بھی خُدا کے جلال کے لئے ہے۔ اُس سے بھی اُس کا جلال ہوتا ہے اُس کی ہتک نہیں ہوتی۔

آدمی اور اُس کا نام :۔

شروع میں نہ کوئی زبان تھی اور نہ کوئی تہذیب اِس لئے افراد کے نام نہیں رکھے جاتے تھے ابتدائی زمانے میں اسمائے معرفہ اور اسمائے علم نہیں ہوتے تھے۔ پیدائش کی کتاب کے پہلے پانچ بابوں میں لفظ آدم اِسم ذات کے طور پر اِستعمال ہُوا ہے۔ یہ انسان یا آدمی کے معنی میں اِستعمال کیا گیا ہے اور صرف پانچ دفعہ اِسم معرفہ کے طور

پر آیا ہے اور وہ بھی ایک دفعہ چوتھے باب کے آخر میں اور چار دفعہ پانچویں باب کے شروع میں۔ پہلے باب میں یہ لفظ دو دفعہ آیا ہے ایک دفعہ چھبیسویں آیت میں اور ایک دفعہ ستائیسویں میں اور دونوں دفعہ انسان کے معنی میں آیا ہے۔ ستائیسویں اور اگلی آیات سے ظاہر ہے کہ لفظِ آدم یا انسان اجتماعی یا جمع کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے اور مذکر و مونث یا نر اور مادہ دونوں کے لئے استعمال کیا گیا ہے کیونکہ ستائیسویں آیت میں لکھا ہے "کہ نر اور ناری اُن کو پیدا کیا" اور پانچویں باب کی دوسری آیت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ لفظِ آدم نر اور ناری دونوں کے لئے استعمال کیا گیا ہے دیکھئے "جس دِن خُدا نے اِنسان کو خلق کیا تو اُسے خُدا کی صورت پر بنایا۔ نر اور ناری اُنہیں بنایا اور اُنہیں برکت دی اور جس دِن وہ پیدا کئے گئے اُس نے اُن کا نام آدم رکھا" تکوین (پیدائش) ۵: ۱-۲ عبرانی میں اِنسان کی بجائے لفظِ آدم ہے اور آدم سے نر اور ناری دونوں مراد ہیں۔ دیکھئے "جس دِن خُدا نے آدم کو پیدا کیا تو اُسے اپنی شبیہ پر بنایا نر اور ناری اُن کو پیدا کیا اور اُن کو برکت دی اور جس روز وہ خلق ہُوئے اُن کا نام آدم رکھا" یہاں آدم کی بجائے لفظِ انسان رکھنے سے ترجمہ یہ ہوگا کہ "جس دِن خُدا نے اِنسان کو خلق کیا تو اُسے خُدا کی صورت پر بنایا۔ نر اور ناری اُنہیں بنایا اور اُنہیں برکت دی اور جس دن وہ پیدا کئے گئے اُس نے اُن کا نام اِنسان رکھا"

پہلے باب کی چھبیسویں آیت سے لیکر اس باب کے آخر تک بھی ظاہر ہوتا ہے کہ لفظِ آدم یا اِنسان جمع کے معنی میں آیا ہے یعنی

انسانوں یا آدمیوں اور مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے آیا ہے۔
پس لفظِ آدم اسمِ علم یا اسمِ معرفہ کے طور پر نہیں آیا بلکہ اسمِ ذات کے طور پر آیا ہے اسمِ ذات وہ نام ہے جس سے ایک چیز کے وجود کی حقیقت دوسری چیزوں کے وجودوں کی حقیقت سے جُدا سمجھی جائے مثلاً آدمی کے وجود کی حقیقت شیر کے وجود کی حقیقت سے جُدا ہے اسی طرح میز کتاب شمع پروانہ بلبل پھول پتیاں شبنم موتی بہار وغیرہ اسمِ ذات ہیں۔
پس لفظِ آدم اسمِ ذات اور اسمِ نکرہ کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ اسمِ ذات اسمِ نکرہ ہی کی ایک قسم ہے پس لفظِ آدم اسمِ نکرہ کے طور پر استعمال ہوا ہے اسمِ علم کے طور پر نہیں اسمِ علم اسمِ معرفہ کی ایک قسم ہے اور یہ کسی خاص شخص خاص جگہ یا خاص چیز کا نام ہوتا ہے۔
دوسرے باب میں لفظِ آدم سولہ دفعہ آیا ہے اور ہر جگہ اس کا معنیٰ انسان یا آدمی ہے۔ یہ لفظ دوسرے باب کی ان آیات میں آیا ہے۔ پانچویں میں ایک دفعہ ساتویں میں دو دفعہ۔ آٹھویں میں ایک دفعہ پندرھویں میں ایک دفعہ۔ اٹھارھویں میں ایک دفعہ۔ انیسویں میں دو دفعہ۔ بیسویں میں دو دفعہ۔ اکیسویں میں ایک دفعہ۔ بائیسویں میں دو دفعہ۔ تیئسویں میں ایک دفعہ اور پچیسویں میں ایک دفعہ۔
تیسرے باب میں یہ لفظ آٹھ دفعہ آیا ہے۔ آٹھویں آیت میں ایک دفعہ۔ نویں آیت میں ایک دفعہ۔ بارھویں میں ایک دفعہ۔ سترھویں میں ایک دفعہ۔ بیسویں میں ایک دفعہ اکیسویں میں ایک دفعہ۔ بائیسویں میں ایک دفعہ اور چوبیسویں میں ایک دفعہ۔ چوتھے باب میں یہ دو دفعہ آیا ہے۔

پہلی آیت میں ایک دفعہ اور پچیسویں آیت میں ایک دفعہ۔ پانچویں باب میں چھ دفعہ آیا ہے۔ پہلی آیت میں دو دفعہ دوسری میں ایک دفعہ تیسری میں ایک دفعہ۔ چوتھی میں ایک دفعہ اور پانچویں میں ایک دفعہ پہلے پانچ بابوں میں یہ لفظ چونتیس دفعہ آیا ہے۔ پہلے باب میں دو دفعہ آیا ہے۔ ایک دفعہ چھبیسویں آیت میں اور ایک دفعہ ستائیسویں میں۔ سولہ دفعہ دوسرے باب میں۔ آٹھ دفعہ تیسرے باب میں دو دفعہ چوتھے باب میں اور چھ دفعہ پانچویں باب میں ۲ + ۱۶ + ۸ + ۲ + ۶ = ۳۴۔ پس پہلے پانچ بابوں میں اس لفظ کے آنے کی کل تعداد چونتیس[۳۴] ہے۔ ان میں سے صرف پانچ دفعہ اسمِ معرفہ کے طور پر آیا ہے ایک دفعہ چوتھے باب کی پچیسویں آیت میں۔ پانچویں باب کی پہلی آیت میں پہلی دفعہ معرفہ ہے اور دوسری دفعہ نکرہ پھر تیسری آیت میں ایک دفعہ ہے اور معرفہ ہے اور چوتھی اور پانچویں آیتوں میں ایک ایک دفعہ ہے اور معرفہ ہے پہلے تین بابوں میں یہ لفظ ایک دفعہ بھی معرفہ کے طور پر نہیں آیا۔ پہلے تین بابوں میں یہ لفظ چھبیس دفعہ آیا ہے اور ہر بار نکرہ یا عام نام کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور انفرادی معنی میں نہیں بلکہ انسان کی اجتماعی صورت وحیثیت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

حوّا کا معنیٰ زندگی ہے اور آدم کا معنیٰ ادماہ کا بنا ہوا یعنی چکنی مٹی یا سُرخ مٹی کا بنا ہوا۔ لہٰذا مٹی یا خاک سے بنا ہوا ہونے کی وجہ سے آدم کا معنیٰ خاکی ہے اور آدم اس لئے بھی خاکی ہے کیونکہ زمین پر اپنی معیاد پوری کر کے اسے پھر خاک میں چلے جانا ہوتا ہے۔ مرد

اور عورت دونوں کو بھی آدم کہا گیا ہے پس دونوں خاکی ہیں اور دونوں پھر خاک میں چلے جاتے ہیں۔ عورت کو حوّا یا زندگی اِس لئے کہا گیا ہے کیونکہ وہ اِنسانی زندگی اور انسانی وجود کا سرچشمہ ہے اِنسان کا وجود اُسی میں بنتا ہے اور انسانی زندگی اور ہستی اُسی میں سے آتی ہے۔ جتنے اِنسان زمین پر آتے ہیں وہی اُن کی ماں یا سرچشمہ ہے۔ جو لوگ زمین پر زندہ رہ کر جاتے ہیں وہ عورت میں سے پیدا ہوتے ہیں پس وہ سب زندوں کی ماں ہے یعنی سب اِنسانوں کی زندگی کا سرچشمہ ہے۔

مادی اور رُوحی:۔

اِنسان کے بارے میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ مٹی سے بنایا گیا ہے۔ آج کل کی سائنسی بولی میں کہیں گے کہ وہ مادے سے بنایا گیا ہے۔ قدیم زمانے کی طرزِ ادائیگی میں قدیمی اِنسان اِسی طرح بیان کر سکتا تھا۔ وہ دیکھتا تھا کہ اب ٹانگ یا بازو کو ناخن سے کھجلاتے یا ان پر ناخن چلاتے یا ان کو ناخن سے رگڑتے ہیں تو ان پر مٹی کی سی لکیر پڑ جاتی ہے اس سے اِنسانوں نے یہ خیال کیا کہ ہم مٹی کے بنے ہوئے ہیں اور اِنسانوں نے یہ بھی دیکھا کہ مرنے کے بعد بدن مٹی ہو جاتا ہے تو خصوصًا اِس بات سے اُنہوں نے یہ سمجھا کہ اِنسان مٹی کا بنا ہُوا ہے لیکن پوری سچائی اور آج کل کی بولی کے مطابق اِنسان مادہ کا بنا ہوا ہے صرف اِنسانی بدن ہی مادہ کا بنا ہُوا ہے۔ اِس کی روح غیر مادی ہے۔ وہ مادی نہیں ہے رُوحی ہے۔ فرشتے رُوحیں ہیں۔ وہ نُور کے بنے ہوئے نہیں ہیں کیونکہ

نُور بھی مادہ ہے اور وہ رُوحیں ہیں اس لئے وہ غیر مادی ہیں۔ اچھے فرشتے نور کے اور شیاطین یا بُرے فرشتے آگ کے بنے ہوئے نہیں ہیں۔ نُور اور آگ دونوں مادی چیزیں ہیں لیکن ہر دو قسم کے فرشتے غیر مادی ہیں۔ دونوں قسم کے فرشتوں کا وجود ایک ہی طرح کا ہے یعنی رُوحی اور غیر مادی۔ خُدا بھی رُوح ہے۔ وہ رُوحی ہے مادی نہیں ہے

عورت کو حوّا یا زندگی کہا گیا ہے کیونکہ جو اِنسان بھی زمین پر رہنے کے لئے پیدا ہوتے ہیں وہ عورت سے پیدا ہوتے ہیں۔ اِنسان اُسی کے پیٹ میں اِنسانی وجود اور انسانی زندگی یا حیات پاتا ہے۔ وہی اِسے جنتی اور پالتی پوستی ہے اس لئے عورت اِنسانی زندگی کا سوتا چشمہ منبع مصدر ہونے کی وجہ سے حوّا یا حیات کہلائی۔ آدم اور حوّا مردوں اور عورتوں کو کہا گیا ہے۔ آدم اور حوّا کو اجتماعی معنی میں ماننا آدم اور حوّا کا انکار کرنا نہیں بلکہ ایک آدم اور ایک حوّا کی بجائے بے شمار آدموں اور حوّاؤں کو ماننا ہے اور انکار کرنے والے وہ ہیں جو ہر مرد اور ہر عورت کو آدم اور حوا نہیں مانتے۔

جس معنی میں بائیبل کسی بات کو بیان کرتی ہے اُسی معنی میں اُس بات کو ماننا بائیبل کو ماننا ہے یا بائیبل کی بات ماننا ہے۔ مثلاً خُداوند یسُوع مسیح نے مُقدّس شمعون پطرس کے بارے میں کہا تھا کہ تُو پتھر ہے تو اِس سے یہ سمجھ لینا کہ انجیلِ مُقدس پڑھنے سے آج پتہ چلا ہے کہ خُداوند یسُوع مسیح کا ایک رسول پتھر کا بنا ہُوا تھا۔ دوسرا کہتا ہے اجی نہیں۔ تُو پتھر ہے کا مطلب ہے کہ تُو سخت سنگدل ہے پس اُسے کلیسیا

کی مضبوط بنیاد ہونے کے معنی میں پتھر نہ ماننا بائیبل کی بات کو ماننا نہیں بلکہ اُس کا انکار کرنا ہے۔ اِسی طرح جہاں جہاں آدم کو اجتماعی معنی (collective sense) میں استعمال کیا گیا ہے۔ وہاں اُسے انفرادی معنی یعنی کسی خاص شخص کا نام سمجھنا بائیبل کی بات کو نہ ماننا ہے پہلے لفظِ آدم کو عام اِنسان کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے اور بعد میں ایک خاص اِنسان کے نام کے معنی میں۔

اور ہُوا بھی اسی طرح تھا کہ جب اِنسانوں میں اِتنی سوجھ بوجھ اور تہذیب آ گئی کہ اِنسانوں کے امتیازی نام ہونا چاہئیں اور اِن کے امتیازی نام رکھے جائیں تو اُس وقت سے ہر اِنسان کا خاص نام یا امتیازی نام رکھا جانے لگا۔ پس امتیازی نام رکھنا بتدریج ہُوا اور زبانوں کی تکمیل بھی آہستہ آہستہ ہوئی اور اس کے لئے مدتِ مدید لگی لفظِ آدم سے پہلی مراد خاص اور امتیازی نام نہیں بلکہ نوعِ اِنسانی مُراد ہے۔ مذہب بھی اِنسان کے وجود میں آنے کے بہت عرصہ بعد شروع ہُوا۔ بائیبل وہاں سے شروع ہوتی ہے جہاں سے مذہب شروع ہُوا۔ اور تہذیب کا آغاز ہُوا اور جس طرح آجکل بھی بچّے کا علم آہستہ آہستہ ترقی کرتا ہے اُسی طرح قدیم زمانوں کے لوگوں کا مذہبی علم آہستہ آہستہ ترقی کرتا آیا ہے۔ بچوں کے خیال ناکامل ناقص یا غلط ہوتے ہیں اگر ہاتھ اوپر کر کے کہا جائے کہ اے خُدا ہماری مدد کر۔ یا یہ کہا جائے کہ خُدا نے سب کچھ بنایا ہے تو وہ آسمان کو خُدا سمجھ لیتے ہیں۔ بہت سے بچے بچپن میں آسمان ہی کو خُدا سمجھتے ہیں اور بہت عرصہ گزرنے کے

بعد اُنہیں یہ پتہ چلتا ہے کہ آسمان خُدا نہیں خُدا اَور ہے۔

اِسی طرح جب مذہب شروع ہُوا تو کم علم اِنسان کے خیال خُدا فرشتوں اور رُوحوں وغیرہ کے بارے میں ناقص اور ناکامل تھے۔ اُن کے بارے میں یہ سمجھنا کہ اُن کا علم ہر بات کے بارے میں عموماً اور مذہبی باتوں کے بارے میں خصوصاً کامل ہونا چاہیئے تھا ایسا سمجھنے والے کا اپنا یہ خیال بھی ابھی ناقص اور ناکامل ہے اور اُن قُدما کے خیال تو تہذیب و مذہب کے شروع میں ناقص اور گھٹیا تھے مگر جو یہ سمجھتا ہے کہ انسان کا علم شروع ہی سے کامل ہونا چاہیئے تھا اُس کا یہ خیال دُنیا کے آخر میں بھی ناقص اور گھٹیا ہے۔ دُنیا کے صرف شروع ہی میں خیالات ناقص اور گھٹیا نہیں تھے بلکہ اَب بھی صرف بچوں اور اَنپڑھوں ہی کے خیالات ناقص اور گھٹیا نہیں ہوتے بلکہ پڑھے لکھے اشخاص کے خیالات بھی ناقص گھٹیا ناکامل اور کبھی خیالات بالکل غلط ہوتے ہیں۔ اِنسان کو شروع ہی میں اور یکدم سب کچھ معلوم نہیں ہو جاتا بلکہ تھوڑا تھوڑا کر کے اور آہستہ آہستہ معلوم ہوتا ہے۔ مذہب کی صداقتیں اور سچائیاں یا مذہبی تعالیم بھی آہستہ آہستہ کشف کی گئیں۔ مذہبی مکاشفہ آہستہ آہستہ بخشا گیا۔ بہشت دوزخ اور مُردوں کے جی اُٹھنے کی تعالیم کا مذہب کے ابتدائی زمانے میں کوئی علم نہیں تھا۔ آنجہانی جزا و سزا اور قیامتِ مُردگان کی تعلیموں کا مکاشفہ مذہب کے شروع ہونے کے وقت نہیں بخشا گیا تھا۔ اِن کا مکاشفہ مسیح کی آمد سے کچھ عرصہ پہلے یعنی قریباً دو سو سال پہلے بخشا گیا تھا۔ ان تعلیموں کو

مذہب کے ابتدائی زمانے کی بیان کرنا خلافِ وقت یا خلافِ عصر ہے (anachronism)۔

3 بائیبل میں مذہب الف سے شروع ہوتا ہے اور انجیل میں یے پر ختم ہوتا ہے۔ شروع میں مذہب کا ناکامل صورت میں بیان کیا جانا بائبل کا نقص نہیں بلکہ خوبی ہے کیونکہ اُس وقت مذہب جس طرح کا تھا بائبل اُسے اُسی طرح کا بیان کرتی ہے بائیبل میں مذہب کے اِس طرح کے بیان سے یہ ظاہر اور ثابت ہوتا ہے کہ بائبل سچی ہے بائیبل میں تدریجی مکاشفہ پایا جاتا ہے اور حقیقت میں مکاشفہ اسی طرح ملا ہے اور ہم اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھتے ہیں کہ ہر چیز بتدریج ترقی کر کے پایۂ تکمیل کو پہنچتی ہے اور مذہبی علم اب بھی انسانوں میں درجہ بدرجہ ترقی کرتا اور بڑھتا رہتا ہے اور شروع سے ایسے ہی ہوتا آیا تھا۔

v-good

مذہب کا آغاز بائیبل میں پایا جاتا ہے اور اس کا کمال اور انجام بائیبل ہی میں ہے۔ اس کی تکمیل بائیبل میں ہے۔ بائیبل کامل بلکہ اکمل مذہب کی کتاب ہے۔ خُدا انسان کی سمجھ کے مطابق تعلیم دیتا آیا۔ اُس نے ابجد خوانوں کو ایم۔ اے کی تعلیم نہ دی۔ خُدا حسبِ زمانہ زیادہ زیادہ مکاشفہ بخشتا آیا مگر جب وقت پورا ہو گیا اور انسانی دل و دماغ بلوغت کو پہنچ گیا تو خُدا نے اپنا بیٹا بھیجا جو کامل ہدایت اور کامل نجات لے کر آیا۔ اُس نے کامل مذہب دیا۔ پہلے زمانے میں ناقصوں کے لئے اُستاد بھی ناقص ہوتے تھے لیکن جب کامل مذہب دینے

v-good

کا زمانہ آیا تو خُدا نے ہادیٔ کامل بھیجا۔

بائیبلِ مُقدّس کی کتابیں اگرچہ مختلف زمانوں مختلف جگہوں اور مختلف اشخاص سے لکھی گئیں مگر اُن میں ایک ہی تجویز ایک ہی نجات اور ایک ہی راہ پائی جاتی ہے یا یوں سمجھیں کہ بائیبل اگرچہ بہت سی کتابوں کا مجموعہ ہے مگر اِس میں ایک ہی مذہب پایا جاتا ہے۔ اِس کا مذہب سارے جہان کا مذہب ہے یعنی کل بنی نوعِ انسان کے لئے ہے لہٰذا یہ عالمگیر مذہب کی عالم گیر کتاب ہے۔ خُدا نے پہلے ایک قوم کو چُنا۔ اُسے سچے مذہب کی تعلیم دی۔ اُسے ٹرینڈ کیا تاکہ وہ اوروں کو تعلیم دے۔ خُدا نے اُس قوم کو دُنیا کی سب قوموں کے لئے نُور بنایا اور وہ اسرائیلی قوم ہے۔ مذہب کی نعمت مذہب کی دولت اور مذہبت کا نُور خُدا نے اِسی قوم کو بخشا۔ عہد عتیق کے انبیاء اِسی قوم میں مبعوث ہوئے۔ یسوع مسیح اور اُس کے رسول اِسی قوم کے تھے۔ یسوع مسیح نے عالم گیر ہدایت اور نجات دی اور اُس کے رسولوں نے عالم گیر ہدایت اور نجات کی تعلیم دی۔ وہ مذہب جو اس قوم کے نبیوں پیغمبروں رسولوں ہادیوں اور رہنماؤں نے دیا وہ نُور ہے اور وہ ساری دُنیا کو منّور کرتا ہے۔

بارے میں یہ اعتقاد ہے کہ مَیں ابراہیم کے خلندان سے ہُوں۔ اِس لئے مَیں چُنی ہُوئی قوم کا ہُوں واحد خُدا نے مجھے خلق کیا ہے اور واحد خُدا نے میری قوم کا انتخاب کرنے سے میرا انتخاب کیا ہے۔ مَیں چُنی ہوئی قوم کا فرد ہوں۔ خُدا کے ساتھ میرا یہ تعلّق ہے کہ خُدا میرا خالق اور میری قوم کو برگزیدہ قوم بنانے والا ہے یا وہ میری قوم کو برگذیدگی بخشنے والا ہے۔

۱۔ پیدائش کی کتاب:۔

پیدائش کی کتاب میں جو تذکرات پائے جاتے ہیں وہ اسرائیلی انبیاء کی خالص توحید کی تعلیم سے کبھی بھی رُوگردانی نہیں کرتے۔ ہر تذکرے سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ خُدا ایک اور صرف ایک ہی ہے۔ اُن میں کنعانی یا مصری بُت پرستی اور دیوی یا دیوتاؤں کی پُوجا کا نام ونشان تک نہیں پایا جاتا۔ وہ کنعانی اور مصری دیویوں اور دیوتاؤں کی پُوجا اور اصنام پرستی یا بُت پرستی کے داغ اور دھبّے سے مبّرا ہیں۔ اُن میں بَعل کی عبادت کے ساتھ کشمکش کے آثار نہیں پائے جاتے۔ اِس کتاب کے بیانات میں یہ بھی نہیں پایا جاتا کہ یہوہ (YAHWEH) کے سوا کوئی اور خُدا یا اِلہٰ یا معبود بھی خُدائی کا دعویدار ہو سکتا ہے۔ وہی سب سے بڑا ہے۔ اسرائیل کے آباؤ اجداد کے علاوہ اور قوموں میں بھی ایسے اشخاص پائے جاتے تھے جن میں خوف خُدا پایا جاتا تھا۔ اُن میں سے ایک ملکِ صدق تھا جس کی خُدا پرستی اور خُدا ترسی کا

باب سوم :-

اسرائیل کا مذہب

بائیبل مقدس کے مذہب کا الف بے یا اس کی اے بی سی پیدائش کی کتاب میں پائی جاتی ہے۔ اس کتاب میں خاص مذہبی خیال یہ پایا جاتا ہے کہ جس خدا نے کائنات پیدا کی اُس نے بنی نوعِ انسان کو خلق کیا۔ وہ دُنیا میں گناہ کی وجہ سے طوفان لایا۔ اُس نے انسانی نسلوں کا زمین پر پھیلنا مقرر کیا۔ یہ خدا اسرائیل کا خُدا ہوا جس نے قدیم زمانوں میں عبرانی لوگوں کے آباؤاجداد کو بلایا۔ انہیں چُنا۔ اُن کی حفاظت کی اور اُن کی رہنمائی کی۔

دیندار اسرائیلی کے لئے تکوین یا پیدائش کی کتاب میں دو خاص سبق پائے جاتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ نسلِ انسانی کا خالق خدا ہے اور دوسرا یہ کہ خُدا نے ابرہام کے گھرانے کو چُنا۔ ہر اسرائیلی کا اپنے اور اپنی قوم کے

بیان پیدائش کی کتاب کے چودھویں باب کی اٹھارویں، اُنیسویں اور بیسویں آیت میں پایا جاتا ہے۔ دیکھئے "ملکِ صدقِ سالم کا بادشاہ روٹی اور مے لایا اور وہ خدائے تعالیٰ کا کاہن تھا اور اُس نے اُس کو برکت دے کر کہا کہ خدائے تعالےٰ کی طرف سے جو آسمان اور زمین کا مالک ہے ابرام مبارک ہو اور مبارک ہے خدائے تعالےٰ جس نے تیرے دشمنوں کو تیرے ہاتھ میں کر دیا۔ تب ابرام نے سب کا دسواں حصہ اُس کو دیا"۔

دوسرا شخص حضرت یوسف کے زمانے کا مصر کا بادشاہ ہے۔ یہ فرعون ہکسوس خاندان کا تھا۔ اس خاندان والے مصر کے فرمارواہونے سے پہلے کنعان کے چرواہے تھے۔ اس فرعون کے خدا کو ماننے کا ذکر یوں کیا گیا ہے۔ "فرعون نے اپنے خادموں سے کہا کہ کیا ہم کو ایسا آدمی جیسا یہ ہے جس میں خدا کی روح ہے مل سکتا ہے اور فرعون نے یوسف سے کہا چونکہ خدا نے تجھے یہ سب کچھ سمجھا دیا ہے اس لئے تیری مانند کوئی بھی دانشور اور عقلمند نہیں ہے" تکوین (پیدائش) ۴۱: ۳۸-۲۹

تیسرا شخص وہ ہے جو مصر میں حضرت یوسف کے گھر کا منتظم تھا۔ اُس کے بارے میں لکھا ہے کہ "اُس نے کہا کہ تمہاری سلامتی ہو۔ مت ڈرو تمہارے خدا اور تمہارے باپ کے خدا نے تمہارے بوروں میں تم کو خزانہ دیا ہوگا۔ مجھے تو تمہاری نقدی مل چکی ہوئی ہے" تکوین ۴۳: ۲۳-

پیدائش کی کتاب کی سب سے بڑی خوبی اور سب سے بڑی قیمت اس کے مذہبی پیغام میں پائی جاتی ہے اِس کتاب کے پیغام کو ہمیشہ

بڑی قدر کی نظروں سے دیکھا جاتا رہا ہے۔ جب پہلی دفعہ انسان چاند پر پہنچے تھے تو اِسی کِتاب کا پہلا باب وہاں پڑھا گیا تھا اور لوگ اس کی تلاوت زمین پر سُن رہے تھے۔ اس کا اثر سائنسی یا تاریخی صحت کی کمالیت کا نتیجہ نہیں بلکہ اِسرائیل کے خُدا کے مکاشفہ کی لازمی ضروری اور اہم سچائیوں کو عام لوگوں کی روائیتوں اور داستانوں کے ذریعے سے پیش کرنے کی قُدرت کا نتیجہ ہے۔ یہ داستانیں، افسانے اور روایتیں عبرانی اقوام میں مُشترک طور پر مُروّج تھیں۔

اِسرائیلی عبرانیوں نے یہ روایات اور داستانیں دوسری عبرانی قوموں سے نہیں لی تھیں۔ اُن داستانوں افسانوں اور روایتوں میں جو کُفر پایا جاتا تھا۔ وہ انبیا نے اُن میں سے خارج کر دیا اور اُسکی بجائے اُن میں ایمان بھر دیا اور یوں یہ داستانیں افسانے اور روایتیں سچّائی اور اخلاق سکھانے کا ذریعہ بن گئیں۔ ان کہانیوں کے ذریعے سے اعلےٰ پایہ کی تعلیم دی گئی مثلاً پیدائش کی کتاب کے پہلے باب میں جو کائنات کے بنائے جانے کی کہانی ہے اُس میں یہ سکھایا گیا ہے کہ خُدا ہے خُدا ایک ہے۔ وہ آسمان اور زمین اور جو کچھ اِن میں ہے اُن سب کا بنانے والا ہے۔ وہ ایسا قادر ہے کہ ہر چیز اُس کے صرف کہنے سے بنتی چلی گئی۔ اِن چیزوں کے بننے سے پہلے ویرانی اور سنسانی تھی پس وہ جو محض کہنے سے سب کچھ بناتا ہے اور ویرانی اور سنسانی یعنی نیستی سے سب کچھ بناتا ہے وہ بے حد قدرت والا ہے نہایت قدیم زمانے کے لوگ نیستی کو اسی طرح ادا کر سکتے تھے کہ

اُسے ویرانی اور سنسانی کہا جائے اور وہ اِسے اِسی طرح سمجھ سکتے تھے اور اِس طرح وہ اُس کی قُدرت کو قُدرتِ مطلق اور اُس کو قادرِ مطلق مانتے تھے۔ اُس نے ہر چیز اچھی پیدا کی اور جب سب کچھ کے باہمی میل کو دیکھا جائے تو پھر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے سب کچھ بہت اچھا پیدا کیا ہے اور اُس نے یہ سب کچھ اِس لئے پیدا کیا ہے کیونکہ وہ بے حد بھلا ہے۔

دُنیا کی پیدائش سائنسی طریقے کے مطابق بیان نہیں کی گئی ہے بلکہ یہ مذہبی طریقے کے مطابق بیان کی گئی ہے۔ لوگوں کو اِسی طرح کے بیان سے سمجھ آسکتی تھی۔ یہی طریقہ لوگوں کے لئے مفید اور لازمی تھا۔ کہانیوں کی صورت میں تعلیم دینے کا فائدہ یہ ہے کہ یوں تعلیم آسانی سے یاد رہ سکتی ہے اور یہ طریقہ دلچسپ طریقہ ہے کہانیاں دلچسپ ہوتی ہیں اور لوگ کہانیوں میں بہت دلچسپی لیتے ہیں۔ اُنہیں شوق سے سُنتے ہیں اور اُن کے دلچسپ ہونے کے باعث اُنہیں شوق سے اور آسانی سے یاد رکھتے ہیں۔

بائبل کے مذہب کے الف بے کی سرفرازی اُس وقت کے دیگر مذاہب کی تعلیم سے مقابلہ کرنے سے آسانی سے معلوم ہو سکتی ہے اور یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ انبیا نے اُن کفر آمیز افسانوں میں سے کفر اور نامعقولیت دُور کر کے اُن افسانوں اور کہانیوں کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ نمونے کے طور پر ہم پیدائشِ عالم کے بابلی اور دیگر اقوام کے افسانوں کو پیش کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ بائبل کے بیان کا مقابلہ

کر کے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کہ بائیبل کا بیان کس قدر سچا اعلیٰ معقول پُر از ایمان اور ایمان افزا ہے۔

ب:۔ پیدائشِ عالم کے بارے میں بابلی افسانے:۔

۱۔ "بابلیوں نے بربریوں کے سب چیزوں کا ایک ہی آغاز اور سرچشمہ ماننے کے خیال کا لحاظ نہیں کیا۔ وہ دو چشمے خیال کرتے ہیں۔ توتھے (TOUTHE) اور اپاسون (apason) اور اپاسون کے توتھے کا خاوند خیال کیا ہے اور توتھے کو دیوتاؤں کی ماں کہا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان دو سے ملئے یس (moyais) نامی ایک اکلوتا بیٹا پیدا ہوا (جسے میں قابلِ فہمید کائنات سمجھتا ہوں جو دو خاص عناصر سے بنی ہوئی ہے) انہیں والدین سے لاکے (Lache) اور لاکوس (Lachos) پیدا ہوئے پھر انہیں سے تیسری دفعہ پیدائش ہوئی تو کسارے (KISSARE) اور اسوروس (asoros) پیدا ہوئے۔ ان سے تین بیٹے پیدا ہوئے انوس (ANOS)۔ الی نوس (illinos) اور آؤس (AOS)۔ آؤس (آاوس) اور دوکے (DOUEE) کا بیٹا بیلوس (BeLOS) تھا وہ کہتے ہیں کہ دُنیا کا خالق یہی تھا۔"

مندرجہ بالا بیان داماشیئس (Damascius) کا ترجمہ کیا ہوا ہے "جسے میں قابلِ فہمید کائنات سمجھتا ہوں جو دو خاص عناصر سے بنی ہوئی ہے" یہ فقرہ داماشیئس کی ذاتی رائے ہے یہ فقرہ اُس کی طرف سے ہے اور جس عبارت سے یہ بیان ترجمہ کیا گیا ہے اُس کا جزو نہیں ہے۔

"قابلِ فہمید کائنات" کا مطلب ہے کائنات جو سمجھ میں آسکے۔ کائنات جو سمجھی جا سکے۔

۲۔ بیروسس (BEROSUS) کا ترجمہ:۔

"وہ کہتا ہے کہ ایک وقت ایسا تھا جب سب کچھ تاریکی اور پانی تھا جس میں ہیبت ناک قسموں اور عجیب و غریب صورتوں کے جاندار پائے جاتے تھے آدمی دو پنکھوں والے پیدا کئے گئے اور بعض چار پنکھوں اور دو چہروں والے اور کچھ ایسے بھی جن کا ایک ایک بدن اور دو دو سر تھے ایک ایک مرد کا اور ایک ایک عورت کا اور دوسرے اعضائے مخصوص یعنی اعضائے پوشیدہ تھے۔ مردانہ اور زنانہ یعنی عضوِ تناسل اور اندامِ نہانی یا شرم گاہ۔ اور طرح کے آدمی بھی تھے جن کی بکری کی سی ٹانگیں اور سینگ تھے اور اور طرح کے گھوڑوں کے سموں والے تھے اور اس طرح کے بھی تھے کہ جن کے پچھلے حصّے تو گھوڑے کے تھے لیکن اگلے حصّے آدمی کے تھے کنتوروں یا سینٹاروں (CANTURS) کی طرح (جو نصف آدمی اور نصف گھوڑے تھے)۔ آدمیوں کے سروں والے بیل بھی پیدا کئے گئے اور چار بدنوں والے کتّے جو مچھلی کی دُموں پر ختم ہوتے تھے اور کتّوں کے سروں والے گھوڑے اور آدمی بھی اور اور جاندار بھی جو گھوڑوں کے بدنوں اور سروں والے لیکن مچھلیوں کی دُموں والے تھے۔ اور اور بھی جو سب قسموں کے جانوروں کی صورتوں کے تھے۔ ان کے علاوہ مچھلیاں اور رینگنے والے جاندار اور سانپ اور دیگر عجیب و غریب

مخلوق تھے جن کی عجیب طور پر مخلوط صورتیں تھیں ان کی شبیہیں بیل (BEL) کے مندر میں پائی جاتی ہیں اور ان سب پر ایک عورت حکومت کرتی تھی۔ جس کا نام اومورکا (OMORKA) تھا یعنی جو کلدانی میں تھامتے (ThaMTe) ہے۔ اس کا یونانی میں ترجمہ تھالسا (θαλασσα) یعنی سمندر (یا جھیل) ہے۔ اس کی عددی قیمت سیلینے (σεληνη) کے برابر ہے۔

جب سب چیزیں اس حالت میں تھیں تو بیل آیا اور اُس نے عورت کو درمیان سے دو ٹکڑے کر دیا اور نصف سے زمین بنائی اور دوسرے نصف کا آسمان بنایا اور جو مخلوقات اُس کے اندر تھی اُسے برباد کر دیا "وہ کہتا ہے کہ یہ فطرت یا نیچر کے کاموں کا مجازی بیان ہے کیونکہ جب سب کچھ پانی کا انبار یا ڈھیر تھا اور اُس میں اس طرح کے جاندار پیدا کئے گئے۔ بیل نے (وہ زیوس کو یہی کہتے ہیں) تاریکی کو پھاڑ کر اُس کے دو حصّے کر دیئے اور اس طرح زمین اور آسمان کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا۔ اور کائنات کی تنظیم کی۔ زندہ مخلوقات چونکہ روشنی کی تاب نہ لاسکی اس لئے وہ برباد ہو گئی۔

تب بیل نے دیکھا کہ زمین ویران اور سنسان ہے پس اُس نے دیوتاؤں میں سے ایک کو حکم دیا کہ میرا سر کاٹ دے پھر مٹی کو بہتے ہوئے خون میں ملا دے اور یوں آدمیوں اور جانوروں کو بنا جو ہوا کو سہنے اور برداشت کرنے کے قابل ہوں بیل نے ستارے سورج، چاند اور پانچ سیارے بھی بنائے"۔ الگزینڈر پولی ہستور (ALEXANDER POLYHISTOR)

کے کہنے کے مطابق یہ وہ بیان ہے جو ہیروڈس اپنی پہلی کتاب میں دیتا ہے۔"

نوٹ نمبرا۔ ہیروڈس بیل کے مندر کا پجاری تھا یہ تیسری صدی قبلِ مسیح میں ہوا ہے۔

نوٹ نمبر۲:۔ بیل اہل بابل کا دیوتا تھا۔ بابلی لوگ اِسے مردوک بھی کہتے تھے یا بیل مردوک کہتے تھے۔ یہ اہلِ بابل کے دیوتاؤں کا سردار تھا۔ اہل بابل کا یہ سب سے بڑا دیوتا تھا۔ اہلِ یونان کا سب سے بڑا دیوتا اور دیوتاؤں کا سردار زیوس (ZEUS) تھا اِسی لئے ہیروڈس کے بیان میں جہاں یہ لکھا ہے کہ "جب سب چیزیں اس حالت میں تھیں تو بیل آیا" اس کے عین بعد یہ فقرہ لکھا ہوا ہے کہ "وہ زیوس کو بھی کہتے ہیں" یعنی جس کو اہلِ یونان زیوس کہتے ہیں۔ اُسی کو اہلِ بابل بیل بھی کہتے ہیں کیونکہ دونوں اپنی اپنی پرستار قوم میں دیوتاؤں کے سردار اور سب سے بڑے دیوتا مانے جاتے تھے۔

پورا بیان ہیروڈس کے بیان میں آیا ہے جسے الگزینڈر پولی ہستور یونانی نے نقل کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ "جب سب چیزیں اس حالت میں تھیں تو بیل آیا اور وہ زیوس کو بھی کہتے ہیں"۔ "وہ" یعنی اہلِ بابل۔ اور "بھی" یعنی بائیبل اور وہ زیوس کو بھی کہتے ہیں یعنی اہلِ بابل زیوس کو اسی طرح کی نامعقول کہانیاں ہندوؤں کے ہاں بھی بہت پائی جاتی ہیں۔ اُن کی کہانیوں میں راوُن کے دس سر اور گنیش کا سر ہاتھی کا اور باقی بدن انسان کا بیان کیا گیا ہے اور ہنومان کو بندر بتایا گیا ہے۔

۲۔ تخلیق (پیدائشِ عالم) کی سات بابلی تختیاں :۔

نوٹ نمبر ۱:۔ تختیاں چکنی مٹی سے بنائی جاتی تھیں۔ دس حکموں کی دو تختیاں تو پتھر کی بنائی گئی تھیں لیکن یہ تختیاں مٹی سے بنائی گئی ہیں گیلی مٹی کی اینٹ یا تختی بنا کر اُس پر لوہے کے قلم سے لکھتے تھے۔ پھر اُن اینٹوں یا تختیوں کو سکھا کر بھٹی میں آگ سے پکا لیتے تھے اور یوں وہ پکّی اینٹیں یا پکّی تختیاں بن جاتی تھیں مختلف جگہوں سے ایسی بے شمار تختیاں دستیاب ہوئی ہیں خصوصاً بابل۔ میسوپوٹامیہ اور اس شہر سے بابل کی ان تختیوں میں سے سات پر پیدائشِ عالم کا بیان لکھا ہُوا ہے جو درج ذیل ہے۔

نوٹ نمبر ۲:۔ بیانات کے فقرات کے ساتھ ساتھ جو نمبر دیئے گئے ہیں وہ تختیوں کی سطروں کے نمبر ہیں یعنی تختی کی پہلی سطر میں یہ بیان ہے۔ دوسری میں یہ ہے اور تیسری میں یہ ہے وغیرہ وغیرہ۔

پہلی تختی کا بیان :۔

۱۔ جب اُوپر آسمان نے ابھی اپنا نام نہیں پایا تھا۔

۲۔ اور نیچے ٹھوس زمین کا کوئی نام نہیں تھا۔

۳۔ جبکہ آپسُو (APSU) جو کہ ابتدائی تھا اور جس نے اُن کو جنا

۴۔ اور ویرانی اور سنسانی تیامت (TIAMAT) جس نے اُن سب کو جنا۔

۵۔ اور اُن کے پانی ملے جلے رکھتی تھی۔

۶۔ جب کہ ابھی کوئی کھیت نہیں بنایا گیا تھا اور کوئی دلدل (یا سرکنڈوں کی جھاڑی) دیکھنے میں نہیں آتی تھی۔

۷۔ جب دیوتاؤں میں سے کوئی بھی وجود میں نہیں آیا تھا۔

۸۔ اور کسی کا کوئی نام نہیں تھا اور نہ تقدیریں مقرر کی گئی تھیں۔

۹۔ تب (آسمان کے) درمیان میں پہلے دیوتے خلق کئے گئے۔

۱۰۔ لکمُو (Lachmu) اور لکامُو (LACHAMU) ہستی میں آئے۔

۱۱۔ زمانے بڑھتے گئے۔۔۔۔

۱۲۔ پھر اَنشر (ANSHAR) اور کِشر (KISHAR) پیدا کئے گئے۔۔۔۔

۱۳۔ طویل ایام گزر گئے پھر پیدا ہوئے۔۔۔۔

۱۴۔ اُن کا بیٹا اَنُو (ANU)۔۔۔۔

اب اِن فقرات کا مطلب ذیل میں لکھا جاتا ہے۔

۱۔ آسمان جو اوپر ہے جب یہ ابھی ہستی میں نہیں آیا تھا۔

۲۔ اور زمین جو نیچے ہے نہ ابھی یہ خلق ہوئی تھی

۳، ۴، ۵۔ میسوپوتامیہ میں قدیم زمانے میں جو داستانِ پیدائش عالم پائی جاتی تھی اُس میں پیدائشِ عالم کا بیان ہیولا کے گہراؤ یا عمیق گڑھے سے شروع ہوتا ہے اُس حالت میں ابتری اور سب کچھ درہم برہم تھا۔ سب کچھ بے ڈول بے شکل اور بے ترتیب تھا۔ اس ابتر حالت کو ایک دیوتے اور ایک دیوی سے مشخص کیا گیا تھا۔ دیوتے کا نام اَپسُو اور دیوی کا نام تیامت تھا اِس سے پہلے پہل وہ دیوتے

پیدا ہوئے جن کے نام فقرہ نمبر ۹ سے فقرہ نمبر ۱۴ تک پائے جاتے ہیں۔
اُنیسویں سطر اور اُس سے اگلی سطروں میں یہ بیان پایا جاتا ہے
کہ اَپسُو اور اُس کا بیٹا مُمّوُ (MUMMU) نئے دیوتاؤں سے نفرت
کرتے تھے اور اُنہوں نے اُن کو تباہ و برباد اور ہلاک کرنے کی
سازش کی۔

دوسری تختی جو نامکمل ہے اُس کی ساٹھویں اور اُس سے اگلی
سطروں سے معلوم ہوتا ہے کہ عیار اور مکار دیوتے آئے آ (ea)
نے اُن کی سازش کو ناکام بنا دیا۔ اُس نے اَپسُو کو تباہ و برباد کر دیا
اور مُمّوُ کو اسیر کر لیا (سطر ۷۹ اور اُس سے اگلی)۔ تیامت سے بدلہ
لینے کی ٹھانی۔

سطر ۱۰۹ سے لے کر اگلی سطروں میں بدنما عظیم الجُثّہ اور دیو ہیکل
جانداروں کا صف آرا ہونا بیان کیا گیا ہے۔ یہ جنگ کرنے کے
لئے تیامت کے پیچھے ہو لئے اور وہ یہ تھے زہریلے سانپ ناگ
اژدھا اجگر۔ ہوا کے طوفان یا آندھیاں۔ تُند شکاری کُتّے۔ بچھو آدمی
تُند جھکڑ۔ مچھلی آدمی اور مینڈھے۔ انہیں اُمّوُ خبُور (UMMU KHABUR)
نے جنا اور مُسلّح کیا۔ کِیاگو (Kiagu) کی قیادت میں اِسی نے سب
چیزیں بنائیں۔ اُمّوُ خبُور شاید وہی ہے جسے بیروسُس اومورکا (OMORKA)
کہتا ہے۔ یہ تیامت ہی کا ایک اور نام ہے دوسری تختی بیان کرتی
ہے کہ اِئے آ کو اُن کی جنگی تیاری کا کیسے علم ہُوا اور پھر اُس
نے اِس بات کی اپنے باپ اَنشَر (ANSHAR) کو اطلاع دی اُس

نے پہلے انُو (ANU) اور پھر اِسے آ کو تیامت کا غصّہ ٹھنڈا کرنے کے لئے بھیجا مگر وہ اُس سے ڈرتے تھے اِس لئے وہ انُشر کے پاس واپس آ گئے۔ پھر مَردُوک (MARDUK) نے جانے اور دشمن کو مغلوب کرنے کا بیڑا اُٹھایا۔

تیسری تختی میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ بڑے بڑے دیوتے ایک مجلس میں جمع ہُوئے۔ چوتھی تختی کے پہلے حصّے میں بیان کیا گیا ہے کہ مَردُوک کو دیوتاؤں پر سرفراز کیا گیا پھر اُس کی فوج کا بیان ہے جسے جنگ کرنا تھی اُس کا تیامت کے ساتھ جنگ کرنے کو جانے اور جنگ کرنے کا بیان ہے اور اِس بیان کا خاتمہ مَردُوک کی مکمل فتح پر ہوتا ہے۔

چوتھی تختی کا پہلا حصہ جس میں آقا یعنی مَردُوک کی تیامت کے ساتھ جنگ مذکور ہے۔

۹۵۔ آقا نے اپنا جال پھیلایا اور اُسے گھیر لیا

۹۶۔ اور جھکڑ جو اُس کے پیچھے تھا اُس نے اُسے چھوڑ دیا

۹۷۔ جب تیامت نے اپنا مُنہ اُس کی پوری وسعت تک کھولا

۹۸۔ اِس سے پہلے کہ وہ اپنے ہونٹ مُوند سکے اُس نے طوفانِ باد اُس کے اندر گھُسیڑ دیا۔

۹۹۔ اُس نے ہولناک ہواؤں سے اُس کا پیٹ بھر دیا۔

۱۰۰۔ اُس کی جراُت اور دلیری اُس سے لے لی گئی اور اُس نے اپنا مُنہ کشادہ کھولا۔

۱۰۱۔ اُس نے برچھا پکڑا اور اُس کا پیٹ چاک کر دیا

۱۰۲۔ اُس نے اُس کے اندرونی حصے کاٹ کر الگ کر دیئے اور اُس کا دل چھید دیا

۱۰۳۔ وہ اُس پر غالب آیا اور اُس کی زندگی قطع کر دی

۱۰۴۔ اُس نے اُسکی لاش نیچے پھینک دی اور اُس پر کھڑا ہو گیا۔

اگلی سطروں میں تیامت کی فوج پر فتح پانا بیان کیا گیا ہے جب تیامت کی فوج پر فتح پانے کے کام کو پورا کر لیا تو

۱۲۸۔ وہ پھر تیامت کے پاس واپس آیا جس پر اُس نے فتح پائی ہوئی تھی۔

۱۲۹۔ آقا تیامت کے بدن پر کھڑا ہُوا

۱۳۰۔ اور اپنی بے درد لٹھ سے اُس کی کھوپڑی پاش پاش کر دی۔

۱۳۱۔ اُس نے اُس کی خون کی رگیں کاٹ ڈالیں۔

۱۳۲۔ اور اُس نے اُسے شمالی ہوا سے اُٹھوایا تاکہ وہ اُسے پوشیدہ جگہوں میں لے جائے۔

۱۳۳۔ اور اُس نے یہ دیکھا تو وہ خوش اور شادماں ہُوئے۔

۱۳۴۔ وہ اُس کے پاس عطیے اور تحفے لائے

۱۳۵۔ تب مہاراج نے آرام کیا اور اُس کی لاش کا شوق سے معائنہ کیا

۱۳۶۔ تب اُس نے ہنرمندی سے اُس کے دھڑ کو جُدا جُدا کر دیا۔

۱۳۷۔ اُس نے اُسے کشادہ مچھلی کی طرح کاٹ کر اُسے آدھوں آدھ کر دیا۔

۱۳۸- اُس کے نصف کو اُس نے اوپر قائم کیا اور آسمانوں کے لیے
پردہ بنایا۔

۱۳۹- اُس نے ایک تیر گھسیٹا اور نگرانی کرنے والے مقرر کیے۔

۱۴۰- اور اُنہیں حکم دیا کہ اُس کے پانیوں کو نکلنے نہ دیں۔

۱۴۱- تب اُس نے آسمانوں کو نچلی دُنیا کے جوڑے کے طور پر قائم کیا۔

۱۴۲- اور اُسے سمندر کے مقابل نُودِمُّود (NaDiMMUd) کی رہائش
گاہ کے طور پر قائم کیا۔

۱۴۳- تب مہاراج نے سمندر کی صورت کو ناپا

۱۴۴- اور اُس نے اُس کے نمونے پر ایک محل کی طرح ایشرا (ESHARRa)

۱۴۵- بڑا محل ایشرا جسے اُس نے آسمان کے گنبد کے طور پر تعمیر کیا۔

۱۴۶- انُو، بیل (BeL) اور ایے آ کو الگ الگ رہائش گاہیں دیدیں۔

پانچویں تختی۔

۱- اُس نے بڑے دیوتاؤں کے لئے قیام گاہیں بھی تعمیر کیں۔

۲- ستارے اُن کی تصویریں۔ اُس نے بطور نشانوں کے لگائیں

۳- اُس نے سال کو ترتیب دیا اور اُسے چار حصوں میں تقسیم کیا۔

۴- بارہ مہینوں کے لئے۔ ہر ایک کے لئے اُس نے تین ستارے
مقرر کئے۔

۵- سال کے دنوں کی اُن کی تصویروں کی تمیز کرنے کے بعد

۶- اُس نے اُن کی حدود مقرر کرنے کیلئے نبیرو (NIBIR) (جوپیٹر)
کی قیام گاہ کی بنا ڈالی۔

۷۔ تاکہ کوئی ناکام یا ناکارہ نہ ہو۔

(نوٹ۔ آٹھویں نویں اور دسویں سطریں شائد ٹوٹ کر ضائع ہو گئی ہوئی ہیں)

۱۱۔ درمیان میں اُس نے سمت الرّاس یا عظیم ترین بلندی مقرر کی

۱۲۔ اُس نے چمکنے کے لئے چندر یا چاند دیوتے کو بنایا اور رات کو اُس کے ماتحت کیا۔

۱۳۔ اُس نے دِنوں کے اندازے کیلئے اُسے نورانی جسم بنایا

۱۴۔ ہر مہینہ دائماً۔ اُس نے اُسے شاہی تاج پہنایا اور کہا

۱۵۔ مہینے کے شروع میں جب تُو زمین پر چمکتا ہے

۱۶۔ چھ دنوں کا اندازہ مقرر کرتے ہُوئے اپنے سینگوں کے ساتھ چمک۔

۱۷۔ اور ساتویں دن تاج کو آدھم آدھ کر دے۔

۱۸۔ چودھویں دن . . . . .

(نوٹ:۔ ظاہر ہے کہ ٹوٹی ہوئی سطروں میں چاند دیوتے کا سورج دیوتے کیساتھ تعلّق بیان کیا گیا ہے)

چھٹی تختی

۱۔ جب مردوک نے دیوتاؤں کی تقریر سُنی

۲۔ تو اُس کے دل نے اُسے متحرک کیا اور اُس نے ہوشیاری والی ایک تجویز بنائی۔

۳۔ اُس نے اپنا منہ کھولا اور ایے آ سے مخاطب ہُوا

۴۔ اُس نے جو کچھ تجویز کیا تھا اُس نے اُسے بنا دیا
۵۔ مَیں اپنا خُون لُوں گا اور ہڈی (بناؤں گا)
۶۔ مَیں آدمی بناؤں گا کہ۔۔۔۔۔
۷۔ مَیں اِنسان کو خلق کروں گا جو زمین پر آباد ہوگا۔
۸۔ تاکہ دیوتاؤں کی خدمت قائم ہو اور اُن کی عبادت گاہیں (بنائی جائیں)
۹۔ لیکن مَیں دیوتاؤں کے طور طریقے بدل دُوں گا اور مَیں راہیں تبدیل کر دوں گا
۱۰۔ وہ اکٹھے ستائے جائیں گے اور وہ بدی کی طرف۔۔۔۔

پ۔ تخلیق کے بارے میں ایک اور افسانہ:۔

۱۔ ایک پاک گھر۔ دیوتاؤں کا گھر ابھی پاک زمین پر نہیں بنایا گیا تھا
۲۔ ابھی کوئی سرکنڈا نہیں اُگا تھا اور نہ کوئی درخت بنایا گیا تھا۔
۳۔ کوئی اینٹ ابھی نہیں رکھی گئی تھی اور نہ ہی اینٹوں کی بنیاد تعمیر نہیں کی گئی تھی۔
۴۔ نہ کوئی شہر بنایا گیا تھا اور نہ اُس میں آبادی رکھی گئی تھی۔
۶۔ نپُور (NIPPUR) نہیں بنا تھا اور نہ ایکُور (EKUR) (بیل کا مندر) تعمیر ہُوا تھا۔
۷۔ اُرُوک (URUK) نہیں بنا تھا۔ نہ اے نا (EANa) (انو کا مندر) تعمیر ہُوا تھا۔

۸۔ گہراؤ (اپسُو) نہیں بنا تھا۔ نہ ایرِیڈو (ERIDU) (ایے آ کا مندر) تعمیر ہُوا تھا۔

۹۔ پاک گھر کے لئے دیوتاؤں کے گھر کے لئے جگہ نہیں بنائی گئی تھی

۱۰۔ ممالک سمندر ہی سمندر تھے۔

۱۱۔ جزیروں کی زمین پانی ہی پانی تھی۔

۱۲۔ پھر ایرِیڈو بنایا گیا تھا اور ایساگلا (ESAGILA) تعمیر ہوا تھا۔

۱۳۔ ایساگِلا جہاں گہراؤ کے وسط میں دیوتا لُوگل ڈُل ازاگا (LUGAL DUL AZAGA) (مَرڈُوک) رہتا ہے۔

۱۴۔ بابِل بنایا گیا تھا اور ایساگِل (ESAGIL) مکمل کیا گیا تھا۔

۱۵۔ اور دیوتے اُنّناکی (UNUNNA KI) سب اکھٹے خلق کئے گئے

۱۶۔ پاک شہر پر بلندی کا اعلان کیا گیا۔ جو ایسی رہائش گاہ ہے جو اُن کے دل کو خوش کرتی ہے۔

۱۷۔ پھر مَرڈُوک نے سرکنڈوں کو پانیوں کی سطح پر بالوں کی لٹوں کی طرح رکھا۔

۱۸۔ اُس نے زمین کا ایک ڈھیر بنایا اور اُسے سرکنڈوں کے پاس انڈیلا۔

۱۹۔ تاکہ دیوتے اپنے گھر میں خوشی سے رہ سکیں۔

۲۰۔ اُس نے آدمی بنایا۔

۲۱۔ اُس کے ساتھ دیوی اُرُورُو (ARURU) نے نوعِ اِنسانی بنائی
۲۲۔ میدان کے جاندار بھی اور اُس نے میدان میں زندہ مخلوقات بنائی
۲۳۔ اُس نے دجلہ اور فرات بنائے اور اُنہیں اُن کی جگہ میں رکھا۔
۲۴۔ اُس کے اچھے طور پر اُن کے نام لکھے۔
۲۵۔ اُس نے گھاس۔ دلدل کا ناکر موتھا۔ سرکنڈا اور جھاڑیاں بنائیں
۲۶۔ اُس نے میدان کی ہری جڑی بوٹیاں بنائیں
۲۷۔ اراضی دلدلیں اور دھسان دلدلیں
۲۸۔ جنگلی گائے اور اُس کا بچّہ۔ جنگلی بچھڑا۔ بھیڑ اور اُس کا بچّہ۔ گلّے کا برّہ
۲۹۔ پودوں کے ذخیرے اور جنگلات۔
۳۰۔ بکرا اور پہاڑی بکری۔۔۔۔
۳۱۔ مہاراج مَردُوک نے سمندر کے کنارے پر ایک بند پُر کر دیا
۳۲۔ اُس نے ایک دھسان ۔۔۔ اور دلدل کی تہ بنائی
۳۳۔ اُس نے آنا۔۔۔۔۔۔ بنایا
۳۴۔ اُس نے (سرکنڈے اور) درخت بنائے
۳۵۔ اُس نے جگہ پر۔۔۔۔۔ بنایا
۳۶۔ (اُس نے اینٹ رکھی) اور اینٹ کی عمارت بنائی۔
۳۷۔ (اُس نے گھر بنائے) اُس نے شہر بنائے۔
۳۸ (اُس نے شہر بنائے) اُن میں آبادی رکھی۔

۳۹۔ (اُس نے نِپُور (NIPPUR) بنایا) اُس نے اَیکُور (EKUR) تعمیر کیا۔

۴۰۔ (اُس نے اُرُدُک بنایا) اُس نے اے آنا تعمیر کیا۔

تخلیق کے بارے میں یُونانی افسانے

ت۔ پیدائشِ عالم کا پَیلاسگی افسانہ:۔

پَیلاسگی قوم قبلِ تاریخ زمانے میں یُونان کی سر زمین میں پھیلی ہوئی تھی۔ یہ قدیمی قوم مشرقی بحیرۂ روم اور بحیرۂ ایجیئن کے ساحلوں پر آباد تھی اور اِن بحیروں کے اِس حصّے میں جو جزیرے پائے جاتے ہیں اُن جزیروں میں بھی آباد تھی۔ اِس قوم کی طرزِ تعمیر دُنیا کی قدیم ترین طرزِ تعمیر سمجھی جاتی ہے۔ یہ طرز سیمنٹ کے بغیر اَنگھڑ کی طرز تھی اور یہ طرز یُونان میں پائی جاتی تھی۔ پاسانیاس کا بیان ہے کہ پَیلاسگس آدمیوں میں سے پہلا تھا اور اس پہلے اِنسان کے نام پر یہ قوم پَیلاسگی یا پَیلاسگسی کہلاتی تھی۔

ابتدا میں ایوری نومے سب چیزوں کی دیوی ویرانی اور سنسانی سے ننگی اُٹھی لیکن اُس نے اپنے پاؤں رکھنے کے لئے کوئی محکم چیز نہ پائی لہٰذا اُس نے تنہا ناچ ناچ کر سمندر کو آسمان سے جُدا کر دیا وہ جنوب کی طرف ناچی اور جو ہوا اُس کے پیچھے حرکت میں آ گئی وہ کوئی نئی اور الگ چیز معلوم ہوئی جس کے ساتھ تخلیق کا ایک کام شروع

کرتا تھا۔ گھوم کر اُس نے اِس شمالی ہوا کو پکڑ لیا اور اُسے اپنے ہاتھوں
میں ملا اور رگڑا تو دیکھو بڑا سانپ افیون۔ اِیوری نومے اپنے آپ
کو گرم کرنے کے لئے تُندی سے اور بڑی تندی سے ناچتی رہی
یہاں تک کہ اوفیون نے مستی میں آ کر اُس کے الٰہی عضا کو لپیٹ میں
لے لیا اور اُس سے مجامعت کرنے کے لئے حرکت میں آیا اور شمالی
ہوا جو بوریاس بھی کہلاتی ہے وہ قابل پیدائش بناتی ہے اور یہی
وجہ ہے کہ گھوڑیاں اکثر اوقات اپنی پچھلی طرف یعنی اپنا پیچھا ہوا
کی طرف کرتی ہیں اور گھوڑے کی مدد کے بغیر بچھیڑے بچھیڑیاں جنتی
ہیں اور اِیوری نومے بھی اِسی طرح حاملہ ہو گئی۔

پھر اُس نے فاختہ کی صورت اختیار کی اور لہروں کو ڈھانپ
لیا اور موزوں عرصے کے بعد عالم گیر انڈا دیا۔ اُس کے حکم سے
اوفیون نے اُس انڈے کے گرد سات بل دئیے یہاں تک کہ وہ پھٹ
کر دو ٹکڑے ہو گیا اور سب چیزیں اَب موجود ہیں اُس میں سے باہر
آ گریں جو کہ اُس کے بچے ہیں یعنی سورج چاند سیارے ستارے اور
پہاڑوں دریاؤں درختوں۔ سبزیوں اور جانداروں سمیت زمین۔
اِیوری نومے اور اوفیون نے کوہِ اولمپس پر اپنا گھر بنایا۔ اوفیون نے
یہ دعوٰی کرنا شروع کیا کہ کائنات کا بانی میں ہوں اور یہ دعوٰی کر
کر کے وہ اِیوری نومے کو ستاتا تھا پس اِیوری نومے نے اپنی
ایڑی سے اوفیون کا سر زخمی کر دیا اور لات مار کر اُس کے دانت
نکال دئیے اور زمین کے نیچے کے تاریک غاروں میں بھگا دیا۔

پھر دیوی نے سیاروں کی سات قوتیں خلق کیں اور ہر ایک
پر ایک ایک تیتانی اور ایک ایک تیتان مقرر کیا۔ تھیے آ اور ہیپریون
سورج کیلئے۔ فیبے اور اطلس چاند کے لئے دیونے اور کریس سیّارہ
مریخ کیلئے۔ میتس اور کیئس سیّارہ عطارد کے لئے۔ تھیمس اور
یوری مے دون سیارہ مشتری کے لئے۔ تیتھیس اور اوقیانوس
سیّارہ زہرہ کے لئے۔ اے آ اور کرونس۔ سیّارہ زحل کے لئے۔ لیکن
پہلا انسان پہلا سگس تھا جو پیلا سیگیوں کا مورث تھا وہ آرکیڈیا کی
سرزمین سے پیدا ہوا اور اس کے بعد کچھ اور پیدا ہوئے۔ جنہیں اس
نے جھونپڑیاں بنانا۔ بلوط کا پھل کھانا اور سؤر کی کھال کے کرتے
سینا سکھائے جس طرح کے کرتے غریب لوگ اب بھی ایوبے آ اور
فوکس میں پہنتے ہیں۔

نوٹ نمبر ۱۔ "اب بھی" کا مطلب ہے اس افسانے کے یونانی
مصنف کے زمانے میں۔

نوٹ نمبر ۲۔ تیتان مذکر اور تیتانی مونث ہے۔ تیتان کو انگریزی
میں تائیٹین (TITAN) اور تیتانی کو TITANESS کہتے ہیں۔ یہ دیوتاؤں
کی نسل تھی جو تارتارس کے نیچے رکھی گئی تھی۔ ہیسیوڈ (HESIOD)
کے بیان کے مطابق اورانوس اور گے آ کے چھ بیٹے اور چھ بیٹیاں
تھیں۔ یہ تیتان اور تیتانیاں تھیں۔ بعد میں اورانوس اور گے آ
کی نسل کا خواہ کوئی ہو اسے تیتان کہنے لگے اور لاطینی شاعروں
کے کلام میں تیتان سورج کا نام ہے۔ تیتان سے ایسی ہستی مراد

ہے جو فوق الانسانی قد اور قوّت اور عقل وغیرہ والی ہو۔ تبیتان
تارتارس میں ڈالے گئے۔ یہ اُن کا قید خانہ تھا۔ تارتارس کے بارے
میں پہلے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ یہ ایک تاریک گڑھا ہے جو ہادیس سے
اُتنا ہی نیچے ہے جتنی زمین آسمان سے نیچے ہے۔ اِس کو تبیتانوں
وغیرہ کا قید خانہ خیال کیا جاتا تھا۔ بعد میں یہ خیال کیا جانے لگا کہ
تارتارس عام پاتال ہے یا نچلی دُنیا یا زمین کے نیچے کی دُنیا ہے
اور اسے عذاب اور سزا کی جگہ سمجھا جانے لگا۔ ہادیس پاتال یا عالم
مُردگان ہے۔

پہلے ہادیس ایک دیوتے کا نام تھا جو لاطینی دیوتے پلُوتو (انگریزی
پلُوٹو) یا پلُوتارک (انگریزی پلُوٹارک) کا بدل تھا لیکن بعد میں
ہادیس کو ایک جگہ سمجھا جانے لگا جہاں مرنے کے بعد سب اِنسان
جاتے ہیں پس یہ عالمِ مُردگان یا موت کا جہان تھا۔ یُونانی لوگ
مُبارک یا نیک لوگوں کے لئے ایک خوشی کی جگہ بھی مانتے تھے۔
جسے وہ ایلُوسیئون (ELUSION) اور ایلُوسیئوں کے میدان کہتے
ہیں یہ مُبارک لوگوں کے لئے خوشی کی جگہ خیال کی جاتی تھی۔ ہومر
کے بیان کے مطابق یہ جگہ زمین کی مغربی سرحد پر تھی لیکن ہیسیُوڈ
اور پندرہ کے بیانوں کے مطابق ایلُوسیئون سمندر میں مبارکوں کے
جزیرے تھے پس ایک خیال کے مطابق
وہ میادینِ مُبارکاں اور ایک خیال کے مطابق جزائرِ مُبارکاں تھے۔
اُورانُوس یُونانی لفظ ہے اِس کا معنی آسمان ہے۔ انگریزی

میں اِسے یُورے نس کہتے ہیں یُورے نس اب ایک سیارے کا نام ہے۔ گے آیا گے کا معنیٰ زمین ہے۔ اوکیا نوس (اوقیانوس) کا معنیٰ سمندر ہے۔ یہ لفظ یُونانی میں ωκεανος لاطینی میں اوچے آنوس (اوُچیانوُس) OCEANUS ہے لاطینی میں جب حرف سی کے بعد ای آئے تو سِی چ کی آواز دیتی ہے اِس لئے لاطینی میں یہ لفظ اوچیانوُس ہے اور انگریزی میں یہ لفظ اوشن (OCEAN) ہے۔

ہیسِیئوُد کے بیان کے مطابق اوکیانوُس (اوقیانوُس) اُورانوُس اور گے آ کا بیٹا ہے۔ یہ تمام تھوڑے پانیوں کا سرچشمہ تھا۔ ہومر کے بیان کے مطابق اوکیان ایک دریا تھا جو ساری زمین کو گھیرے ہوُئے تھا۔ مابعد کے زمانے میں یہ باہر کے سمندر یا بیرونی سمندر کا نام رہ گیا یعنی پُرانے زمانے کے لوگوں کے خیال کے مطابق جو سمندر زمین سے باہر ہے وہ اُسے اوکیانوس کہتے تھے وہ زمین کو ایشیا یورپ اور افریقہ پر مشتمل سمجھتے تھے اور یہ سمندر یورپ اور افریقہ کے مغرب کی طرف ہے اِس لئے وہ اِسے زمین سے باہر سمجھتے تھے اور اِس کو باہر کا سمندر یا بیرونی سمندر سمجھتے تھے۔ اِس کے برعکس بحیرۂ روم یا بحیرۂ متوسط کو وہ اندرونی سمندر سمجھتے تھے اور اِس کا نام وسطی زمین کا سمندر تھا کیونکہ یہ ایشیا کے مغربی حصے۔ یورپ کے جنوبی حصے اور افریقہ کے شمالی حصے کے درمیان ہے۔ زمین کے ان حِصوں کو وہ زمین کا وسط یا وسطی زمین سمجھتے تھے اِس لئے وہ اِس سمندر کو وسطی زمین کا سمندر کہتے تھے۔

[انگریزی میں اسے MEDITERRANEAN کہتے ہیں یہ نام لاطینی
الفاظ سے بنا ہوا ہے لاطینی میں مِیدیا (MEDIA) کا معنیٰ وسطی اور
تیرا (TERRA) کا معنیٰ زمین ہے اور MEDIA TERRA کا معنیٰ وسطی
زمین ہے اور انگریزی بنائے ہوئے لفظ MEDITERRANEAN
کا معنیٰ وسطی زمین کا ہے اور THE MEDITERRANEAN SEA
کا مطلب وسطی زمین کا سمندر ہے اسی لئے اسے بحیرۂ متوسط کہتے
ہیں۔ بیرونی سمندر کو اب ایٹلانٹک اوشن یا بحرِ اطلس یا بحرِ اوقیانوس
کہتے ہیں۔ بحر عربی میں سمندر کو کہتے ہیں اور اوقیانوس (اوکیانوس)
یونانی میں سمندر کو کہتے ہیں پس بحرِ اوقیانوس کے لفظی معنیٰ ہوئے
سمندر سمندر اسی طرح کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ خدا کے ساتھ باتیں کرنے
کے لئے کوہِ طور پہاڑ پر جایا کرتے تھے۔ کوہ عربی میں پہاڑ ہے۔
طور کلدانی اور شامی میں پہاڑ ہے اور پہاڑ ہندی میں پہاڑ ہے
پس کوہِ طور پہاڑ کا مطلب ہوا پہاڑ پہاڑ پہاڑ۔ اس پہاڑ کا نام
حوریب یا سینا تھا۔ عبرانی ڈکشنری میں لکھا ہے کہ معلوم ہوتا ہے
کہ پہاڑ کا عام نام حوریب تھا اور سینا اس کی ایک خاص چوٹی تھی۔
پس یونانی لوگ بحیرۂ روم یا بحیرۂ متوسط کو اندرونی سمندر اور
بحرِ اطلس یا بحرِ اوقیانوس کو بیرونی سمندر کہتے تھے۔

نوٹ ۲۔ اطلس زیادہ قدیمی دیوتاؤں میں سے ہے جو آسمان
کے ستونوں کو اٹھائے ہوئے ہے اور یہ بھی ایک تیتان ہے۔
مغربی افریقہ میں ایک پہاڑ کا نام بھی اطلس ہے جسے کوہِ اطلس کہتے

اِس مذہب کے بانی کا نام آرفینس ہے جو چھ سو 600 سال قبل از مسیح ایک مشہور نغمہ سنج گذرا ہے جو اُس مشہور مذہب کا بانی ہے جو آرفک کہلاتا ہے اور جو یونانیوں کے دل و دماغ پر صدیوں تک قابض رہا۔ اِس مذہب کے ماننے والے آرفی کہلاتے تھے

ہیں۔ جو سمندر یورپ اور افریقہ کے مغرب کی طرف ہے اُسے بحرِ اطلس اور بحرِ اوقیانوس کہتے ہیں۔ انگریزی میں اِسے ایٹلانٹک کہتے ہیں۔ یورپ اور افریقہ اِس سمندر کا مشرقی کنارہ ہے اور شمالی امریکہ اور جنوبی امریکہ اِس کا مغربی کنارہ ہے۔ انگریزی لفظ اوشن (OCEAN) یونانی لفظ اوکیانوس یا اوکیان سے ماخوذ ہے۔ انگریزی لفظ لاطینی سے آیا ہے اور لاطینی لفظ یُونانی سے آیا ہے۔

نوٹ ۴:۔ ہومر۔ ہیسیوڈ اور پندار قدیم زمانے کے یُونانی مصنفوں کے نام ہیں

تخلیق کے بارے میں ہومر اور آرنیئس کے افسانے

ٹ۔ افسانۂ دوم :۔

۲۔ لبعض یہ کہتے ہیں کہ تمام دیوتے اور سب زندہ مخلوقات اوکیانوس کی ندی میں پیدا ہُوئی جو دُنیا کے اِردگرد ہے اور تیتھیس اپنے سب بچوں کی ماں تھی لیکن آرفی لوگ یا باقس (باقخس) پرست یہ کہتے کہ کالے پروں والی رات جس سے زیوس بھی ڈرتا ہے۔ یعنی جس کا رُعب زیوس پر بھی ہے اُس سے ہوا نے محبت کی اور اُس نے اندھیرے کے بطن میں ایک انڈا دیا اور ایروس جسے بعض فانیس کہتے ہیں وہ اِس انڈے سے پیدا ہُوا اور کائنات کو حرکت میں لایا۔

ایروس دُہری جنس والا تھا اور سُنہری پروں والا تھا اور چونکہ وہ چار پروں والا تھا اِس لئے کبھی تو وہ بیل کی طرح ڈکارتا تھا کبھی شیر کی طرح دھاڑتا تھا کبھی سانپ کی طرح پھنکارتا تھا اور کبھی مینڈھے کی طرح ممیاتا تھا۔ رات جس نے اُس کا نام ایری کے پے اُس (ایریکیپیئس) پروتوگینئس فانیتھون رکھا اُس کے ساتھ ایک غار میں رہتی تھی اور اپنے آپ کو تہرے طور پر ظاہر کرتی تھی یعنی رات۔ ترتیب اور انصاف کی صورتوں میں۔ اِس غار کے سامنے ماں ریے آ بیٹھی تھی جس سے کوئی بچ کر نہیں جا سکتا تھا۔ وہ کانسی کی ایک ڈھولک بجاتی تھی اور انسان کی توجّہ کو دیوی کی آوازِ غیب کی طرف متوجّہ ہونے کے لئے مجبور کرتی تھی۔ فانیس نے زمین آسمان سُورج اور چاند پیدا کئے لیکن تہری دیوی کائنات پر حکومت کرتی تھی جب تک کہ اُس کا عصا اُورانوس کو نہ ملا (یعنی اُس کا عصائے حکومت اُورانوس کو مل گیا اور وہ اُس سے محروم ہوگئی)۔

ث۔ اِفسانۂ سُوم۔

او لمپوس (ολυμπος) (آلمپس) کی طرزِ مذہبی کا افسانۂ تخلیق۔

۲۔ سب چیزوں کے شروع میں دھرتی ماتا ویرانی اور سُنسانی سے نکلی اور جب وہ سوئی ہوئی تھی تو اُس سے اُس کا بیٹا اُورانوس پیدا ہُوا۔ اُس نے پہاڑوں پر سے اُس کی طرف محبت سے دیکھا۔ اُس نے اُس کے پوشیدہ شگافوں پر زرخیزی اور بارش برسائی تو

اُس سے گھاس پھول اور درخت پیدا ہوئے اور ان میں سے ہر ایک موافق اور حسب حال جانور اور پرندے پیدا کئے۔ اسی بارش سے دریا جاری ہوئے اور اُس نے خالی اور گہری جگہوں کو پانی سے بھر دیا اور یوں جھیلیں اور سمندر وجود میں آئے۔ اُس کے پہلے بچے جو نصف انسانی صورت کے تھے وہ سَو سَو ہاتھوں والے دیو بری آر ئیٹس۔ گگیس اور کاٹس تھے۔ پھر ایک ایک آنکھ والے تین جنگلی کُکلوپس (KUKAW۴) (انگریزی سائی کلاپس) ظاہر ہوئے۔ یہ بڑی دیواریں بنانے والے اور چوٹی کے کاریگر تھے۔ پہلے تھرلیس کے۔ بعد میں کریٹ (کرہ یتے) اور لوکیا (لی سیا) کے (بنانے والے تھے)۔ اِن کے بیٹوں سے اُڈی سیئس نے سِسلی میں مقابلہ کیا۔ اُن کے نام برونتیس۔ شیئروپیس اور آرگیس تھے اور اُن کی رُوحیں آتش فشاں پہاڑ اَیتنا (ایٹنا EATNA) میں رہ چکی ہیں کیونکہ اپالو نے اُنہیں اَیسک لے پیئس کی موت کا بدلہ لینے کے لئے قتل کر دیا تھا۔ ہیسیئوڈ ان تین سائی کلوپیوں یعنی برونتیس۔ سٹیروپیس اور آرگیس کے بارے میں بیان کرتا ہے کہ انہوں نے زیوس کے لئے بادل کی کڑکیں بنائی تھیں۔

ریبیانی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ایک ایک سَو ہاتھوں والوں سے پہلے گارا ماس پیدا ہوا اور جب وہ میدان سے اٹھا تو اُس نے دھرتی ماتا کو بلوط کے میٹھے پھل کا نذرانہ پیش کیا۔

پیدائش عالم کے بارے میں ہندوؤں کے ویدوں پرانوں اور اُپنشدوں کی تعلیم۔ رگوید منڈل ۱۰ منتر ۱۲۹ میں لکھا ہے کہ

اُس وقت نہ اَست تھا نہ سَت ۔ کوئی ہوائی عالم نہ تھا ۔ نہ اُس کے پرے فلک تھا ۔ کیا ڈھنپا ہُوا تھا اور کس نے سایہ کیا ہُوا تھا کیا پانی وہاں تھا ۔ پانی اتھاہ گہرائی ؟ اُس وقت موت نہیں تھی اور نہ کوئی چیز غیر فانی تھی ۔ کوئی نشان نہ تھا دن اور رات کا تقسیم کرنے والا ۔ وہ ایک چیز بے دم اپنی ذات سے دم لے رہی تھی ۔ اُس سے جُدا اور کچھ نہ تھا ۔ تاریکی تھی ۔ پہلے یہ کل تاریکی میں چھپا ہُوا بے ترتیب ہیولا تھا ۔ جو کچھ اُس وقت ہست تھا وہ سُنسان اور بے ڈول تھا ۔ گرمی کی بڑی قدُرت سے وہ احد پیدا ہُوا ۔ اِس کے بعد ابتداء میں خواہش اٹھی جو آتما کا پہلا بیج اور اُن کو اُٹھا ۔ دانشمندوں نے (یعنی رشیوں نے) اپنے دِل کے خیالوں کے ذریعے سے تلاش کیا اور اَست میں سَت کا رشتہ دریافت کیا ۔ اُن کی جُدا کرنے والی لکیر ترچھی کھینچی گئی ۔ اُس وقت اِس کے اُوپر کیا تھا اور نیچے کیا تھا ۔ جنم دینے والے تھے ۔ زبردست قوتیں تھیں ۔ فعل کی آزادگی یہاں اور قوّت وہاں ۔ کون حقیقتاً جانتا ہے اور یہاں کون اُس کا بیان کر سکتا ہے کہ کہاں سے یہ پیدا ہُوئی اور یہ دُنیا کہاں سے آئی ؟ دیوتے دُنیا کی پیدائش سے پیچھے ہُوئے پس کون جانتا ہے کہ سب سے اوّل وہ کہاں سے ہستی میں آئی ؟ وہ جو اِس پیدائش کی اوّل اصل ہے آیا اُس نے اِسے بنایا تھا یا نہیں بنایا تھا ۔ وہ جس کی آنکھ سب سے بلند آسمان میں اِس دُنیا پر حکم رکھتی ہے وہ جانتا ہے یا شاید وہ بھی نہیں جانتا ۔

رگ وید منڈل ۱۰ منتر ۷۲ میں دیوتاؤں کی پیدائش یوں لکھی ہے۔
آدھم ملیٹھی شُرکے ساتھ دیوتاؤں کے یہ نسب نامے بیان کریں تاکہ ہر کوئی اُنہیں دیکھ سکے جب آئندہ زمانہ (یا پُشت) میں یہ منتر گائے جائیں۔ ان کو برہمنس تپی نے لوہار کی طرح پھونک سے اور گلا کر خالص نکالا۔ دیوتاؤں کے ایک اگلے زمانے میں ہستی نیستی سے نمود ہوئی تھی۔ اُس کے بعد زمین کے اطراف پیدا ہوئے تھے۔ یہ (زمین) مولّد قدرت سے نمودار ہوئی تھی۔ زمین مولّد قدرت سے نکلی۔ اطراف زمین سے پیدا ہوئے تھے۔ وِکشا آدِتی سے پیدا ہوا اور آدِتی وِکشا جنی تھی۔ آدِتی کے لئے وِکشا وہ جو تیری بیٹی ہے پیدا کی گئی تھی اِس کے بعد غیر فانی والدین سے مُبارک دیوتے پیدا ہوئے۔ اَے دیوتاؤ! جب تم اِس سمندر میں ایک دوسرے کو مضبوطی سے پکڑے کھڑے تھے وہاں تمہارے پیروں سے ایسے جیسے ناچنے والوں کے (پیروں سے) گرد کے گھنے بادل اُٹھے۔ جب تم اَے دیوتاؤ! یاتس کی طرح سب موجود چیزوں کو بڑھا رہے تھے تب تم نے سریا کو باہر نکالا جو سمندر میں چھُپا پڑا تھا۔ آدِتی کے آٹھ بیٹے ہیں جو اُس کے سر میں سے نکل کر جینے لگے۔ سات کے ہمراہ وہ دیوتاؤں کو ملنے گئی۔ اُس نے مارتانڈا کو دُور پھینکا۔ اسی طرح اپنے سات بیٹوں کے ساتھ اُس سے اگلی پُشت کو ملنے گئی وہ مارتانڈا کو اُس طرف لائی تاکہ جیون پائے اور پھر مر جائے۔

اس کے مطابق منتر ۹ میں بھی دیوتاؤں کا آغاز یا اخراج پُرشس

یہ ایک درخت ہے اور اس کے عرق کو سوم رس کہتے ہیں اس کے پینے سے غنودگی آتی ہے یعنی ایک طرح کا نشہ ہو جاتا ہے اسی وید یعنی رگ وید میں ایک منتر [illegible] ایک دیوتا کا نام سوم لکھا ہے جو ایک دیوتا کا نام ہے

میں سے بیان کیا گیا ہے۔ سوم۔ سورج۔ اندر۔ اگنی اور وایو کا نام بنام ذکر آیا ہے جو پُرش کی آنکھ اور مُنہ اور سانس سے پیدا ہوئے تھے۔ پُرش ایک دیوتے کا نام ہے۔

رگ وید منڈل ۱۰ سوکت ۸ منتر ۹ کا رشی توشٹا ہے۔ اس کے بیٹے وشورُوپ کو تین سروں والا لکھا ہے۔ اِس منتر میں لکھا ہے کہ توشٹا کے بیٹے وشورُوپ کے جو گایوں کا مالک تھا تین سروں کو (اندر نے) کاٹ گرایا۔ شتپتھ براہمن میں توشٹا کے بیٹے تین سروں والے وشورُوپ کا حُلیہ یُوں لکھا ہے کہ توشٹا کا بیٹا تین سروں اور چھ آنکھوں والا تھا۔ اُس کے تین مُنہ تھے۔ چونکہ وہ ایسی شکل والا تھا اس لئے اُس کا نام وشورُوپ (عجوبتہ الاشکال = عجیب شکلوں والا) پڑ گیا تھا۔ ایک مُنہ سوم رس پینے کے لئے تھا۔ دوسرا مُنہ شراب پینے کے لئے اور تیسرا کھانے کے لئے تھا۔ اُس سے اندر نے رویش یعنی لڑائی کی اور اُس کے (تینوں) سروں کو کاٹ ڈالا۔ وہ جو سوم رس پینے والا مُنہ تھا اُس سے کوا پیدا ہوا اور جو شراب پینے والا مُنہ تھا اُس سے کال کلیچی پیدا ہوئی اِسی وجہ سے وہ اِس طرح بولتی ہے جس طرح شراب میں مخمور ہو کر شرابی بولتا ہے اور جو کھانا کھانے کے لئے مُنہ تھا اُس سے تیتر پیدا ہوا اسی وجہ سے وہ وشورُوپ یعنی رنگ برنگا ہوتا ہے۔

بَل نامی اسُر کے کارندے اندر دیوتا کے پروہت برہسپتی کی گائیں چُرا کر کسی خفیہ جگہ میں لے گئے۔ برہسپتی کے کہنے پر اندر دیوتا نے

گم شدہ گائیوں کا کھوج لگانے کے لئے سرما نامی کُتیا کو بھیجا۔ اُس کُتیا نے بڑی ندی پار کر کے بل پور پہنچ کر گایوں کو دیکھ لیا۔ اِس کے بعد پنی راکشس وہاں آئے اور اُس (کُتیا) کے ساتھ دوستی پیدا کرنے کے لئے مکالمہ چھیڑا اور رگوید منڈل ۱۰ سوکت ۱۴ منتر ۱۰ و ۱۱ میں اُسی سرما کُتیا کے چار چار آنکھوں والے بیٹوں کا حال یُوں لکھا ہے" اے سرما کے دو بیٹو۔ کُتو۔ چار چار آنکھوں والو۔ اچھے راستے سے یہاں آؤ۔ جو تیرے یم کے محافظ چار چار آنکھوں والے دو کُتے ہیں"

ج:۔ ہندوؤں کے پُرانوں اور اُپنشدوں کا جغرافیہ:۔

زمین کے سات برّاعظم ہیں جو جزیرے ہیں اور سات سمندر ہیں جو یُوں بنتے ہیں ۔ مَنّوں کے بیٹوں میں سے ایک کا نام پریاوت تھا۔ اُس نے اپنی رتھ زمین کے گرد سات دفعہ گھمائی اور اُس کے پہیوں سے جو لیکیں بنیں وہ سمندروں کی تہیں بن گئیں اور اِس طرح زمین کو سات برّاعظموں میں تقسیم کر دیا۔ پہلے جزیرائی برّاعظم کا نام جُمبُو ہے اور اُسے دوسروں سے نمکین پانیوں یا کھارے پانیوں کے سمندر کے ذریعے سے جُدا کیا گیا ہے۔ دوسرا گنّے کے رس کے سمندر کے ذریعے سے۔ تیسرا شراب کے سمندر کے ذریعے سے۔ چوتھا گھی کے سمندر کے ذریعے سے۔ پانچواں دہی کے سمندر کے ذریعے سے۔ چھٹا دُودھ کے سمندر کے ذریعے سے اور ساتواں میٹھے پانی کے سمندر کے ذریعے سے۔

گنگا کا منبع آسمان میں ہے اور یہ وشنو کے پاؤں کے انگوٹھے سے نکلتا ہے۔ حکیم بھگیرتھ نے ساٹھ ہزار شخصوں کی راکھ کو پاک صاف کرنے کے لئے اسے زمین کی طرف بہا دیا۔ گنگا آسمان سے اُتارے جانے سے سخت ناراض ہُوا اور شو نے اِس کے گرنے کے صدمے سے بچانے کے لئے اپنے گُونتھے ہُوئے یا گُندھے ہُوئے بالوں پر سنبھال لیا یعنی بالوں پر لے لیا۔

دریائے نربدا رُدر دیوتا کے پسینے سے نکلتا ہے۔ گنگا میں تو اشنان کرنے سے مگر نربدا کو محض دیکھنے ہی سے سب پاپ معاف ہو جاتے ہیں۔

میرو کے لئے چار پہاڑ اُس کے پُشتے یا سہارے ہیں۔ ہر ایک پُشتے کی بُلندی دس ہزار یوجن ہے۔ ایک یوجن ۹ میل کا ہوتا ہے لہذا ہر پُشتے کی بلندی نوّے ہزار میل ہے۔ ہر ایک پُشتے کی چوٹی پر مختلف قسم کا ایک ایک درخت ہے جس کی بلندی چار ہزار ایک سو یوجن (YOJAN) ہے۔ لمبُو نامی درخت کے نام سے بڑا اعظم لمبُو ویا کا نام ماخوذ ہے۔ اُس درخت کے سیب ہاتھی کے برابر بڑے ہوتے ہیں۔ (وشنو پُران دوسری کتاب دوسری فصل)۔

زمین کے سہارے کی بابت۔ چونکہ بے سہارا چیزیں زمین پر گر پڑتی ہیں اِس لئے ہندو مصنّفوں نے خیال کیا کہ زمین کسی سہارے پر قائم ہے اور وہ سہارا بغیر خاتمہ کے یا لامتناہی ہے۔ ہندوؤں کا خیال ہے کہ زمین ایک ہزار سروں والے امنت نامی سانپ پر قائم ہے جو وشنو

کا ایک ظہور ہے زمین پہلے تو امنت کے سروں پر ہے اور وہ سانپ ایک کچھوے کی پشت پر ہے اور کچھوا آٹھ ہاتھیوں کے سہارے قائم ہے۔ یہ ہاتھی آٹھ طرف کھڑے ہیں۔

بھونچال یا زلزلے کی بابت۔ اِن کتابوں میں زلزلہ یا بھونچال آنے کی یہ وجہ بیان کی گئی ہے کہ جب ایک ہزار سروں والا سانپ یا ہاتھیوں میں سے کوئی ہاتھی زمین کا بھاری بوجھ طویل عرصے تک اٹھائے رکھنے سے تھک جاتا ہے تو وہ ستانے کے لئے اپنی حالت بدلتا ہے اور اُس کے حالت بدلنے کی وجہ سے زمین میں جُنبش پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اِس وجہ سے زمین کا ہلنا زلزلہ یا بھونچال ہوتا ہے۔ (اگر وجہ یہ ہے تو زلزلہ ساری زمین پر کیوں نہیں آتا صرف خاص خاص جگہوں میں کیوں آتا ہے)۔

نظامِ شمسی کی بابت۔ زمین سارے فلکی اور ہوائی نظام کا مرکز ہے۔ سُورج چاند اور دیگر آسمانی سیارے زمین کے گرد حرکت کرتے ہیں۔ سُورج کا مقام یا مدار زمین سے ایک لاکھ یوجنوں کے فاصلے پر ہے اور چاند بھی سُورج سے اِتنے ہی فاصلے پر ہے۔ سیارگان کے سارے دائرے کا محور قُطبی ستارہ ہے۔

سُورج گہن اور چاند گہن کی بابت۔ اِن گرہنوں کو راہو اور کیتُو کہتے ہیں۔ اُسُر راہُو کا کٹا ہُوا سر جب سُورج کو پکڑنا چاہتا ہے تو سُورج کو گرہن لگتا ہے اور جب وہ چاند کو پکڑنا چاہتا ہے تو چاند گہن وقوع میں آتا ہے۔ راہُو کی دشمنی سُورج اور چاند کے ساتھ اِس

وجہ سے ہُوئی کہ جب سمندر بلوئے جا رہے تھے اور راہُو خفیہ طور پر لافانیت کا پانی پی رہا تھا تو سُورج اور چاند نے روشنی کر کے وِشنو پر یہ ظاہر کر دیا۔ وِشنو نے فوراً راہو کی گردن اُڑا دی یا یہ کہ اُس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ وِشنو نے یہ کام اپنا چکر چلا کر کیا تھا۔ اُس وقت سے راہُو سُورج اور چاند کا دشمن ہو گیا ہُوا ہے۔

وِشنو پُران میں اس طرح کی سینکڑوں خرافات پائی جاتی ہیں اور ان سب کے بارے میں ہندوؤں کا یہ اعتقاد ہے کہ ان باتوں کو برہم نے یا اُس کے بیٹے پُلستیہ نے ظاہر کیا۔ بیچارے سیدھے سادے ہندو عوام اِن کے بارے میں یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ پرمیشر کی طرف سے ظاہر کی ہُوئی سچائیاں ہیں۔ مڈل اور ہائی کلاسوں کے جغرافیہ پڑھنے والے لڑکے اور لڑکیاں اِن جغرافیائی باتوں کی اصلیت اور حقیقت کو بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔

ج :- ہندوؤں کے اعتقاد کے مطابق دُنیا کی پیدائش کا زمانہ

اہلِ ہنود کے عام خیال کے مطابق جگت بار بار پیدا ہوتا اور ناش ہوتا رہتا ہے۔ برہما جی جب تک جاگتے رہتے ہیں تب تک جگت موجود رہتا ہے اور جب تک برہما جی سوئے رہتے ہیں تب تک جگت بھی صفحہ ہستی سے مٹا رہتا ہے۔ نیستی کی حالت کو پرلے بھی کہتے ہیں۔ اسی طرح جگت بے شمار مرتبہ پیدا ہُوا اور بے شمار مرتبہ ناش ہُوا ہے۔ جگت کی موجودگی یا برہما کے

سونے کی حالت کو براہم راتری یعنی برہما کی رات کہتے ہیں۔ برہما کا ایک دن اور ایک رات ملاکر ایک کلپ (KALP) ہوتا ہے۔

برہما کے ایک کلپ میں چودہ مَنُو حکومت کرتے ہیں۔ ہر مَنُو کے تخت نشین ہونے کے وقت دُنیا پر بڑی بڑی آفتیں آتی ہیں اُس وقت کو مَنُونتر یعنی مَنُو پلٹنے کا وقت کہتے ہیں۔ جب سے موجودہ جگت رچا گیا یعنی بنایا گیا تب سے چھ مَنُو گزر چکے ہیں۔ اب ساتواں مَنُو جس کا نام دیوسوت مَنُو ہے سلطنت کر رہا ہے اور اُس کی سلطنت کا بھی آدھا وقت گذر چکا ہے سو اس جگت کے فنا ہونے میں ابھی ساڑھے سات مَنُو باقی ہیں یعنی ابھی ساڑھے مَنُوؤں کی حکومت کا عرصہ باقی ہے۔

سوامی دیانند جو آریا سماج کے بانی ہوئے ہیں اُن کی کتاب رگوید آدی بھاشیہ بھومکا کے مطابق سترہ لاکھ اٹھائیس ہزار برس میں ایک ستیہ یُگ (ست جُگ) ہوتا ہے۔ بارہ لاکھ چھیانوے ہزار برس میں ایک تریتا یُگ ہوتا ہے۔ آٹھ لاکھ چونسٹھ ہزار برس کا ایک دواپر یُگ ہوتا ہے اور چار لاکھ بتیس ہزار برس کا ایک کلی یُگ (کل جُگ) ہوتا ہے۔ ان چاروں یُگوں کے تینتالیس بیس ہزار برس ہوتے ہیں ایسے اکہتر چار چار یُگوں کا یعنی بتیس کروڑ ستر لاکھ بیس ہزار برسوں کا ایک مَنُونتر ہوتا ہے چونکہ برہما ایک دن میں چودہ مَنُو حکومت کرتے ہیں اس لئے ایک مَنُونتر کے زمانے کو چودہ سے ضرب دینے سے برہما کے

ایک دن کا عرصہ ہوتا ہے جو چار ارب اُنتیس کروڑ چالیس لاکھ اسّی ہزار برس ہے اور اتنے ہی برسوں کی رات ہوتی ہے پس ایک کلپ آٹھ ارب اٹھاون کروڑ اکاسی لاکھ ساٹھ ہزار برسوں کا ہوتا ہے۔ پنڈت رام کنول ودیا لنکار پر کرتی واؤ نام بنگالی لغت (لغات) میں ایک براہم دن چار ارب بتیس کروڑ برسوں کا بتاتے ہیں سو ان کے مطابق ایک کلپ آٹھ ارب چونسٹھ کروڑ برسوں کا ہوتا ہے۔ ان دونوں پنڈتوں میں سے سچّا کون ہے؟ کوئی بھی نہیں۔

یُونانی لوگ انسان کے پانچ یُگ مانتے تھے

سوامی دیانند ویدوں کی پیدائش اور کائنات کی پیدائش اکٹھی یا ایک ہی وقت کی مانتے ہیں پس جس سال سوامی جی نے رگ وید آدی بھاشیہ بھُومکا تصنیف کی اگر تب تک ساڑھے چھ مَنوؤں کا زمانہ گذر چکا تھا تو وہ ایک ارب ننانوے کروڑ چھتیس لاکھ اسّی ہزار سال بنتا ہے پس کائنات اور ویدوں کی پیدائش کو اتنا عرصہ ہو چکا ہے۔ اگر ویوسوت مَنُو کا پورا آدھا زمانہ گذرا ہو بلکہ قریباً آدھا زمانہ گذرا ہو کیونکہ پادری بی۔ بی رائیے "ویدوں کی اصل" نامی کتاب میں رگ وید آدی بھاشیہ بھُومکا کی تصنیف تک بارہ کروڑ پانچ لاکھ بتیس ہزار نو سو چھہتّر سال لکھتے ہیں تو پھر بھی ویدوں اور کائنات کی پیدائش کو ایک ارب چھیانوے کروڑ آٹھ لاکھ باون ہزار نو سو چھہتّر سال ہو چکے ہیں۔

نوٹ:۔ میرُو کے چار پُشتوں پر چار درخت ہیں۔ ہر ایک پُشتے کی چوٹی پر ایک ایک درخت ہے اور ہر ایک درخت کی لمبائی چار ہزار ایک سو یوجن ہے اور ایک یوجن ۹ میل کا ہوتا ہے لہٰذا ایک درخت کی لمبائی چھتیس ہزار نوسو میل ہوتی ہے یعنی تقریباً سینتیس ہزار میل ہے۔ دریائے گنگا اور دریائے نربدا کے منبع بھی بہت عجیب ہیں۔ سورج زمین سے ایک لاکھ یوجن دُور بتایا ہے۔ یہ صرف نو لاکھ میل بنتے ہیں لیکن سُورج زمین سے نو کروڑ تیس لاکھ میل دُور ہے یعنی ایک کروڑ ۳۱/۲ لاکھ یوجن دُور ہے۔

تخلیقِ عالم کے بارے میں قدیم مصریوں کے خیالات بھی بابلیوں اور کنعانیوں کے خیالات سے ملتے جُلتے تھے یعنی وہ بھی اِنہیں کی طرح کی خرافات مانتے تھے اِس لئے اُن کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن فارس کے زرتُشتی لوگ اور طرح مانتے تھے۔ قدیم فارسی لوگ جو زرتُشت کے پیرو تھے وہ دُنیا کی چیزوں کو دو خالقوں کی بنائی ہُوئی مانتے تھے۔ دُنیا کی اچھی چیزیں اچھے خُدا کی بنائی ہُوئی ہیں اور بُری چیزیں بُرے خُدا کی بنائی ہوئی ہیں۔ وہ لوگ دو خُدا مانتے تھے۔ ایک نیکی کا خُدا یا نیک خُدا وہ اُس کو اہُرمزد یا یزدان کہتے تھے اور دُوسرا بدی کا خُدا یا بُرا خُدا جس کو وہ اَہْرمن (AHRIMAN) کہتے تھے اِس کو انگرا مینیو بھی کہتے ہیں۔ اَہرمن کا مطلب مُضر رُوح ہے۔ زرتُشتی لوگ ساری خرابی مصائب اور نقصانات بدرُوحوں سے منسوب کرتے تھے۔ زرتُشتیوں یا فارسی لوگوں کو ہست رہنے

کے لئے کش مکش حیات میں لگاتار مصروف رہنا پڑتا تھا۔ بحیرہ کیسپین یا خزر اور کوہِ البرز کی طرف سے ٹھنڈی ہوائیں آتی تھیں۔ گرمی کے موسم میں اُنہیں خشک سالی کا سامنا کرنا ہوتا تھا اور اُنہیں ہر وقت وحشی خانہ بدوشوں کے حملوں کا خطرہ لگا رہتا تھا اور ان سب بدبختیوں کو وہ بدرُوحوں کا کام خیال کرتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ دو خالقوں میں سے ہر ایک ایک دوسرے کی مخلوقات کے خلاف کام کرتا ہے۔

ح:۔ اہُرمزد اور اَنگرا مَینیوُ کے مابین کشمکش:۔

اہُرمزد نے زرتشتیت کا پاک ملک خلق کیا جس طرح ہندوؤں کا آریا ورت ہے۔ اَنگرا مَینیوُ نے سردی کا موسم یا جاڑا خلق کیا۔ اہُرمزد نے سوگدیانہ کی اچھی زمین خلق کی اور اَنگرا مَینیوُ نے اِس کے برعکس ٹڈی خلق کر دی۔ اہُرمزد نے باخدھی کا خوبصورت ملک پیدا کیا۔ اَنگرا مَینیوُ نے چیونٹیاں اور دیمک اور ان کے گھر بنا دیئے اہُرمزد نے زرخیز چراگاہوں والا اُروا پیدا کیا۔ اَنگرا مَینیوُ نے غرُور کا گناہ پیدا کیا۔

اِسی طرح کی بارہ اور پیدائشیں اور اُن کے خلاف پیدائشیں زرتُشتیوں کی کتاب میں بیان کی گئی ہیں۔ اُن کے ہاں ساری مخلوقات دو مخالف گروہوں میں تقسیم کی گئی ہے۔ جانوروں میں سے کُتا۔ پالتو چوپائے اور مُرغ اہُرمزد کی تخلیق ہے۔ ان کی پرورش اور دیکھ بھال کرنا مذہبی فریضہ ہے اور اِن کے بارے میں غفلت کرنا گُناہ

ہے۔ برعکس اس کے مینڈک۔ چھپکلیاں۔ گرگٹ۔ سانپ۔ بِڈیاں۔ مکھیاں۔ چیونٹیاں اور دیمک انگرا مینیوُ کی خلق کردہ ہیں۔

ہر اچھی چیز کے مقابلے میں انگرا مینیوُ نے بُری چیز پیدا کی۔ نیک رُوح یعنی اہرمزد کے اِردگرد چھ غیر فانی قدسی رہتے ہیں۔ انگرا مینیوُ نے چھ عظیم ارواحِ بد یا شیاطین خلق کئے۔ آسمانی مجلس زندگی کو ترقی دینے اور سچائی کو پھیلانے کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتی ہے اور پوتالی مجلس کے مُشیر زندگی کی تباہی اور جھوٹ کی اِشاعت کے لئے ہمیشہ تجاویز بناتے رہتے ہیں۔

خ:۔ نیکی اور بدی کے درمیان کشمکش کے عرصے کی طوالت:۔

نیکی اور بدی میں بارہ ہزار سال تک جنگ ہوتی رہے گی اور یہ وقت جس میں اب ہم رہتے ہیں اِس میں گھمسان کی جنگ جاری ہے۔ لیکن یہ جنگ جو ساری دُنیا میں ہو رہی ہے ہمیشہ نہیں رہے گی۔ زرتُشت کو اہرمزد نے اِسی لئے پیدا کیا تھا تاکہ وہ دشمنِ اعظم اور اُس کی تمام معاون فوجوں کا مقابلہ کرے۔ زرتُشت ہی وہ واحد ہستی تھا جو انگرا مینیوُ کو ڈرا دھمکا سکتا تھا۔ جب وہ پیدا ہُوا تھا تو انگرا مینیوُ بھاگ گیا تھا اُس نے پاک منتروں سے اُسے مضروب کیا اور خاص کر اہُونا وَیرِیا منتر کے ذریعے سے اُسے ضرب پہنچائی۔ یہ منتر ایسا مضبُوط ہتھیار تھا جتنا کہ ایک گھر کی جسامت والا پتھّر ہوتا ہے تاہم سخت جنگ جاری رہی۔ زرتُشت

کے تین بیٹے مُعجزانہ طور پر پیدا ہوں گے جو اُس کے کام کو جاری رکھیں گے۔ اِن میں سے آخری بیٹا کامل طور پر فتح مند ہوگا اُس کا نام سوشینت (SOSHYANT) یا سوسیئوش (SOSIOSH) ہوگا اگرا مینیُو کو شکستِ فاش ہوگی۔ وہ دوزخ میں ڈال دیا جائے گا اور (جس طرح کہ عام طور پر مانا جاتا ہے) تباہ و برباد اور نیست و نابود کر دیا جائیگا۔

زرتُشتی مذہب کی بنیادی غلطی دو خُداؤں کا ماننا ہے۔ بدی کے خُدا کا خیال اِس حقیقت سے پیدا ہُوا کہ دُنیا میں گُناہ اور دُکھ دینے اور نقصان کرنے والی چیزیں موجود ہیں۔ جن چیزوں کو یہ بُری کہتے ہیں وہ بھی فی الحقیقت اچھی ہیں۔ گُناہ بُرا ہے لیکن وہ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ فعل ہے اور حالت ہے۔ اِن کی کتابوں کی تعلیم یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی سگِ آبی کو مارے تو اُس کا معاوضہ یہ ہے کہ وہ اہرمن کی مندرجہ ذیل مخلوقات کو مارے۔ اُسے دس ہزار وہ سانپ مارنا ہوں گے جو پیٹ کے بل چلتے ہیں۔ اُسے دس ہزار کاہر لِس مارنا ہوں گے۔ یہ کُتّے کی شکل کے سانپ ہیں۔ اُسے دس ہزار کچھوے مارنا ہوں گے اور دس ہزار زمینی مینڈک اور دس ہزار آبی مینڈک مارنا ہوں گے۔ اُسے دس ہزار دانے لے جانے والی چیونٹیاں مارنا ہوں گی اور اُسے دس ہزار زہریلی چیونٹیاں مارنا ہوں گی۔ اُسے دس ہزار ایسے کیڑے مکوڑے مارنا ہوں گے جو غلاظت کھاتے ہیں۔ اُسے دس ہزار تُند مکھیاں مارنا ہوں گی۔

زرتُشتیوں کی اِن سب باتوں کا باعث جہالت ہے۔ سب

جانوروں کا بڑھنے کی طرف رجحان ہوتا ہے اگر اس کے برعکس عمل نہ ہو تو بہت خطرناک نتائج پیدا ہوں گے۔ اگر چوہے کھانے والے سانپ نہ ہوں اور نہ بلیاں ہوں تو ہر کہیں چوہوں کے ہجوم ہوں گے پس چوہوں کی تعداد کو مناسب حدود میں رکھنے کے لئے چوہے کھانے والے سانپ اور بلیاں ہونا چاہئیں۔ اگر ہرنوں کو حد سے زیادہ بڑھنے دیا جائے تو وہ نباتات چٹ کر جائیں گے۔ شیر چیتے بھیڑیے اور دوسرے شکاری جانور اس لئے پیدا کئے گئے کہ وہ انہیں اور شکار ہونے والے دیگر جانوروں کو مناسب حدود کے اندر رکھیں۔

خُدا بے حد آنند اور خوشی ہے کیونکہ اُس میں بے حد کمالیت پائی جاتی ہے اور اپنی بے حد کمالیت سے اُسے بے حد خوشی ہوتی ہے وہ بے حد کمالیت اور بے حد خوشی ہے اور ان کے علاوہ وہ بے حد بھلا ہے یعنی وہ عین بھلائی اور بے حد بھلائی ہے پس وہ فیض پہنچانے والا ہے۔ شکاری جانوروں اور شکار ہونے والے جانوروں کی پیدائش کا مقصد اُن کے حق میں یہ ہے کہ اُنہیں خوشی بخشی جائے۔ شکار ہونے والے جانور جب تک زندہ رہتے ہیں وہ بہت خوش رہتے ہیں اور جب اُن پر شکار ہو جانے کی وجہ سے موت آتی ہے تو وہ جلدی مر جاتے ہیں۔ بہت بوڑھے ہو کر بہت بیمار رہ کر اور بہت دکھ پا کر نہیں مرتے۔ وہ شکار ہو کر مرتے ہیں خواہ شکار ہو کر مریں اور خواہ کسی اور طرح سے مریں جلد یا بدیر مرنا

سب کو ہے۔ شکار کرنے والے جانوروں کی تعداد کم ہوتی ہے کیونکہ اُس کی نسل کم ہوتی ہے تاکہ وہ شکار کرنے میں مناسب حد سے نہ بڑھ سکیں۔ ان کو شکار کرنے اور اُسے کھانے سے خوشی حاصل ہوتی ہے اور اپنے زندہ رہنے سے بھی اُنہیں خوشی ہوتی ہے۔ سب زندہ جانوروں مچھروں وغیرہ کو اپنی زندگی سے خوشی حاصل ہوتی ہے۔ بس خدا نے ان سب کو اچھا پیدا کیا ہے اور اِن کو اچھائی اور بھلائی بخشنے کے لئے پیدا کیا ہے۔

مینڈک جو زرتشتی مذہب کی رُو سے ارواحِ بد ہیں اور جنہیں مارنا کارِ ثواب ہے یہ بہت مفید جانور ہیں یہ زمین پر بھی کارآمد ہیں اور پانی میں بھی۔ باغوں میں یہ کیڑوں مکوڑوں کو تباہ و برباد کرتے ہیں اگر یہ اُنہیں ہلاک نہ کریں تو وہ سب پودوں کو کھا جائیں۔ قدیم زمانے کے ہندو زراعت کرنے کے بارے میں حوصلہ شکنی کرتے تھے کیونکہ کھیتوں میں ہل چلانے سے کیڑے مکوڑے اور اِس طرح کے دیگر جاندار ہلاک ہو جاتے ہیں۔ ایسے مذہبوں کے ماننے والوں کو کیڑے مکوڑوں اور دیگر جانداروں کو بچانے کی تو بہت فکر ہوتی ہے لیکن انسانوں کو ہر طرح کا نقصان پہنچاتے ہیں۔ زرتشتی مذہب والے مفید اور اچھے جانداروں کو بُرے سمجھ کر اُنہیں بُرے خدا کی مخلوق بتاتے ہیں۔ خدا صرف ایک ہے اور وہ نیک اور بھلا اور اچھا خدا ہے۔ دنیا کی ہر چیز اُسی کی پیدا کی ہوئی ہے اور ہر چیز فائدہ مند ہے اور اِس قدر فائدہ مند ہے کہ اُس کے سب فائدوں کا ابھی تک علم نہیں ہوا۔

جوں جوں علم بڑھتا جاتا ہے توں توں چیزوں کے زیادہ زیادہ فائدے معلوم ہوتے جاتے ہیں۔ اونٹ کٹارے کانٹوں والے پودے اور درخت۔ بھڑیں۔ سانپ۔ بچھو۔ کلر والی اور بنجر زمین اور ریت اور ہر طرح کے زہر سب مفید ہیں۔ زہروں کی دوائیاں بنتی ہیں۔ ہسپتال میں جاؤ تو دوائیوں کے کمرے میں بہت سی شیشیوں اور بوتلوں پر زہر یا POISON لکھا ہوا ہوتا ہے۔ وہ زہر دوائی ہے اور بیماری دور کرنے کے لئے ہے لیکن اُن کو مناسب مقدار میں کھانا پینا ہوتا ہے۔ ہیں تو سب چیزیں مفید مگر اُن کے غلط اور بُرے استعمال سے نقصان ہوتا ہے۔ دو روٹیوں کی بھوک ہو اور پانچ یا چھ کھا جائیں تو نقصان ہوتا ہے۔ گیہوں اور روٹی بہت مُفید ہیں مگر ان کے بُرے استعمال سے نقصان ہوتا ہے۔ دُنیا کی خطرناک چیزیں ہم کو محتاط اور خبردار بناتی ہیں اور ہماری عقل کو چُست کرتی ہیں اور ہم اُن سے بچنے اور اُنہیں دور کرنے کی تجویزیں بناتے ہیں۔ کبھی یہ خُدا کی طرف سے سزا ہوتی ہے اور ہمیں عبرت حاصل ہوتی ہے پس آندھی طوفان سیلاب اور بھونچال اور آتش فشاں پہاڑوں کا پھٹنا وغیرہ کسی نہ کسی لحاظ سے ضرور مفید ہوتا ہے۔

سب خطرناک چیزیں بھی مفید ہیں۔ دانا اور مہربان خدا نے دُنیا صرف پھولوں کی سیج ہی نہیں بنائی بلکہ اُس نے دُنیا میں کانٹے بھی رکھے ہیں اور وہ کانٹے یعنی خطرات اور مشکلات بھی مفید ہیں

اُن پر قابُو پانے کے لئے ہمیں چُست و چالاک ہونا ہوتا ہے اور اُن پر قابُو پانے سے ہم بہادر ثابت ہوتے ہیں پس مشکلات اور خطرات ہم کو چُست و چالاک اور بہادر بناتے ہیں اور جن چیزوں کو حاصل کرنے کے لئے ہم خطروں کو مول لیتے اور مشکلوں میں پڑتے ہیں وہ بہت اعلیٰ ہوتی ہیں پس جان جوکھوں کے کام مشکلات اور خطرے اعلیٰ چیزیں دلانے والے ہوتے ہیں۔

اب جبکہ خُدا نے انسان کو مشکلات میں رکھا ہے تو پھر بھی بہت دیر تک انسان غافل رہتے ہیں اور غافلوں کی بھی کمی نہیں ہے۔ بہت سے انسان غافل اور بدھُو رہتے ہیں تو اگر یہ مشکلات اور خطرے نہ ہوتے تو پھر کتنی دیر تک اور کتنے انسان غافل ہُوا کرتے۔ اب جبکہ کام نہ کرنے سے تنگ دستی ہوتی ہے اور بھُوکا ننگا رہنا ہوتا ہے اور جو ہماری بے شمار ضروریات ہیں اُن میں سے کوئی بھی پوری نہیں ہو سکتی اور پھر بھی بعض آدمی کاہل سُست نکمے ناکارے بے پرواہ اور تن آسان ہوتے ہیں تو تن آسانی کی پھر کیا حد ہوتی اگر ضروریات زندگی بغیر محنت اور سعی و کوشش کے میسر ہو جایا کرتیں پس خُدا نے ہم کو کنول خور LOTUS-EATERS بنے رہنے کے لئے پیدا نہیں کیا محنت شاقہ کرنے والے خطرات اور مشکلات پر قابو پانے والے اور بہادر ہونے کے لئے پیدا کیا ہے۔

خُدا نے انسان کو آزاد مرضی دی ہے جو خُدا کی بڑی نعمت ہے

اور جس طرح انسان خُدا کی اور نعمتوں کا غلط اور بُرا استعمال کرتا ہے اُسی طرح وہ اپنی آزاد مرضی کا بھی بُرا استعمال کرتا ہے اور اِس کے بُرے استعمال سے گُناہ سرزد اور پیدا ہوتا ہے۔ خُدا نے سب کچھ خلق کیا ہے اور وہ سب اچھا ہے۔ انسان نے صرف ایک ہی چیز خلق کی ہے اور وہ گُناہ ہے جو بُرا ہے۔ خُدا نے سب کچھ انسان کے لئے پیدا کیا ہے صرف ایک چیز اُس نے اپنے لئے پیدا کی ہے اور وہ انسان کا دِل ہے۔ انسان کا دِل اُس نے اپنے لئے پیدا کیا ہے تاکہ انسان کا دِل خُدا کو جانے اُسے ملنے اُس کی عزّت کرے اُس کو پیار کرے اُس کی حمد و ثنا کرے اُس کی عبادت کرے اُس کی فرمانبرداری کرے۔ اُس کی خدمت کرے اُس پر بھروسا کرے اُس پر فخر کرے اور اُس کا شُکر کرے۔

خُدا گناہ نہیں کراتا کیونکہ وہ بے حد راست اور پاکیزہ ہے یعنی وہ عین راستی پاکیزگی اور تقدس ہے لیکن گناہ ناراستی اور ناپاکیزگی ہے۔ خُدا میں کجی اور ٹیڑھا پن نہیں ہے۔ کجی اور ٹیڑھا پن انسان پیدا کرتا ہے۔ خُدا گناہ نہیں کرا سکتا اور وہ گُناہ نہیں کراتا مگر وہ گناہ ہونے دیتا ہے۔ گُناہ کرانا اور بات ہے اور گناہ ہونے دینا اور بات ہے۔ اِن میں آسمان زمین کا فرق ہے۔ جبکہ خُدا نے انسانوں کو آزاد مرضی دی ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اگر انسان اپنی آزاد مرضی کا بُرا استعمال کریں تو خُدا اُنہیں کرنے دے یعنی انسان اگر گناہ کرنا چاہیں تو وہ انہیں کرنے دے۔ اِس کو

دوسرے لفظوں میں یُوں کہتے ہیں کہ خُدا گناہ ہونے دے۔ یہ تعلیم جھوٹی ہے کہ سب کچھ خُدا ہی کراتا ہے۔ خُدا سب کچھ کراتا نہیں خُدا سب کچھ ہونے دیتا ہے۔ اگر خُدا فرشتوں اور انسانوں کو آزاد پیدا نہ کرتا تو یہ خُدا کی اخلاقی صورت پر نہ ہوتے اور کسی جزا اور سزا کے لائق بھی نہ ہوتے۔

دُنیا میں گناہ کی موجودگی کا سبب انسان کی نافرمانی ہے۔ خُدا دُنیا کی خرابیوں سے بھی بھلائی پیدا کرتا ہے انسان اپنے آپ کو گناہگار پاکر حلیم اور فروتن بنتے ہیں۔ انسان حلیمی اور فروتنی سے خُدا کے حضور توبہ کرتا اور اُس سے معافی مانگتا ہے اور خُدا اپنی رحمت اور کامل طریقِ نجات سے اُس کو اُس کے گناہوں سے نجات دیتا ہے اور یُوں خُدا کی رحمت اور اُس کے بچانے والا ہونے کا اظہار ہوتا ہے۔ گناہ سے دوسرے انسانوں کے ساتھ بدی کی جاتی ہے اور جن کے ساتھ بدی کی جاتی ہے وہ اُسے خُدا کی خاطر برداشت کرتے ہیں۔ دوسروں کو معاف کرتے ہیں نقصان پہنچانے والوں کا بھلا چاہتے ہیں۔ دشمنوں کو پیار کرتے ہیں۔ یہ سب نیکیاں گناہ کی موجودگی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔

گناہ اِن نیکیوں کے وجود میں آنے کا موقع (OCCASION) ہے بُرے اور متعصب لوگ خُدا کے ماننے والوں کو طرح طرح کے دُکھ دیتے اور مار بھی ڈالتے ہیں۔ اور یُوں اچھوں کو خُدا کی خاطر اور خُدا کی راہ میں دُکھ اٹھانے اور جان دینے کا موقع ملتا ہے اور اس

طرح بڑے بڑے دُکھ اُٹھانے والے اور جان دینے والے پیدا ہوتے ہیں۔ اگر دُنیا میں بُروں کا وجود نہ ہوتا تو اچھوں کو اعلےٰ درجے کی اچھائی کے مواقع میسّر نہ ہوتے۔ انسان بے علم پیدا ہوتا ہے دُنیا میں سے جہالت دور کرنا نیکی اور بہادری ہے۔ مذہبی بے علمی یعنی مذہبی بے خبری اور جہالت دور کرنے کے لئے مذہب کی اشاعت کرنے والے بہادر پیدا ہوتے ہیں۔ وہ کیسی کیسی تکلیفوں سے مذہب کی تعلیم دیتے ہیں اور مذہب کی اشاعت کرتے ہیں اور مذہب کی اشاعت کے لئے بہادری کرتے ہیں پس خُدا نے دُنیا میں مشکلات اِسی لئے رکھی ہیں تاکہ بڑے بڑے بہادر پیدا ہوں جو سب مشکلات پر قابو پائیں اور اُن پر غالب آئیں۔

دنیا کی ہر چیز مفید ہے اسی سبب سے جب خُدا نے دنیا پیدا کی تو اُس نے ہر چیز کے بارے میں فرمایا کہ یہ اچھی ہے اور دُنیا کی چیزوں کی باہمی مناسبت کی وجہ سے یہ فرمایا کہ یہ بہت اچھی ہیں یا یہ کہ کائنات بحیثیت مجموعی بہت اچھی ہے۔ زندگی سانس پر موقوف ہے تو اِس کے لئے ہَوا موجود ہے۔ بُھوک ہے تو خوراک موجود ہے۔ پیاس ہے تو پانی موجود ہے۔ سانس کے لئے پھیپھڑے ہیں تو اِن میں ہَوا کے جانے کے لئے نتھنے موجود ہیں آنکھیں ہیں تو دیکھنے کے لئے روشنی موجود ہے۔ کان ہیں تو سُننے کے لئے آواز موجود ہے۔ غرضیکہ دُنیا کی سب چیزیں ایک دوسری کے ساتھ گہرا تعلق رکھتی ہیں اور جب اِس حیرت انگیز تعلق اور

مناسبت کو معلوم کیا جاتا ہے تو دِل بے ساختہ پکار اُٹھتا ہے کہ
یہ سب کچھ اپنی مجموعی حیثیت میں بہت اچھا ہے پس دُنیا میں
دُکھ تکلیف اور بدی کی موجودگی سے بدی کے خدا کا وجود ثابت نہیں
ہوتا۔ بدی کا خدا نہ ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ سب چیزیں اچھی
ہیں۔ کوئی چیز بھی بذاتہٖ بُری نہیں ہے۔ سب کچھ ایک ہی خدا کی
طرف سے ہے اور بحیثیت مجموعی بہت اچھا ہے۔ زرتُشتیوں
کی دو خداؤں اور دو طرح کی مخلوقات کی تعلیم غلط اور جھوٹی ہے۔

خوانندگان نے غیر اقوام کے مذاہب کی تخلیقِ عالم کے بارے
میں تعالیم پڑھ لی ہیں اور معلوم کر لیا ہے کہ اِن انسان ساختہ مذاہب
کی تعلیم کس طرح کی ہے۔ اب تخلیقِ عالم کے بارے میں خدا کی کتاب
بائبلِ مقدس کی تعلیم پیش کی جاتی ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ اِس
کی تعلیم کیسی سچی اور اعلیٰ وارفع ہے۔

تخلیقِ عالم کے بارے میں بائبلِ مقدس کا پہلا بیان

خدا نے آسمانوں اور زمین کو ابتداء میں خلق کیا اور زمین ویران
اور سنسان تھی اور گہراؤ کے اُوپر اندھیرا تھا اور خدا کی رُوح
پانیوں کی سطح پر جُنبش کرتی تھی اور خدا نے کہا کہ روشنی ہو جائے تو
روشنی ہو گئی اور خدا نے دیکھا کہ روشنی اچھی ہے اور خدا نے

روشنی کو تاریکی سے جُدا کر دیا اور خُدا نے روشنی کو دِن کہا اور تاریکی کو رات کہا پس شام ہُوئی اور صبح ہُوئی ایک دن۔ اور خُدا نے کہا کہ پانیوں کے درمیان فضا ہو جو پانیوں کو پانیوں سے جُدا کر دے تب خُدا نے فضا کو بنایا اور فضا کے نیچے کے پانیوں کو فضا کے اُوپر کے پانیوں سے جُدا کر دیا اور ایسے ہی ہو گیا تو خُدا نے فضا کو آسمان کہا پس شام ہوئی اور صبح ہوئی دوسرا دن اور خُدا نے کہا کہ آسمان کے نیچے کا پانی ایک جگہ جمع ہو تا کہ خشکی نظر آئے تو ایسے ہی ہو گیا اور خُدا نے خشکی کو زمین کہا اور مجتمع ہُوئے پانی کو بحر کہا اور خُدا نے دیکھا کہ اچھا ہے۔

اور خُدا نے کہا کہ زمین سبز نباتات اور بیج دار پودوں اور پھل دینے والے میوہ دار درختوں کو اُن کی اپنی اپنی قسم کے مطابق اور جو زمین پھل رکھیں اُگائے تو ایسے ہی ہو گا تب زمین پر سبز نباتات اور بیج دار پودوں اور پھل دینے والے میوہ دار درختوں کو اُن کی اپنی اپنی قسم کے مطابق اگایا اور خُدا نے دیکھا کہ اچھا ہے پس شام ہُوئی اور صبح ہوتی تیسرا دِن۔ اور خُدا نے کہا کہ آسمان کی فضا میں نیّر ہوں کہ دن کو رات سے جُدا کریں اور وہ زمانوں اور دنوں اور برسوں کے امتیاز کے نشان ہوں اور وہ آسمان کی فضا میں چمکیں کہ زمین کو روشن کریں اور ایسے ہی ہو گیا پس خُدا نے دو بڑے نیّر بنائے ایک تو نیّر اکبر جو دن پر حکومت کرے اور ایک نیّر اصغر جو رات پر حکومت کرے اور ستارے بھی اور خُدا نے اُن کو آسمان

کی فضا میں رکھا کہ زمین کو روشن کریں اور دن پر اور رات پر حکومت کریں اور روشنی کو تاریکی سے جُدا کریں تو خُدا نے دیکھا کہ اچھا ہے پس شام ہُوئی اور صبح ہُوئی چوتھا دن۔

اور خُدا نے کہا کہ پانی میں رینگنے والے جانوروں کو پیدا کرے اور پرندوں کو جو زمین کے اُوپر آسمان کی فضا میں اڑیں اور خُدا نے بڑے بڑے دریائی جاندار اور ہر قسم کے حرکت کرنے والے جانداروں کو جن کو پانی نے اُن کی اقسام کے مطابق پیدا کیا اور تمام پر دار جانوروں کو اُن کی اقسام کے مطابق بنایا اور خُدا نے دیکھا کہ اچھا ہے اور خُدا نے اُن کو برکت دے کر کہا کہ پھلو اور بڑھو اور سمندر کے پانی کو معمور کر دو اور پرندے زمین پر کثرت سے بڑھ جائیں پس شام ہوئی اور صبح ہوئی پانچواں دن۔ اور خُدا نے کہا کہ زمین جانداروں کو اُن کی اقسام کے موافق چوپائیوں اور کیڑے مکوڑوں اور جنگلی جانوروں کو اُن کی اقسام کے موافق اور چوپائیوں اور زمین پر رینگنے والوں کو اُن کی اقسام کے مطابق پیدا کیا اور خُدا نے دیکھا کہ اچھا ہے اور خُدا نے کہا کہ ہم انسان کو اپنی صورت پر اپنی مانند بنائیں اور وہ سمندر کی مچھلیوں اور آسمان کے پرندوں اور چوپائیوں اور کُل رُوئے زمین اور سب کیڑے مکوڑوں پر جو زمین پر رینگتے ہیں حکومت کرے اور خُدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ خُدا کی صورت پر اُس نے اُس کو پیدا کیا۔ نر اور ناری اُن کو پیدا کیا۔

پھر خدا نے اُنہیں برکت دی اور کہا کہ پھلو اور بڑھو اور زمین کو معمور اور محکوم کرو اور سمندر کی مچھلیوں اور آسمان کے پرندوں اور کل جانوروں پر جو زمین پر چلتے ہیں اختیار رکھو اور خدا نے کہا کہ دیکھو میں تمام رُوئے زمین کی کل بیج دار سبزی اور ہر درخت جس میں اُس کا بیج دار پھل ہو تم کو دیتا ہُوں یہ تمہارے کھانے کو ہوں اور زمین کے کُل جانوروں کے لئے اور آسمان کے کل پرندوں کے لئے اور اُن سب کے لئے جو زمین پر رینگنے والے ہیں جن میں زندگی کا دم ہے کُل ہری بوٹیاں کھانے کو دیتا ہُوں اور ایسے ہی ہو گیا اور خُدا نے اُس سب پر نظر کی جو اُس نے بنایا تھا اور دیکھا کہ بہت اچھا ہے اور شام ہُوئی اور صبح ہوئی چھٹا دن۔ سو آسمان اور زمین اور اُن کے کل لشکر کا بنانا ختم ہُوا اور خُدا نے اپنے کام کو جیسے وہ کرتا تھا ساتویں دن ختم کِیا اور اپنے سارے کام سے جسے وہ کر رہا تھا ساتویں دِن فارغ ہُوا اور خُدا نے ساتویں دن کو برکت دی اور اُسے مقدس ٹھہرایا کیونکہ اُس میں خدا اپنے سب کام سے جو اُس نے بنایا اور خلق کِیا فارغ ہُوا۔

اب بائیبل مُقدّس کے اِس بیان کا مقابلہ میسوپوٹامیہ اور کنعان کے اُن افسانوں سے کیا جائے جو پیدائش عالم کے بارے میں ہیں۔ چونکہ بابل کا شہر میسوپوٹامیہ کے ملک میں تھا اس لئے بابلی افسانے یا میسوپوٹامیہ کے افسانے ایک ہی بات ہے۔

پُرانے عہد نامے میں تخلیق عالم کے بارے میں جو خیال پایا جاتا

ہے اُسے سمجھنے کے لئے میسوپوٹامیہ اور کنعان کے پیدائش عالم کے افسانوں کو جاننا ضروری ہے کیونکہ پرانے عہد نامے کا بیان اِنہیں افسانوں کے بیانات کو رد کرنے کے لئے تیار کیا گیا۔ انبیاء نے ان بیانوں میں سے سارا کفر خارج کر دیا اور ان میں سچائی بھر دی اور اس کا صرف اس قدر ڈھانچہ رہنے دیا جو سچائی کو ظاہر کرنے کے لئے اُس زمانے میں درکار تھا۔ پرانے عہد نامے کا بیان بحیثیت مجموعی ان افسانوی بیانات کے بالکل برعکس ہے۔ میسوپوٹامیہ والا بیان اینوما ایلیش نامی رزمیہ نظم میں پایا جاتا ہے۔ اس بیان کے بارے میں قدیمی اور پہلی صورت کچھ اور تھی اور اس رزمیہ نظم میں جو بیان پایا جاتا ہے یہ اُس کی پچھلی اور دوسری صورت ہے۔ اس پچھلے یا دوسرے بیان میں جو اِلٰہ یا دیوتا خلق کرنے کا کام کرتا ہے وہ بابل کا دیوتا مردوک ہے۔ یہ بات یقینی ہے کہ قدیمی بیانات میں یہ مرتبہ اور دیوتاؤں کو حاصل تھا اور ان تبدیلیوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جن الٰہوں یا دیوتاؤں کو پہلے اہمیت حاصل ہوتی تھی وہ اپنی اہمیت کھو دیتے تھے اور اُن کی بجائے اور الٰہوں یا دیوتاؤں کو اہمیت حاصل ہو جاتی تھی یعنی دیوتا پرست لوگ جن دیوتاؤں کو بڑے اہم دیوتے مانتے تھے ایک وقت ایسا آتا تھا کہ اُنہیں اہم ماننا چھوڑ دیا جاتا تھا اور اُن کی بجائے اور دیوتاؤں کو اہم ماننا شروع کر دیا جاتا تھا۔ پہلے اور دیوتے تھے جن سے پیدائش عالم کا کام منسوب کیا جاتا تھا مگر پھر یہ کام مردوک سے

منسُوب کیا جانے لگا۔

پیدائشِ عالم کا میسوپوٹامیہ والا بیان ویرانی اور سُنسانی سے شروع ہوتا ہے یا یہ کہ پہلے ہیولا تھا۔ یہ آسانی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ بے ڈول چیز سمندر تھا جو خُشکی کا دشمن ہے اور اس پر متواتر حملے کرتا رہتا ہے افسانے کے شروع میں زمین کا ذکر نہیں پایا جاتا۔ ویرانی اور سُنسانی کی حالت کو مُشخص کر کے ایک دیوتے اور ایک دیوی کی صورت میں بیان کیا گیا ہے۔ دیوتے کا نام اَپسُو اور دیوی کا نام تیامَت ہے۔ ان دونوں کے جننے سے تمام وجودوں کو ہستی حاصل ہوئی۔ اِن دونوں نے سب وجودوں کو جنا اِس سب وجودوں کی ہستی کا سرچشمہ یہی دونوں ہیں۔ اِنہوں نے پہلے دیوتاؤں کو جنا لیکن ماں باپ اور بچوں میں دشمنی پیدا ہو گئی اور آخر کار اَےؔ آ نے اَپسُو کو قتل کر دیا۔ نظم کی قدیمی صورت میں اَےؔ آ غالباً خلق کرنے والا دیوتا تھا۔

تیامت کے بارے میں پھر یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ ویرانی اور سُنسانی کا خوفناک عظیم الجُثّہ جاندار ہے۔ یہ جاندار مؤنث ہے۔ تیامت نے اپنے بطن سے بھُوتوں پریتوں کی فوج پیدا کی تاکہ یہ اس کی اولاد پر حملہ کرنے میں مدد دیں۔ دیوتے خوفزدہ ہو کر کسی بہادر کی جُستجو کرتے ہیں جو اُن کی خاطر لڑے۔ چند دیوتاؤں سے اِس کام کے لئے درخواست کی جاتی ہے مگر وہ اس کام کا بیڑا اٹھانے سے انکار کرتے ہیں۔ آخر اَےؔ آ کا بیٹا

مَردُوک اِس کام کو کرنے کے لئے رضامند ہو جاتا ہے۔ لڑائی کے دَوران میں مَردُوک تیامت کو قتل کر دیتا ہے وہ اُسے اپنے جال میں پھنسا دیتا ہے اور اُسے ہَوا سے پُھلا دیتا ہے اور اُسے ایک تیر سے چھید دیتا ہے۔ تیامت کی بہت عظیم لاش کے مادہ سے مَردُوک دیدنی کائنات پیدا کرتا ہے۔

افسانے کے اِس حِصّے کے بہت بڑے بڑے حِصّے کھوگئے ہُوئے ہیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ مَردُوک ایک دُنیا خلق کرتا ہے جس میں زمین کا چکر سمندر کے گہراؤ پر قائم کیا جاتا ہے یا سمندر کے گہراؤ پر قائم ہے۔ اِس ساخت پر آسمان محراب کی مانند ہے جس میں ستارے حرکت کرتے ہیں اور اِس کے اُوپر بارش اور ہَوا کی جگہیں ہیں۔ ستارے میسُوپوٹامیہ کے دیوتاؤں کے رہنے کی جگہیں بن جاتے ہیں اور مَردُوک اپنا آسمانی محل خود تعمیر کرتا ہے جس کا زمینی مُثنیٰ بابل کا مندر ایساگل (ESAGIL) ہے۔ تیامت کے ایک اتحادی دیوتے کنگُو کو قتل کر کے اُس کا خُون چکنی مٹی سے ملا کر آدمی پیدا کیا جاتا ہے تاکہ دیوتاؤں کی پرستش ہُوا کرے۔

افسانے میں صاف صاف پایا جاتا ہے کہ کائنات سابقہ ہیولےٰ یا بے ڈول اور بے ترتیب مادے سے پیدا کی گئی اُسی کو ویرانی اور سُنسانی کہا گیا ہے۔ یہ مادہ سب چیزوں کی پہلی اصل ہے اور یہ خود نیستی سے پیدا ہُوا۔ یہ اپنی خاصیت میں الٰہی ہے کیونکہ یہ آدمیوں کا ہی نہیں بلکہ دیوتاؤں کا بھی باپ ہے اشیا

کا خلق ہو جانا ویرانی اور سُنسانی کی حالت پر فتح پانا ہے۔ تخلیق اِس پر فتح ہے۔ میسو پوٹامیہ کے مذہب میں یہ افسانہ اہم مقام رکھتا ہے۔ فطرت کا چکر "جس میں زندگی ہر سال پھر نئے سرے سے پیدا ہوتی ہے اور سال کے آخر میں برباد ہو جاتی ہے۔ زندگی کے اِس چکر" کے بارے میں یہ مانا جاتا تھا کہ زندگی بار بار پیدا ہوتی اور فنا ہوتی رہتی ہے۔ تخلیق اِفنا یا ویرانی پر پوری فتح نہیں ہے بلکہ تخلیق اور افنا کا چکر" ہر سال جاری رہتا ہے۔

موسم بہار میں زندگی کو لازمی طور پر پھر پیدا ہونا ہوتا ہے پس نیا سال تخلیق کے افسانے کے پڑھنے اور پھر رسوم پوری کرنے سے منایا جاتا تھا۔ بابلی رسوم کے بہت سے پارے محفوظ کر لئے گئے ہیں یعنی بہت سے پارے موجود ہیں جن میں بابلی رسوم مذکور ہیں۔ میسو پوٹامیہ کے افسانے میں تخلیق اور ویرانی کے اصولوں میں برابر کا توازن پایا جاتا ہے اور تخلیق کے اِلہ کی فتح کبھی بھی قطعی اور فیصلہ کن نہیں ہوتی۔ یہی نمونہ کنعان سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ جہاں آج کل راس شمرا کا شہر آباد ہے وہاں قدیم زمانے میں اُگارِت کا شہر واقع تھا وہ تباہ و برباد ہو کر زیرِ زمین ہو گیا تو اُس کی جگہ راس شمرا کا شہر آباد ہُوا عُلمائے آثارِ قدیمہ نے وہاں کھدائی کی تو وہاں سے ہزار ہا ہزار ادبی تختیاں دستیاب ہوئیں۔ اُن میں سے کچھ تختیوں میں تخلیق کا بیان پایا جاتا ہے۔

اُگارِت کی تختیوں میں ایک افسانہ پایا جاتا ہے جس میں

عَلییان بَعَل کی کم از کم دو مخالفوں کے ساتھ جنگ کا ذکر پایا جاتا ہے
اُن میں سے ایک کا نام موت (MOT) ہے۔ اِس نام سے موت کے
لئے جو کنعانی لفظ مستعمل تھا اُس کا پتہ چلتا ہے اور دوسرا ایک
عظیم اژدھا ہے جو دریائے بحر کہلاتا ہے۔ یہ دو مخالف شاید
افسانے کی ابتدائی صورتوں کو پیش کرتے ہیں۔ یہ آسانی سے معلوم
ہو جاتا ہے کہ ویرانی کا اژدہا دریائے بحر ہے اور موت زندگی
کی دشمن ہے۔ عَلییان بَعَل ایک اِلہ ہے جو ہر سال مرتا ہے لیکن
اُس کی بیوی اُسے پھر زندہ کر دیتی ہے اور اپنے دشمن کے
ساتھ پھر جنگ میں مصروف ہو جاتا ہے اور فتح مند ہوتا ہے۔
پیدائش کے مصری افسانے میں ہے کہ پانی میں سے کائناتی
انڈا پیدا ہُوا اور فینیقیہ کے بیان میں ہے کہ پانی پر ہَوا چلی اور
اُس کے چلنے سے بیضہ دنیا پیدا ہُوا۔ ایک دیوتے نے اُس
انڈے کے دو ٹکڑے کر دیئے تو ایک ٹکڑے سے آسمان بنا اور
دوسرے سے زمین۔

بائیبل کا بیان ان سب خُرافات کو خارج کرتا ہے اور وہ
خارج اِس لئے کرتا ہے کیونکہ وہ اِن کو رَدّ کرتا ہے اور وہ اِن کو
رَدّ اِس لئے کرتا ہے کیونکہ ان کو باطل سمجھتا ہے۔ بائیبل مقدس
کے اِس بیان کے مصنّف نے پانی اندھیرے اور ہَوا کو تدریسی
مقصد کی خاطر اِس میں رہنے دیا ہے۔ پانی اندھیرا اور ہوا نیستی
اور ویرانی اور سُنسانی کو قائم رکھنے والے ہیں۔ یہ نیستی کے نمائندے

اور کارندے ہیں۔ زمین اور آسمان کے پیدا ہونے سے پہلے ان کا ہونا
گویا نیستی کا ہونا ہے۔ اندھیرے کی وجہ سے کام رُک جاتے ہیں۔
سمندر خُشکی پر حملہ کرتا رہتا ہے اور زمین کو دبانے کی کوشش کرتا ہے۔
نیز ہوا سمندر میں تلاطم پیدا کرتی ہے جو خُشکی پر حملوں کا باعث ہوتا
ہے۔ کائنات سے پہلے سمندر نے خُشکی کو ڈبو رکھا تھا۔ پانی اب
بھی بہت دفعہ زمین پر زمینی چیزوں کی تباہی اور بربادی کا باعث
ہوتا ہے اور ہوا کے طوفان بھی باعث نقصان ثابت ہوتے ہیں۔
پرانے زمانے کے لوگوں کا خیال تھا کہ زمین میں سے تو بہت کچھ
پیدا ہوتا ہے لیکن ہوا میں سے کچھ بھی پیدا نہیں ہو سکتا پس وہ
اندھیرے پانی اور ہوا کو نیستی برقرار رکھنے والے سمجھتے تھے۔
اسرائیلی مصنف نے سبق دینے کی غرض سے اس حصّے کو
باقی رکھا۔ اُس کی غرض یہ سبق دینا تھا کہ زمین پر کی سب چیزوں
کے پیدا ہونے اور آسمان اور اجرامِ فلکی کے بنائے جانے سے پہلے
ویرانی اور سُنسانی یعنی نیستی تھی۔ قدیم زمانے کے لوگ نیستی
کو اسی طرح کی سمجھ سکتے اور ادا کر سکتے تھے۔ فلاسفی کے تصور نیستی
تک ان کا دماغ نہیں پہنچ سکتا تھا۔ وہ نیستی کو اسی طرح کی
سمجھ سکتے تھے اور اسی طرح کی بیان کر سکتے تھے لیکن مُراد اُن کی یہی
ہوتی تھی کہ ہر چیز کا خالق خُدا ہے اور خُدا کے خلق کرنے سے پہلے
اشیائے کائنات میں سے کوئی شے موجود نہیں تھی۔ پانی۔ اندھیرے
اور ہوا کا خالق بھی خُدا ہی ہے۔ پرانے زمانے کے لوگ اندھیرے

کو روشنی کا نہ ہونا نہیں سمجھتے تھے بلکہ وہ روشنی کی طرح اِسے بھی ایک موجود چیز سمجھتے تھے۔ جس چیز کو بھی وہ موجود سمجھتے تھے وہ چیز خواہ حقیقت میں موجود ہو اور خواہ محض خیالی ہو وہ اِن سب کا خُدا ہی کو خالق سمجھتے تھے مثلاً اندھیرا حقیقی چیز نہیں یہ روشنی کا نہ ہونا ہے لیکن وہ اسے بھی حقیقی چیز سمجھتے تھے اور خُدا ہی کو اِس کا خالق سمجھتے تھے پس ابتدائی اسرائیلی لوگ سب موجودہ چیزوں کا خالق خُدا کو مانتے تھے۔ پانی کے پیدا کرنے پر خُدا کا قادر ہونا اِس بات سے ظاہر ہے کہ جب اسرائیلی قوم حضرت موسیٰ کے ساتھ بیابان میں تھی تو خُدا نے اُن کے لئے چٹان سے پانی پیدا کیا یعنی چٹان میں سے پانی کا چشمہ جاری کیا اور پھر کتابِ مقدس میں یہ بھی لکھا ہے کہ خُدا ہی چشمے اور ندی نالے پیدا کرتا ہے اور پیدائشِ عالم کے پہلے بیان میں بھی یہ امر مسلّم (PRESUPPOSITION) ہے کہ سب کچھ کا خالق خُدا ہے لہذا وہ اندھیرے سمندر اور ہَوا کا بھی خالق ہے اسرائیلی لوگ خُدا کو ان چیزوں کا بھی خالق مانتے تھے۔

زبور ۱۴۸ کی پانچویں آیت میں فضا پر کے پانیوں اور آسمان کی باقی چیزوں کو خُدا کی حمد کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ اور وجہ اِس کی یہ ہے کہ "اُس نے حکم دیا اور یہ پیدا ہو گئے" اور ساتویں آیت میں گہرے سمندروں یا سمندر کے سب گہراؤں کو خُدا کی حمد کرنے کا حکم دیا جاتا ہے پس وہ پانی جو فضا کے اُوپر ہے اور وہ جو فضا کے نیچے زمین پر ہے اِس سارے پانی کو خُدا ہستی میں لایا

تھا۔" جس نے آسمان اور زمین اور سمندر کو اور جو کچھ اُن میں ہے بنایا" (زبور ۱۴۶ : ۶)۔ پس سمندر کا بنانے والا خُدا ہے اور تاریکی کا بھی خالق ہے "میں ہی روشنی کا موجد اور تاریکی کا خالق ہوں" اشعیا ۴۵ : ۷۔ وہی ہَوا کا پیدا کرنے والا ہے۔" دیکھ اُسی نے پہاڑوں کو بنایا اور ہَوا کو پیدا کیا" عاموس ۴ : ۱۳۔ سب آسمانی چیزوں کا خالق خُدا ہے۔ "اپنی آنکھیں اُوپر اٹھاؤ اور دیکھو کہ اِن سب کا خالق کون ہے۔ وہی جو اِن کے لشکر کو شمار کر کے نکالتا ہے" اِشعیا ۴۰ : ۲۶۔

اِشعیا ۴۰ : ۲۶۔ زمین اور آسمان دونوں خُدا کے بنائے ہوئے ہیں۔" یقیناً میرے ہی ہاتھ نے زمین کی بنیاد ڈالی اور میرے دہنے ہاتھ نے آسمان کو پھیلایا" اشعیا ۴۸ : ۱۳۔ "اُسی نے اپنی قدرت سے زمین کو بنایا اُسی نے اپنی حکمت سے جہان کو قائم کیا اور اپنی عقل سے آسمان کو تان دیا" ارمیا ۱۰ : ۱۲۔ "اے میرے بچّے۔ مَیں تیری منت کرتی ہوں کہ آسمان اور زمین پر نظر کر اور اُن کی معموری کو دیکھ کر جان لے کہ خُدا نے اِس سب کچھ کو عدم سے خلق کیا اور کہ نوعِ انسان اِسی طریقے سے وجود میں آئی" ۲ مکابین ۷ : ۲۸۔ "جو چیزیں نہیں ہیں اُن کو اِس طرح بُلا لیتا ہے کہ گویا وہ ہیں" رومیوں ۴ : ۱۷۔ "عالم خُدا کے کہنے سے بنے ہیں یہ نہیں کہ جو کچھ نظر آتا ہے ظاہری چیزوں سے بنا ہو" عبرانیوں ۱۱ : ۳۔

عہدِ عتیق کا تخلیقِ عالم کا بیان میسوپوٹامیہ اور کنعان کے افسانوی بیانِ تخلیقِ عالم کے سراسر متضاد اور خلاف ہے اور وہ افسانوی

بیان کو براہِ راست رَد کرتا ہے۔ میسوپوٹامیہ والے افسانے میں خلق کرنے والا اِلہ مَرڈوک ہے۔ یہ بابل کا معبود ہے۔ میسوپوٹامیہ والا بیانِ تخلیق ایک ویرانی اور سُنسانی سے شروع ہوتا ہے یعنی دنیا کی چیزیں بنائے جانے سے پہلے ویرانی اور سُنسانی تھی۔ مصری سُمیری کنعانی اور فینیقی اقوام بحری اژدہا کی معتقد تھیں کنعانی اقوام یہ بھی مانتی تھیں کہ ایک اژدہا ساری زمین کے گرد کُنڈلی مارے ہُوئے ہے وہی دریائے بحر ہے۔ سُمیری قوم یہ مانتی تھی کہ بحری اژدہا کے سات سر ہیں۔ بائبل مقدس نے قدیم افسانوں کے بیانات میں سے صرف ہَوا پانی اور اندھیرے کو رہنے دیا یعنی ویرانی اور سُنسانی کو رہنے دیا اور یہ اُس زمانے میں سب کچھ نیستی سے بنائے جانے کو ظاہر کرنے کا طریقہ تھا۔

اندھیرے کے بارے میں خروج ۱۰ :۲۱ میں نویں آفت کے بیان میں لکھا ہے کہ "ایسی تاریکی ہو جو چھوئی جا سکے" پس ایسی تاریکی یا تو دُھوئیں سے پیدا کی گئی یا دھند سے اور یا اِس سے صرف سخت تاریکی مراد ہے لیکن دن رات بنانے اور خاص خاص موقعوں پر تاریکی چھا جانے سے خدا ہی کو تاریکی کا خالق سمجھا جاتا تھا۔ ہَوا اگرچہ خدا کی پیدا کی ہُوئی ہے مگر نیستی کی حالت کو ظاہر کرنے کے لئے ہَوا کی موجودگی کو ظاہر کیا گیا ہے۔ پیدائش ۱: ۲ میں لکھا ہے کہ "زمین ویران اور سُنسان تھی اور گہراؤ کے اُوپر اندھیرا تھا اور خدا کی رُوح پانیوں پر جُنبش کرتی تھی" عبرانی

لفظ رُواخ کا مطلب رُوح اور ہوا ہے اور خُدا کی رُوح پانیوں پر جُنبش کرتی تھی کی بجائے اگر یہ ترجمہ کیا جائے کہ خُدا کی ہوا پانیوں پر چلتی تھی تو یہ بھی بالکل صحیح ہے۔

چنانچہ جیروم کمنٹری اور کیتھولک اسکولوں کے لئے ہندی میں پرانے اور نئے عہد نامے کی تاریخ بائیبل میں یہی ترجمہ قبول کیا گیا ہے۔ تاریخِ بائیبل کی یہ کتاب ۱۸۹۶ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس کا مصنف فادر کاجے تان ہے۔ یہ کتاب کلکتہ میں طبع ہوئی تھی۔

عبرانی محاورے کی رُو سے جب کسی مضاف کے ساتھ خُدا یا خُداوند بطور مضاف الیہ کے آئے تو اس کے معنی بہت بڑا اور بہت اعلےٰ بھی ہوتے ہیں۔ خُدا کی ہوا میں ہوا مضاف اور خُدا مضاف الیہ ہے۔ بائیبل مقدس میں جن مرکبات اضافی کا مطلب بہت بڑا یا نہایت اعلےٰ ہے وہ یہ ہیں۔ "خُدا کا پہاڑ" زبور ۶۸: ۱۵۔ اس کا مطلب ہے بہت بڑا پہاڑ یا بہت اونچا پہاڑ۔ "خُدا کے پہاڑ" زبور ۳۶: ۶۔ بڑے بڑے پہاڑ یا اُونچے اُونچے پہاڑ۔ "خُدا کا دریا" زبور ۶۵: ۹۔ بہت بڑا دریا۔ "خُدا کا شہر" زبور ۴۶: ۴۔ "خُدا کے لئے بڑا شہر" یوناہ ۳: ۲۔ بہت بڑا شہر۔ "خُدا کا خوف" پیدائش ۳۵: ۵۔ "خُدا کی کپکپی" ۱۔سموئیل ۱۴: ۱۵ بہت بڑا خوف۔ بہت بڑی کپکپی۔ "خُدا کی آگ" ایوب ۱: ۱۶۔ بہت بڑی آگ۔ "خُدا کے دیودار" زبور ۸۰: ۱۰۔ "خُداوند کے درخت" زبور ۱۰۴: ۱۶۔ لمبے لمبے دیودار۔

بڑے بڑے درخت۔ "خداوند کا باغ" پیدائش ۱۳: ۱۰۔ نہایت خوبصورت اور زرخیز خطہ۔ "خدا کے لئے خوبصورت" یا "خدا کا خوبصورت"۔
اعمال ۷: ۲۰۔ نہایت خوبصورت۔ پس "خدا کی ہوا"۔
پیدائش ۱: ۲۔ بڑی تیز ہوا یا نہایت تیز ہوا ہے۔ خدا کی ہوا کا مطلب نہایت، تند و تیز ہوا ہے۔ گہراؤ پر یعنی سمندر پر نہایت تند و تیز ہوا چلا کرتی تھی جس سے سمندر میں تلاطم مچا رہتا تھا اور یہ طوفانِ باد و بحر ویرانی اور سنسانی کا باعث تھا اور یوں آسمان اور زمین کی چیزیں نیست تھیں۔ قدیم زمانے کے لوگوں کے آگے نیستی کا تصور اسی طرح پیش کیا جا سکتا تھا اور وہ اسی طرح سمجھ سکتے تھے کہ آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے وہ پہلے قطعاً موجود نہیں تھا اور یہ خدا کے خلق کرنے سے موجود ہوا تھا پس پیدائش کی کتاب کے پہلے باب کا مصنف پیدائش عالم کو اُس وقت کے لحاظ سے بہترین صورت میں پیش کرتا ہے۔
بائیبل کی اور کتابوں میں ویرانی اور سنسانی کی اس صورت کو بھی چھوڑ دیا گیا ہے اور صرف یوں بیان کیا گیا ہے کہ سب کچھ خدا نے خلق کیا ہوا ہے اور یہ طرز خاص کر ایوب کی کتاب اور اشعیا کی کتاب میں پائی جاتی ہے۔ مکابین۔ رومیوں اور عبرانیوں میں صاف اور واضح طور پر پایا جاتا ہے کہ خدا نے کائنات کو نیستی سے پیدا کیا۔

تخلیقِ عالم کے بارے میں بائبل مقدس کا دُوسرا بیان

یہ ہے آسمان اور زمین کا شروع جب وہ ہستی میں لائے گئے جس دِن خُداوند خُدا نے زمین اور آسمان کو بنایا تھا اُس وقت زمین میدان کی کوئی جھاڑی نہیں تھی اور نہ کھیت کی کوئی سبزی ہی اُگی تھی کیونکہ خُداوند خُدا نے زمین پر پانی نہیں برسایا تھا اور نہ زمین کی کھیتی کرنے کے لئے کوئی انسان تھا مگر زمین سے سیلاب اُٹھتا تھا جو تمام رُوئے زمین کو سیراب کرتا تھا اور خُداوند نے زمین کی مٹی سے انسان کو بنایا اور اُس کے نتھنوں میں زندگی کا دم پھُونکا تو انسان جیتی جان ہو گیا اور خُداوند خُدا نے مشرق کی طرف عدن میں ایک باغ لگایا اور اِنسان کو جسے اُس نے بنایا اُس میں رکھا اور خُداوند خُدا نے ہر طرح کے درخت جو دیکھنے میں خوشنما اور کھانے کے لئے لذیذ تھے زمین سے اُگائے اور باغ کے بیچوں بیچ زندگی کا درخت اور نیک و بد کی پہچان کا درخت بھی۔۔۔

اور خُداوند خُدا نے انسان کو لے کر باغِ عدن میں رکھا کہ اُس کی باغبانی کرے اور خُداوند خُدا نے انسان کو حُکم دیا اور کہا کہ تو باغ کے ہر درخت کا پھل بے روک ٹوک کھا سکتا ہے لیکن نیک و بد کی پہچان کے درخت کا پھل کبھی نہ کھانا کیونکہ جس روز تُو نے اِس میں سے کھایا تو مرا۔ اور خُداوند خُدا نے کہا کہ انسان کا اکیلا رہنا

اچھا نہیں میں اِس کے لئے اس کی مانند ایک مددگار بناؤں گا اور
خُداوند خُدا نے کُل دشتی جانور اور آسمان کے کُل پرندے مٹی سے
بنائے اور اُن کو النسان کے پاس لایا کہ دیکھے کہ وہ اُن کے کیا
نام رکھتا ہے اور اِلنسان نے جس جانور کو جو کہا وہی اُس کا نام ہو
گیا اور اِلنسان نے سب چرندوں اور آسمان کے سب پرندوں اور زمین
کے سب درندوں کے نام رکھے پر النسان کو اپنی مانند کوئی مددگار نہ
ملا تب خُداوند خُدا نے اِلنسان پر گہری نیند بھیجی اور جب وہ سو گیا
تو اُس نے اُس کی پسلیوں میں سے ایک پسلی نکالی اور اُس کی جگہ
گوشت بھر دیا اور خُداوند خُدا نے اُس پسلی میں سے جو اُس نے
النسان سے نکالی ایک عورت بنائی اور اُسے اِلنسان کے پاس لایا
تو اِلنسان نے کہا کہ یہ تو اب میری ہڈیوں میں سے ہڈی اور میرے گوشت
میں سے گوشت ہے۔ اِس لئے یہ ناری کہلائے گی کیونکہ یہ نر سے
نکالی گئی ہے اِس واسطے مرد اپنے ماں باپ کو چھوڑے گا اور اپنی
بیوی سے ملا رہے گا اور یہ دونوں ایک تن ہوں گے اور النسان
اور اُس کی بیوی دونوں ننگے تھے اور شرماتے نہیں تھے۔

نوٹ ۱:۔

عبرانی فعلوں کے زمانے کا زور تب ظاہر ہوتا ہے جبکہ چھوڑے
گا کی بجائے چھوڑتا ہے اور ملا رہے گا کی بجائے ملا رہتا ہے
اور ایک ہی تن ہوں گے کی بجائے ایک ہی تن ہوتے ہیں ترجمہ
کیا جائے یا اِن افعال کو ان معنوں میں سمجھا جائے۔

نوٹ ۲ :-

زمین سے سیلاب اُٹھتا تھا یعنی چشموں سے پانی نکل نکل کر روئے زمین کے مختلف حِصّوں کو سیراب کیا کرتا تھا۔ جس عبرانی لفظ کا ترجمہ سیلاب یا رطوبت یا بخار کیا جاتا ہے وہ اید ہے۔ یہ لفظ اِس جگہ کے علاوہ ایوب ۳۶ : ۲۷ میں بھی آیا ہے۔ بابلی یا کلدانی زبان میں اِس لفظ کی صورت ایدُو ہے اور اِس کے معنی سیلاب لہریں یا اونچا تلاطم ہے چونکہ عبرانی کا اید وہی لفظ ہے جو بابلی کا ایدُو ہے اِس لئے اِس کا صحیح اور درست معنیٰ وہی ہے جو بابلی زبان میں ایدُو کا ہے۔ ایدُو کا معنیٰ سیلاب ہے اور بائیبل میں جو لکھا ہے کہ زمین سے سیلاب اٹھتا تھا اِس کا مطلب یہ ہے کہ زمین سے چشمے پھُوٹتے تھے اور اُن سے ندی نالے بنتے تھے جو زمین کو سیراب کرتے تھے۔

بائیبل مقدس کی دیگر کتابوں کی رُو سے تخلیق عالم کے بارے میں اِس کا تیسرا بیان "تیرے ہاتھ کے لئے دشوار نہ تھا جو ہر ایک چیز پر قادر ہے اور جس نے جہان کو بے صورت مادہ سے بنایا" حکمت ۱۱ : ۱۷۔ اِس آیت میں بے صورت مادہ سے وہی ویرانی اور سُنسانی مراد ہے۔ اور چیزوں کو اُن کی خاص صورتیں دینے سے پہلے مادہ بے ڈول اور بے صورت ہی ہوتا ہے۔ بے صورت مادہ کا ذکر پیدائش ۱ : ۲ میں آیا ہے۔ "دیکھ جو پہاڑوں کو بناتا اور ہوا کو پیدا کرتا ہے" عاموس ۴ : ۱۳۔ "جب میں نے لاتبدیل

حکم سے سمندر کے لئے ساحل کو حد ٹھہرایا جس سے وہ آگے نہیں بڑھتا اُس کی موجیں اُچھلیں تو بھی غالب نہیں آئیں گی وہ شور کریں تب بھی نہیں بڑھیں گی" یرمیاہ ۵ : ۲۲- "جس نے زمین کو اپنی قوت سے بنایا اور جہان کو اپنی حکمت سے قائم کیا اور افلاک کو اپنی دانش سے پھیلایا" یرمیاہ (ارمیا) ۱۰ : ۱۲- "خداوند یُوں فرماتا ہے وُہ جس نے سُورج کو دن کی روشنی کے لئے اور چاند اور ستاروں کے نظام کو رات کی روشنی کے لئے مقرر کیا۔ وہ جو سمندر کو حرکت دیتا ہے تو اُس کی موجیں جوش مارتی ہیں رب الافواج اُس کا نام ہے" ارمیا ۳۱ : ۳۵- "وہ سب چیزوں کا خالق ہے" ارمیا ۱۰ : ۱۶-

ایُوب کی کتاب میں خدا کے قادرِ مطلق اور خالق ہونے کا بار بار ذکر آیا ہے۔ حکمت کی تعریف جو امثال ۸ : ۲۲-۳۱ میں پائی جاتی ہے اُس میں بھی خالق کے کام کی بڑی تصویر دکھائی گئی ہے۔ دیکھئے "خداوند اپنی راہ کے شروع میں مجھے رکھتا تھا۔ اِس سے پیشتر کہ ابتداء میں کچھ بنایا۔ مَیں ازل سے نصب کی گئی۔ قدیم سے یعنی اِس سے پیشتر کہ زمین بنائی گئی مَیں اُس وقت پیدا ہُوئی جس وقت گہراؤ اور پانیوں کے بڑے چشمے نہیں تھے۔ اِس سے پیشتر کہ پہاڑ قائم کئے گئے اور مَیں ٹیلوں سے پیشتر پیدا ہُوئی۔ اُس نے ہنوز زمین کو نہیں بنایا تھا اور نہ میدانوں اور نہ دُنیا کی پہلی گرد کو۔ جب اُس نے آسمان قائم کیا تو مَیں وہاں تھی۔ جب اُس نے گہراؤ

کے چہرے پر گنبد رکھا جب اُس نے بلندی پر افلاک ٹھہرائے اور گہراؤ کے چشمے مضبوط کئے جب اُس نے سمندر کی حدود باندھیں تاکہ پانی کناروں سے باہر نہ جائے جب اُس نے زمین کی بنیادیں ڈالیں تب میں اُس کے ساتھ ماہر کاریگر کی مانند تھی اور روز بروز خوشی کرتی تھی۔ ہر وقت اُس کے آگے کھیلتی تھی۔ مَیں زمین پر کھیلتی تھی اور بنی نوعِ انسان کے ساتھ رہنا میری خوشی تھی" خُدا کی حکمت فرماتی ہے کہ "مَیں اُس وقت پیدا ہوئی جس وقت گہراؤ اور پانیوں کے بڑے چشمے نہیں تھے" پس گہراؤ یعنی سمندر اور پانی کے بڑے چشمے ایک وقت ایسا تھا جب موجود نہیں تھے یعنی یہ ازلی نہیں ہیں اور اِن کا خالق خُدا ہے۔ خُدا کی حکمت کائنات اور اِس کی چیزوں سے پہلے ہے پس وہ ازلی ہے۔

کائنات کا نیستی سے پیدا کیا جانا بائیبل مُقدس کی اِن کتابوں میں آیا ہے۔ دیکھئے "آسمان اور زمین پر نظر کر اور اِن کی معموری کو دیکھ کر جان لے کہ خُدا نے اِس سب کچھ کو عدم سے پیدا کیا اور نوعِ انسان اسی طریقے سے وجود میں آئی" ۲۔مکابین ۷: ۲۸۔ "زمانے خُدا کے کلام سے بنے ہیں۔ یہ نہیں کہ جو کچھ نظر آتا ہے وہ ظاہری چیزوں سے بنا ہو" عبرانیوں ۱۱: ۳۔ "اِن چیزوں کو جو موجود نہیں یوں بُلا لیتا ہے گویا کہ وہ موجود ہیں" رومیوں ۴: ۱۷۔

عہدِ جدید کی کتاب ۲۔پطرس میں بھی یہ بیان پایا جاتا ہے کہ دُنیا یعنی زمین ویرانی اور سُنسانی کی حالت سے بنی تھی۔ دیکھئے

"افلاک کی مُدّت مدید سے ہیں اور زمین خُدا کے کلام سے پانی میں سے اور پانی کے ذریعے سے بنی" ۲۔پطرس ۳ : ۵۔ بارُوک کا مکاشفہ اور ہرمس کا چوپان اگرچہ بائیبل کی کتابیں نہیں ہیں لیکن ان کتابوں میں نیستی سے ہستی میں لانے کی تعلیم پائی جاتی ہے۔ دیکھئے۔ بارُوک کے مکاشفہ میں خُدا سے یُوں خطاب کیا گیا ہے"۔ اَے تُو۔۔۔۔ تُو نے اُسے ابتداء ہی سے بُلایا ہے جو اُس وقت موجود نہیں تھا" اور وہ تیری فرمانبرداری کرتے ہیں" ۲۱ : ۴ "۔ ایک کلمہ سے تُو اُسے موجود کر دیتا ہے جو نہیں تھا" ۴۸ : ۸۔ چوپانِ ہرمس نامی کتاب میں حکم ۱ کے شروع میں یہ لکھا ہے کہ "سب سے پہلے یقین جان کہ خُدا واحد ہے۔ وہ کُل موجودات کا خالق ہے اور مکمل کنندہ اور کُل اشیاء کا نیست سے ہست کرنے والا ہے"۔

کائنات خُدا کے کہنے سے یعنی صرف ہو جا کہنے سے ہو گئی۔ پیدائش کی کتاب کے پہلے باب میں یہ بار بار لکھا ہے کہ خُدا نے کہا کہ ہو جائے اور جس جس چیز کے بارے میں وہ ہو جائے کہتا تھا وہ ہوتی گئی۔ اِس باب کے علاوہ زبور ۳۳ : ۹ میں بھی یہ صداقت پائی جاتی ہے۔ دیکھئے "اُس نے فرمایا تو ہو گیا۔ اُس نے حُکم دیا تو واقع ہُوا" زبور ۳۳ : ۹۔ "یہ سب خُداوند کے نام کی حمد کریں کیونکہ اُس کے حُکم دیا تو یہ پیدا ہو گئے" زبور ۱۴۸ : ۵۔ خُدا "زمین کو عدم پر لٹکاتا ہے" یا "خلا میں لٹکاتا ہے" ایوب ۲۶ : ۷۔ خُدا کا خالق ہونا زبور ۸ اور زبور ۱۰۴ میں یُوں آیا ہے: "اے خُداوند ہمارے رب!

تیرا نام تمام زمین پر کیسا بزرگ ہے۔ تُو نے اپنا جلال آسمان پر قائم کیا ہے۔ تُو نے اپنے مخالفوں کے سبب سے بچّوں اور شیرخواروں کے مُنہ سے قدرت کو قائم کیا تاکہ تُو دشمن اور انتقام لینے والے کو خاموش کر دے۔ جب میں تیرے آسمان پر جو تیری دستکاری ہے اور چاند اور ستاروں پر جن کو تُو نے مقرر کیا غور کرتا ہُوں تو پھر انسان کیا ہے کہ تُو اُسے یاد رکھے اور آدم زاد کیا ہے کہ تو اُس کی خبر لے کیونکہ تُو نے اُسے خُدا سے کچھ ہی کمتر بنایا ہے اور جلال اور شوکت سے اُسے تاجدار کرتا ہے۔ تُو نے اُسے اپنی دستکاری پر تسلّط بخشا ہے۔ تُو نے سب کچھ اُس کے قدموں کے نیچے کر دیا ہے۔ سب بھیڑ بکریاں گائے بیل بلکہ سب جنگلی جانور آسمان کے پرندے اور سمندر کی مچھلیاں اور جو کچھ سمندروں کے راستوں میں چلتا پھرتا ہے۔ اَے خُداوند ہمارے ربّ تیرا نام تمام زمین پر کیسا بزرگ ہے" زبور ۸: ۱-۹۔

نوٹ:۔

"تُو نے اُسے خُدا سے کچھ ہی کمتر بنایا ہے" یعنی خُدا نے انسان کو اپنے سے کچھ ہی کمتر بنایا ہے۔ انسان خُدا سے کچھ ہی کمتر اس لحاظ سے ہے کہ خُدا نے انسان کو زمین پر حاکم مقرر کیا ہے۔ پہلے درجے کا حاکم اور سردار خُدا ہے اور دوسرے درجے کا حاکم اور سردار انسان ہے۔ خُدا نے انسان کو زمین کا تاجدار یا بادشاہ بنایا ہے انسان کو تسلّط بخشا ہے۔ سب کچھ اُس کے قدموں کے نیچے کر دیا

ہے یعنی اُس کے ماتحت کر دیا ہے پس انسان حکومت کے لحاظ سے کچھ ہی کمتر ہے۔ الٰہی وجود اور اُس کے کمالات کے لحاظ سے انسان خُدا سے بے حد کمتر ہے۔ زمین پر حکومت ہونے کے لحاظ سے انسان خُدا کی صورت پر اور اُس کی مانند پیدا کیا گیا ہے۔ دیکھئے "خُدا نے کہا کہ ہم انسان کو اپنی صورت پر اپنی شبیہ کی مانند بنائیں اور وہ سمندر کی مچھلیوں اور آسمان کے پرندوں اور چوپائیوں اور تمام زمین اور سب جانداروں پر جو زمین پر رینگتے ہیں اختیار رکھیں اور خُدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ خُدا کی صورت پر اُس کو پیدا کیا۔ نر و ناری اُن کو پیدا کیا اور خُدا نے اُن کو برکت دی اور کہا کہ پھلو اور بڑھو اور زمین کو معمور اور محکوم کرو اور سمندر کی مچھلیوں اور آسمان کے پرندوں اور کل جانوروں پر جو زمین پر چلتے ہیں اختیار رکھو" پیدائش ۱: ۲٦-۲۸۔

خُدا کی حکومت اور سرداری کا عکس انسان کی حکومت اور سرداری میں نظر آتا ہے۔ خوب یاد رہے کہ انسان کی زمینی حکومت کا خُدا کی اُس حکومت کے ساتھ مقابلہ نہیں ہے جو وہ ساری کائنات میں کرتا ہے بلکہ اُسی کی صرف زمینی حکومت کے ساتھ مقابلہ ہے۔ اور زمینی حکومت میں بھی اُن باتوں کی حکومت کے ساتھ مقابلہ کیا گیا ہے جن میں انسان کو زمین پر حکومت حاصل ہے۔ انسان کی زمینی حکومت کا مقابلہ خُدا کی زمینی حکومت کے ساتھ کیا گیا ہے کیونکہ الٰہی جلال منعکس ہو کر انسان میں نظر آتا ہے۔ الٰہی حکومت کے جلال کا

عکس انسان پر پڑتا ہے اور انسان میں یہ عکس دکھائی دیتا ہے۔
زبور ۱۰۴ خدا کے کائنات کو خلق کرنے اور اُس کی پروردگاری کے بارے میں ہے۔ فی الواقع آسمان اور زمین خدا کے جلال سے معمور ہیں۔ ساری زمین خدا کا جلال ہے اور ساری کائنات خدا کا جلال ہی جلال ہے۔

پیدائش عالم کے بارے میں قدیم غیر اقوام کی تعلیم بائیبل مُقدس کی تعلیم کے مقابلہ میں کیا چیز ہے؟

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

بابِ چہارم :-

نیستی سے ہستی

بائبلِ مُقدّس کے عقائد اپنی ابتدا میں کامل نہیں تھے۔ ابتدا میں وہ ابتدائی تھے لیکن اُن میں سچّائی پائی جاتی تھی اور اُن کا رُخ انتہا کی طرف تھا۔ وہ ترقی کرتے کرتے اور منجھتے منجھتے انتہا کو پہنچ گئے تخلیقِ عالم کے بارے میں ہندیوں کا عقیدہ یہ تھا کہ سب کچھ کا خالق اور مُرتّب یعنی ترتیب دینے والا خُدا ہے۔ وہ نیستی سے پیدا ہونے کا تصوّر نہیں کر سکتے تھے۔ وہ نیستی سے پیدا ہونے کا سوال پیدا نہیں کر سکتے تھے۔ وہ نہ یہ سوال اٹھا سکتے تھے یعنی وہ نہ یہ سوال پیدا کر سکتے تھے اور نہ اِس کا جواب دے سکتے تھے۔ کائنات کی پیدائش کے

کے بارے میں وہ نیستی سے ہستی میں آنے جیسا باریک اور لطیف سوال پیدا نہیں کر سکتے تھے اس لئے وہ اِسے یُوں ادا کرتے تھے کہ سب کچھ خُدا نے پیدا کیا ہے اور ویرانی اور سُنسانی سے پیدا کیا ہے۔

مگر جُوں جُوں انسانوں کی عقل بڑھتی گئی تُوں تُوں مذہبی تصوّرات میں بھی ترقی ہوتی گئی اور اُن میں عمدگی باریکی اور لطافت آتی گئی یہاں تک کہ یونانی زمانے میں تخلیق کا تصوّر اپنی انتہا کو پہنچ گیا اور بائیبل میں وضاحت سے بتایا گیا کہ کائنات نیستی سے پیدا کی گئی تھی۔ یہ تعلیم کسی دوسری قوم یا دوسرے مذہب سے نہیں لی گئی تھی اور کوئی قوم اور کوئی مذہب کائنات کے نیستی سے ہستی میں آنے کی تعلیم نہیں دیتا تھا۔ قدیم زمانے میں بائیبل اور صرف بائیبل ہی نے خُدا کے ایک ہونے اُس کے قادرِ مطلق ہونے اور کائنات کے نیستی سے ہست ہونے کی تعلیم دی تھی۔

پس جب ہم کسی مسئلہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ بائیبل کی تعلیم یہ ہے تو اِس سے عام طور پر اُس مسئلے کی انتہائی صورت مراد ہوتی ہے۔ قدیم زمانے کے لوگوں کے تصوّرات خُدا اور فرشتوں اور انسان کی رُوح کے بارے میں کامل نہیں تھے وہ اِن کو اگرچہ رُوحیں مانتے تھے مگر وہ خالص رُوح کا تصوّر نہیں کر سکتے تھے وہ انہیں کچھ کچھ مادی بھی خیال کرتے تھے اور انہیں کچھ کچھ مادی خیال کئے بغیر چارہ نہیں تھا کیونکہ اُن کے لئے خالص غیر مادی

چیز کا تصور کرنا سخت دشوار تھا اس (PURE IMMATERIAL)
لئے وہ غیر مادی چیزوں کو بھی کچھ کچھ مادی خیال کرتے تھے اور
انہیں کچھ کچھ مادی سمجھے بغیر اِن کا تصور نہیں کر سکتے تھے اور اب بھی
بہت لوگ ایسے ہیں جو رُوح کے بارے میں نہایت ناقص تصور
رکھتے ہیں۔ وہ اِسے ہوا سمجھتے ہیں لیکن رُوح ہوا نہیں ہے۔ وہ اِسے
ہوا کہہ کر اِس کی لطافت کو ظاہر کرتے ہیں لیکن رُوح ہوا نہیں ہے۔
ہوا تو مادی چیز ہے مگر رُوح بالکل غیر مادی ہے۔

اِسی طرح کائنات کے نیستی سے پیدا ہونے کے بارے میں
صرف قدیم زمانے کے لوگوں کے خیال ہی ناقص نہیں تھے بلکہ اب
بھی بہت سے لوگوں کے خیال یا تو بہت ناقص ہیں اور یا غلط ہیں
اور ایسے لوگوں میں اچھے خاصے خواندہ لوگ بھی بڑی تعداد میں شامل
ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ نیستی سے پیدا ہونا کیا ہے نیستی کا جو تصور
فلاسفی میں ہے یہ اُس سے ناواقف ہیں اور نیستی سے پیدا ہونے
کا جو تصور تھیالوجی میں ہے اُسے یہ بالکل نہیں جانتے۔ بعض تو یہ
سمجھتے ہیں کہ خُدا نے نیستی کو لے کر اُس کو ہستی میں تبدیل کر دیا بعض
یہ سمجھتے ہیں کہ کائنات پہلے نہیں تھی خُدا نے اپنا آپ کائنات کی صورت
میں تبدیل کر دیا۔ کائنات کا نیستی سے پیدا ہونا یہی ہے کہ یہ پہلے
نہیں تھی اور بعض لوگ کائنات کو خُدا کی کسی صفت کی بنی ہوئی
مانتے ہیں۔

ایک دفعہ ایک پیر صاحب میرے ساتھ تخلیق عالم کے بارے

میں بحث کر رہے تھے۔ میں کہتا تھا کہ کائنات خُدا کی قدرت سے نیستی سے پیدا کی گئی ہے وہ کہتا تھا کہ نیستی سے پیدا نہیں کی گئی بلکہ خُدا کی قدرت سے پیدا کی گئی ہے۔ جب دو تین دفعہ ہم دونوں نے ایسے ہی کہا تو وہ لوگ جو بحث کو سُن رہے تھے بڑے حیران ہوئے تھے کہ دونوں ایک ہی بات کہہ رہے ہیں اور پھر بھی ایک دوسرے کی نہیں مانتے۔ میں نے لوگوں کو بتایا کہ ہم ایک ہی بات نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ صرف ایک ہی الفاظ کہہ رہے ہیں۔ پیر صاحب جو کہتے ہیں کہ دُنیا خُدا کی قدرت سے بنی ہے وہ اپنی بات کے اظہار کے لئے درست الفاظ استعمال نہیں کرتے اُن کا مطلب خُدا کی قدرت سے بنی ہے کا یہ ہے کہ کائنات خُدا کی قدرت کی بنی ہوئی ہے جس طرح گھڑا مٹی کا بنا ہُوا ہوتا ہے اُسی طرح دنیا خُدا کی قدرت کی بنی ہوئی ہے لیکن میں جو کہتا ہوں کہ دُنیا خُدا کی قدرت سے بنی ہے میری بات کا مطلب یہ ہے کہ دُنیا خُدا کی قدرت کے ذریعے سے بنی ہے پس میری بات میں اور پیر صاحب کی بات میں زمین آسمان کا فرق تھا۔

وہ لوگ جو ہمہ اوستی ہیں وہ یہی کہتے ہیں کہ کائنات خُدا کی بنی ہُوئی ہے لیکن ہم لوگ جو ہمہ از اوستی ہیں ہم یہ کہتے ہیں کہ کائنات خُدا کی بنائی ہُوئی ہے۔ شروع والے لوگوں ہی کے لئے نیستی سے پیدائش کا سمجھنا دشوار نہیں تھا بلکہ آخر والے لوگوں یعنی ہمارے زمانے کے لوگوں کے لئے بھی اِس کا

سمجھنا سخت دشوار ہے۔ یہ اصول بالکل سچا ہے کہ کچھ نہیں میں سے کچھ نہیں نکلتا یعنی کچھ نہیں میں سے کچھ بھی نہیں نکل سکتا تو نیستی میں سے ہستی کیسے نکل آئی۔ چونکہ یہ ناممکن ہے اس لئے بعض لوگ کائنات کے نیستی سے پیدا کئے جانے کے منکر ہو گئے لیکن نیستی سے پیدا کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ نیستی میں سے ہستی نکالی یا نیستی کو ہستی میں تبدیل کر دیا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز پہلے موجود نہیں تھی اُسے خدا نے موجود کر دیا۔ فرض کریں کہ میری ہتھیلی پر کچھ نہیں ہے مگر خدا اُس پر مالٹا پیدا کر دیتا ہے یہ ہے مالٹے کا نیستی سے پیدا کیا جانا۔ پہلے مالٹا بالکل نہیں تھا وہ نیست تھا خدا نے اُس کو وجود بخش کر اُسے ہست کر دیا۔ جہاں پہلے کچھ نہیں تھا وہاں خدا نے مالٹے کو ہستی میں لا کر اُسے موجود کر دیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جس چیز کا مالٹا بنا ہوا ہے وہ چیز آئی کہاں سے؟ وہ چیز کہیں سے بھی نہیں آئی۔ وہ چیز پہلے نہیں تھی۔ خدا نے وہ موجود کر دی۔ ایسی باریکیاں ابتدائی لوگ تو کیا آج کل والے بھی نہیں جانتے اور بہت سے ایسے ہیں جو باوجود سمجھانے کے بھی اسے نہیں سمجھتے۔

جس طرح پہلے انسانوں کے خیال ناقص اور ناکامل تھے اُسی طرح بچوں کے خیالات پہلے ناقص اور ناکامل ہوتے ہیں مگر وہ جوں جوں بڑے ہوتے جاتے ہیں اُن کے خیال بہتر اور کامل ہوتے جاتے ہیں۔ پرانے زمانے کے لوگ خدا کو کامل خالق ظاہر کرنے کے

لئے یُوں کہتے تھے کہ خُدا نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور اُس نے دنیا ویرانی اور سُنسانی سے بنائی۔ اُس کے پاس اِس سے بہتر طرزِ ادائیگی نہیں تھی اور نہ ہو سکتی تھی پس جس صورت میں مذہب ملاہے اور جن حالتوں میں سے مذہب گذرا ہے بائیل اُسے اُسی طرح کا بیان کرتی ہے اور اِس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ سچی کتاب ہے اور خُدا نے اپنے طریقِ اُستادی سے جس طرح مذہب سکھایا اِس میں اُسی طرح کا ہے۔ جب انسان مذہب کے ابجد خواں تھے تو خُدا نے اُن کو ابجد سکھایا۔ ابجد خوانوں یعنی مُبتدیوں کو ابجد کی تعلیم دی۔ اُس وقت اُنہیں ایم۔ اے کی تعلیم نہ دی۔ کیا مُبتدیوں کو ایم۔ اے کی تعلیم دینا دانائی کا کام ہے؟ خُدا نے مُبتدیوں کو مُنتہیوں کی تعلیم نہ دی بلکہ مُبتدیوں کو مُبتدیوں ہی کی تعلیم دی۔

آدم دوزخ بہشت قیامت اور آخرت کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ بائیبل کے پہلے پانچ بابوں میں جن میں آدم کا ذکر ہے کہیں نہیں لکھا کہ وہ دوزخ بہشت آخرت اور قیامت یا مُردوں کے جی اُٹھنے کو جانتا تھا۔ آدم یعنی ابتدائی انسانوں کو اِن باتوں کا مکاشفہ نہیں بخشا گیا تھا پس مذہب ترقی کرتا آیا ہے۔ اِس کی ابتدا اور انتہا دونوں ہی بائیل میں پائی جاتی ہیں۔ تخلیق عالم کے بارے میں بائیبل کے مذہب کی تعلیم یہ ہے کہ کائنات نیستی سے خلق کی گئی ہے اسے بائیبل سے تو ثابت کیا جا چکا ہے اب اسے ازروئے فلسفہ راست اور برحق ثابت کیا جاتا ہے عقیدہ ازلیتِ کائنات

اور عقیدۂ ہمہ اوست اب باطل ثابت کئے جاتے ہیں۔
نیست سے ہست ہونے کا مطلب نہ ہونے سے ہو جانا ہے یعنی پہلے نہ ہونا اور پھر ہو جانا ہے۔ نیست کا معنیٰ ہے نہیں ہے پس کوئی چیز جو پہلے وجود میں نہیں ہے اُس کا وجود میں آجانا ہے وجود کا وجود ہو جانا نیستی سے ہستی میں آنا ہے۔ خُدا چونکہ قادرِ مطلق ہے اِس لئے وہ اُن چیزوں کو جن کا وجود نہیں ہے اُنہیں وجود دے سکتا ہے۔ چونکہ یہ نہ ہونے کی حالت سے ہونے کی حالت میں ہو جاتا ہے اِس لئے کوئی مخلوق ازلی یا ہمیشہ سے نہیں ہو سکتا بنانے والا اُس چیز سے پہلے ہونا چاہیئے جو بنائی جاتی ہے لہٰذا خُدا کائنات سے پہلے ہونا چاہیئے۔ مخلوق ہونا اور بے شروع ہونا متضاد باتیں ہیں۔ کوئی مخلوق بے شروع نہیں ہو سکتا۔ جو مخلوق ہمیشہ سے ہے اُس کے لئے کوئی وقت ایسا نہیں ہے جب وہ موجود نہیں تھا تو وہ نیستی سے ہستی میں کیسے ہُوا؟ پس مخلوق کا ہمیشہ سے اور ازلی اور الازماں ہونا ناممکن ہے پس لازماں مخلوق یا مخلوق کا ہمیشہ سے ہونا ممتنع الوجود ہے۔

ممتنع الوجود وہ ہوتا ہے جس کا عدم یا نیست ہونا یا بے وجود ہونا ضروری ہو۔ مخلوق کا ازل میں عدم یا نیست ہونا ضروری ہے۔ اگر خُدا کی پیدا کی ہُوئی کائنات ہمیشہ سے ہو تو وہ عرصے میں خُدا کے برابر ہو گی اگر مخلوق عرصے میں خُدا کے برابر ہو سکتا ہے تو وہ جگہ یا مکان میں بھی خُدا کے برابر ہو سکتا ہے یعنی وہ لامکان بھی ہو سکتا

ہے لیکن کوئی مخلوق کسی لحاظ سے بھی خدا کے برابر نہیں ہو سکتا
لہذا کوئی مخلوق ازل سے نہیں ہو سکتا اور نہ کسی مخلوق کی موجودگی
کی جگہ بے حد ہو سکتی ہے۔ وقت اور جگہ ہمیشہ محدود رہتے ہیں
کیونکہ یہ حصّوں سے مل کر بنتے ہیں۔

سیکنڈ۔ منٹ۔ گھنٹہ۔ دن۔ ہفتہ۔ مہینہ۔ سال اور صدی
وقت کے حصّے ہیں انچ فٹ گز میل مرلہ کنال بگیھ گھماؤں اور مربع
میل جگہ کے حصے ہیں۔ جو چیز حصّوں سے مل کر بنتی ہے وہ ہمیشہ
محدود رہتی ہے۔ ہر حصّہ محدود ہوتا ہے اس لئے مجموعہ محدودات
بھی محدود ہی ہوتا ہے پس وقت کے حصّوں کا مجموعہ لا محدود نہیں
ہو سکتا وہ محدود ہی رہتا ہے لہذا وقت ہمیشہ سے نہیں ہے بلکہ
اِس کا شروع ہے۔ مخلوق چیزوں کا عرصۂ موجودگی وقت ہوتا ہے
اور اشیاء کے عرصۂ موجودگی سے الگ وقت کوئی چیز نہیں۔ خدا کا
عرصۂ موجودگی ہمیشگی ہے وقت نہیں۔ وقت محدود عرصے کو کہتے ہیں
اور مخلوقات کا عرصۂ موجودگی وقت ہے لیکن خدا کا عرصۂ موجودگی
لا محدود ہے اور لا محدود عرصے کا نام ہمیشگی ہے۔ اِس کو لازماں
بھی کہتے ہیں یعنی جس میں زمانہ یا وقت نہیں ہے۔ وہ ازلی ہے اور
ازلی وہ ہے جس کے وجود سے پہلے عدم یعنی نہ ہونا نہیں ہے۔ وقت
لا محدود نہیں اِس لئے ازلی نہیں۔ ازلی وہ ہے جو ہمیشہ ہو اور عدم
اور نیستی کی حالت اُس کی کبھی نہ ہوئی ہو یعنی کبھی نہ رہی ہو۔

وقت کائنات کے ساتھ پیدا ہُوا اِس کی پیدائش سے پہلے

وقت نہیں تھا اور اگر کائنات نہ رہے تو وقت بھی نہیں رہے گا کیونکہ کائنات کا عرصۂ موجودگی ہی تو وقت ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اُس کو لکھتے ہوئے ایک گھنٹہ ہو گیا ہے۔ اُس کو گھر سے گئے ہوئے ایک ہفتہ ہو گیا ہے۔ گندم کی فصل چھ ماہ میں تیار ہوتی ہے۔ طلبا کا وہ امتحان ایک سال کے بعد ہوتا ہے جس میں پاس ہو کر وہ عموماً اگلی جماعت میں داخل ہوتے ہیں۔ ایک صدی ایک سو سال کی ہوتی ہے اور خداوند مسیح کی پیدائش سے لیکر اب تک قریباً بیس صدیاں ہوئی ہیں اور یہ قریباً دو ہزار سال کا عرصہ ہے۔ پل بھر میں آنکھ جھپکتے ہیں۔ وہ دو دن بیمار رہا۔ اس نے وہ کام چار دن میں ختم کیا۔

فردوسی نے شاہنامہ پینتیس سال میں تیار کیا۔ پس وقت کا تعلق مخلوقات کے ساتھ ہے۔ مخلوق کے موجود رہنے کام کرنے یا کسی حالت میں ہونے کے عرصے کو وقت کہتے ہیں۔ وقت عرصے کا بہتے رہنا یا چلتے رہنا ہے۔ وقت بہتا ہوا یا چلتا ہوا عرصہ ہے اور ہمیشگی یا ساکن عرصہ ہے۔ وقت محدود عرصہ ہے مگر ہمیشگی لامحدود عرصہ ہے۔ وقت محدود ہے اور اس کے حصے ہوتے ہیں اور وقت کے حصے محدود ہوتے ہیں۔ اگر محدود چیزوں کا ڈھیر ہو اور اُس ڈھیر میں اور بہت سی محدود چیزیں رکھ دی جائیں تو وہ ڈھیر پہلے سے بڑا ہو جائے گا لیکن محدود ہی رہے گا۔

فلاسفی کی سچائیوں میں سے ایک سچائی یہ ہے کہ مجموعہ محدودات

محدود ہی ہوتا ہے۔ محدودات کا مجموعہ محدود رہتا ہے۔ پس وقت کا سارا مجموعہ محدود عرصہ ہی ہوتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ مخلوق ازل سے ہوسکتا ہے وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ وقت بھی ہمیشہ سے ہوسکتا ہے۔ یعنی یوں کہ یہ ہمیشگی کے ساتھ ساتھ ہوسکتا ہے لیکن وقت کا ازل سے ہونا ناممکن ہے کیونکہ وقت حصّوں سے بنتا ہے اور اِس لئے ہمیشہ محدود رہتا ہے لیکن ہمیشگی لامحدود عرصے کا نام ہے ہمیشگی لامحدودیت عرصہ ہے اِس لئے وقت ہمیشہ سے نہیں ہوسکتا۔ وقت کا خاصہ محدودیت عرصہ ہے خُدا لازماں ہے اِس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اُس میں عرصہ نہیں ہے بلکہ اِس کا مطلب یہ ہے کہ اُس میں وقت نہیں ہے۔ زماں سے یہاں مراد وقت ہے۔ لازماں کا مطلب لامحدود عرصے والا ہے۔ اگر کسی مخلوق کی موجودگی کا عرصہ لامحدود ہوسکتا ہے تو اُس کی وسعت بھی لامحدود ہوسکتی ہے۔

کوئی چیز جہاں ہوتی ہے وہ اُس چیز کی جگہ ہوتی ہے اور دو چیزوں کا درمیانی فاصلہ بھی جگہ ہوتا ہے جگہ کے ساتھ اور جگہ جُڑ جائے تو جگہ بڑھ جاتی ہے۔ جگہ ساتھ رکھنے یا قریب رکھنے سے یعنی ساتھ رکھنے سے بنتی ہے اور وقت سلسلہ وار پہلے اور بعد سے بنتا ہے۔ وقت میں تسلسل یا سلسلہ ہوتا ہے لیکن جگہ میں قُربت یا ساتھ لگا ہُوا ہونا ہوتا ہے۔ جگہ کے ساتھ اور جگہ لگا دی جائے تو جگہ بڑھ جاتی ہے پس جگہ ساتھ ساتھ لگنے سے بنتی ہے۔ جس طرح ہمیشگی وقت کی لامحدود درازی نہیں

بلکہ ہمیشگی ہر آن کامل ہے اُسی طرح خُدا کی لامکانیت لامحدود وسعت نہیں۔ جس طرح ہمیشگی لمبی لمبی نہیں ہوتی یعنی لازمانیت لمبی لمبی نہیں ہوتی اُسی طرح لامکانیت یا بے پایانی پھیلی ہُوئی نہیں ہوتی۔ جس طرح لازمانیت ہمیشہ لامحدود عرصہ رہتی ہے اُسی طرح لامکانیت لامحدود حاضری ہے۔

خُدا میں لازمانیت اور لامکانیت اُس کے خود ہست ہونے کا نتیجہ ہیں۔ یہ اُس کے خود ہست ہونے سے نکلتی ہیں۔ خُدا کائنات کی وسعت میں اِس طرح پھیلا ہُوا نہیں جس طرح مادی چیزیں پھیلی ہُوئی ہوتی ہیں۔ جو چیز جگہ میں ہوتی ہے جگہ اُس چیز کو گھیرے ہُوئے ہوتی ہے لیکن جگہ خُدا کو گھیرے ہُوئے نہیں ہے بلکہ خُدا ساری کائنات کی ساری جگہ کو گھیرے ہوئے ہے۔ خُدا کو رہنے کے لئے کسی جگہ کی ضرورت نہیں۔ وہ اپنے آپ میں رہتا ہے۔ جس طرح ہمیشگی یا لازمانیت خُدا میں ہے اُسی طرح لامکانیت بھی خُدا ہی میں ہے۔

وُسعت (SPACE) یا کشادگی اور جگہ یا مکان (PLACE) کیا ہیں؟

ہم ہمیشگی لازمانیت یا لامحدود عرصے کا تصور صرف اِس طرح کر سکتے ہیں کہ ہمیشگی وہ ہے جس میں وقت نہ ہو اور لامکانیت

وہ ہے جس میں وسعت (SPACE) نہ ہو لیکن وسعت کیا ہے؟ جس طرح وہ مسلسل پہلے اور پیچھے یا پیش اور بعد ہے اُسی طرح وسعت ایک ہی وقت میں ساتھ ساتھ ہونا ہوتا ہے پس لمبائی چوڑائی اور موٹائی کا ساتھ ساتھ پایا جانا مکان یا جگہ کی خاصیت ہے اور مادہ کی بھی یہی خاصیت ہے۔

وسعت اور جسم میں بہت سی باتوں میں فرق پایا جاتا ہے۔ اجسام وسعت یا کشادگی میں پائے جاتے ہیں اور وہ اسی میں حرکت کرتے ہیں۔ ان اجسام کو بیرونی سطحیں گھیرے ہوئے ہیں۔ وہ وسعت جس میں کوئی چیز موجود نہ ہو وہ محض خیالی اور قیاسی جگہ ہے لیکن وہ جگہ جس میں کائنات موجود ہے حقیقی جگہ ہے۔ اسی طرح وہ عرصہ جس کا تعلق کائنات کی چیزوں سے ہے وہ حقیقی وقت ہے لیکن کائنات سے پہلے کا وقت اور مستقبل کا وقت محض فرضی اور خیالی وقت ہے حقیقی جگہ کائنات کی حدود سے پرے نہیں ہے اور حقیقی وقت کائنات کی موجودگی سے پہلے اور بعد نہیں ہے۔

مکان (PLACE) اور وسعت (SPACE) میں یہ فرق ہے کہ مکان وسعت کا حصّہ ہے۔ کوئی چیز جو کسی جگہ موجود ہوتی ہے وہ وسعت کے ایک محدود حصے کو گھیرتی ہے یا یہ کہ وہ وسعت کے ایک محدود حصّے میں ہوتی ہے اور وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ تک حرکت کرتی ہے اور یا اُسے ایک جگہ سے دوسری جگہ تک حرکت کرائی جا سکتی ہے۔ کوئی چیز وسعت میں تین طرح سے موجود ہو سکتی

ہے پہلے خالص مادی چیزوں کی جگہ جیسے کہ ہر شے کا ایک مالیکیول اور ایک ایک ایٹم اپنی اپنی جگہ رکھتا ہے دوسرے کسی شئے کا مقررہ جگہ میں سالم کا سالم ہونا اور اُس جگہ کے ہر ایک حصّے میں بھی سالم ہونا جیسے انسانی رُوح انسانی بدن میں سالم موجود ہے اور بدن کے ہر حصّے میں بھی سالم موجود ہوتی ہے۔ تیسرے کسی وجود کا کسی جگہ میں ایسے ہونا کہ وہ وہاں سارے کا سارا ہو اور اُس جگہ کے ہر حصّے میں بھی سارے کا سارا ہو لیکن وہ اُس جگہ سے گھِرا ہُوا نہ ہو خواہ وہ جگہ کتنی ہی وسیع ہو اور ایسی حاضری (PRESENCE) صرف خُدا ہی کی ہے جو کائنات اور اُس کے ہر حصّے میں سالم موجود ہے لیکن وہ اُس کی جگہ سے گھِرا ہُوا نہیں ہے وہ اِس کی حدود سے پرے بھی ہے اور وہ ساری جگہ کو خواہ وہ حقیقی ہو خواہ غیر حقیقی گھیرے ہُوئے ہے۔

ہمیشگی کو وقت میں لامحدود عرصہ نہیں سمجھنا چاہیئے اور جس طرح لازمانیت وقت کا لامحدود عرصہ نہیں ہے اُسی طرح لامکانیت لامحدود پھیلاؤ نہیں ہے۔ یہ الٰہی ماہیت کا وسعت میں لامحدود طور پر پھیلے ہوئے ہونا نہیں ہے۔ خُدا اُس طرح پھیلا ہُوا نہیں ہے جس طرح مادی چیزیں پھیلی ہُوئی ہوتی ہیں کیونکہ الٰہی ماہیت بے حد لطیف ہے یعنی عین لطافت ہے۔

جس طرح ہمیشگی ہمیشہ لامحدود عرصہ رہتی ہے اُسی طرح بے پایانی یا لامکانیت لامحدود حاضری رہتی ہے۔ ہمیشگی ہر وقت بے حد

ہوتی ہے۔ وقت کے بڑھنے سے ہمیشگی نہیں بڑھتی۔ آج ہم میں سے ہر ایک کی عمر ایک دن بڑھ گئی ہے لیکن خُدا کی عمر نہیں بڑھی کیونکہ اُس کی عمر ہمیشگی یا بے حد عرصہ ہے اور چونکہ وہ بے حد ہے اِس لئے اُس میں بڑھنے کی گنجائش نہیں۔ وہ ہمیشہ بے حد ہے۔ وہ کل بھی بے حد تھی آج بھی بے حد ہے اور کل بھی بے حد ہوگی۔ اسی طرح خُدا کی جگہ بھی پھیلی ہُوئی نہیں۔ خُدا کی جگہ خُدا کا اپنا آپ ہے اور وہ بے حد ہے۔ خُدا کے رہنے کی جگہ خُدا خود ہے۔ خُدا اپنی جگہ آپ ہے اور جس طرح اُس کی ہمیشگی یا بے حد عرصہ ہمیشہ بے حد رہتا ہے اُسی طرح اُس کی بے پایانی یا لامکانیت ہر کہیں بے حد ہوتی ہے۔ اگر دو ساتھ ملے ہُوئے کمروں کی چھت میں ایک شہتیر یا گارڈر ہو تو شہتیر یا گارڈر کا جو حِصّہ ایک کمرے میں ہوگا وہ دوسرے میں نہیں ہوگا۔

مگر خُدا اِس طرح کا نہیں ہے کہ اُس کا ایک حِصّہ ایک کمرے میں اور دُوسرا حِصّہ دُوسرے کمرے میں ہوتا ہے۔ خُدا لامحدود ہے اور لامحدودیت کے حِصّے نہیں ہوتے۔ خُدا کی لامکانیت لامحدود ہے اور ساتھ والے کمرے میں بھی سارا موجود ہے۔ ساری کائنات میں سارا خُدا موجود ہے اور خُدا بے حد ہے پس وہ ساری کائنات میں بے حد طور پر موجود ہے۔ کائنات سے باہر ممکن جگہ یا نئی سی جگہ میں بے حد طور پر موجود ہے۔ ساری زمین پر سارا خُدا موجود ہے۔ سارے پاکستان میں سارا خُدا موجود ہے۔ ہر گھر میں پورا خُدا موجود ہے۔ سوئی کے سوراخ یا

ناکے میں سارا خدا موجود ہے اور سُوئی کی نوک پر بھی سارا اور پورا خدا موجود ہے کیونکہ لامحدودیت ہمیشہ ساری اور پوری ہوتی ہے اور جہاں بھی ہو وہاں پوری اور ساری ہوتی ہے۔

یہ خدا کا خاصہ ہے۔ کائنات خواہ کتنی بھی بڑھتی جائے وہ ہمیشہ محدود رہے گی اُس کی جگہ یا وسعت ہمیشہ محدود ہوگی پس کائنات کا نہ عرصہ بے حد ہوسکتا ہے اور نہ جگہ یا مکان لہٰذا کائنات نہ عرصے میں بے حد ہے اور نہ وسعت میں لہٰذا کائنات ہمیشہ سے نہیں ہے۔ مخلوق نہ وقت کی طوالت میں اور نہ جگہ کی وسعت میں لامحدود یا بے حد ہو سکتا ہے۔ حقیقی وقت موجود چیز کا عرصۂ موجودگی ہے اور اِس لئے یہ کائنات کی پیدائش کے ساتھ شروع ہُوا۔ خدا میں وقت نہیں اُس میں ہمیشگی ہے۔ خدا وقت اور ناوقت میں موجود ہے اور جگہ اور ناجگہ میں پایا جاتا ہے۔ کائنات کی پیدائش سے پہلے بھی ہم وقت کا تصوّر کر سکتے ہیں لیکن وہ قیاسی یا ممکن وقت ہے حقیقی نہیں ہے مثلاً ہم اِس طرح خیال کر سکتے ہیں کہ جب خدا نے کائنات خلق کی تھی اگر وہ چاہتا تو وہ اِسے اُس سے سنکھوں سال پہلے پیدا کر دیتا۔ پھر وہ وقت حقیقی ہوتا مگر اب وہ وقت صرف قیاسی اور ممکن ہے یعنی اگر خدا چاہتا تو اُس وقت بھی وقت ہوسکتا تھا یعنی اُس خیالی وقت کے وقت حقیقی وقت ہوسکتا تھا۔

وقت ہمیشہ سے نہیں ہوسکتا تھا۔ ہمیشہ سے صرف ہمیشگی ہی ہوسکتی ہے اور جتنی جگہ میں کوئی چیز ہوتی ہے اور دو چیزوں کے درمیان

جو فاصلہ ہوتا ہے اُسے جگہ یا مکان کہتے ہیں۔ کائنات سے باہر حقیقی
جگہ یا مکان نہیں بلکہ محض ممکن جگہ یا مکان ہے۔ وہ قیاسی اور خیالی
جگہ ہے۔ اگر خیالی جگہ کے کسی حصّے میں خدُا کچھ پیدا کر دے تو وہ جگہ
بھی حقیقی جگہ بن جائے گی۔ ہندو فلاسفر کہتے تھے کہ لا محدود تین
ہیں۔ خدُا وقت اور جگہ لیکن وقت اور جگہ لا محدود نہیں ہیں وقت
کا کمال لازمانیت یا ہمیشگی ہے اور جگہ کا کمال لامکانیت یا بے
پایانی ہے ہم بھی ہست اور وجود ہیں لیکن ہماری ہستی اور ہمارا
وجود محدود ہے۔ خدُا کی ہستی اور اُس کا وجود کامل اور لا محدود ہے
کیونکہ وہ خود ہست ہے پس محدود ہستی کا کمال لامحدود ہستی ہے
لازمانیت لامکانیت اور خود ہستی یا وجوب خدُا میں ہیں اُس
کے الگ نہیں ہیں۔ وقت جگہ اور مخلوق ہستی یا مخلوق کی ہستی
محدود ہیں اور کائنات یا مخلوق کا خاصہ ہیں۔ وقت اور وسعت ہمیشہ
محدود رہتے ہیں اِس لئے کائنات ہر لحاظ سے محدود ہے۔ ہمیشگی
یا لازمانیت (ETERNITY) اور بے پایانی یا لامکانیت (IMMENSITY)
ہمیشہ لامحدود رہتی ہیں۔ کائنات ہمیشہ سے نہ ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔
کائنات کا ہمیشہ سے ہونا ناممکن ہے۔

جو فلاسفر یہ کہتے ہیں کہ خدُا کائنات کو ازل سے بھی خلق کر سکتا
تھا وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ خدُا ہمیشہ سے اپنے اندر اپنے آپ کو جاننے
اور اپنے آپ کو محبت کرنے کا کام کرتا ہے اور وہ ازل میں جب یہ
کام اپنے اندر کرتا تھا اُسی وقت وہ خلق کرنے کا کام اپنے سے باہر

بھی کر سکتا تھا۔ جاننے اور محبت کرنے کے کام اپنے اندر اور خلق کرنے کا
کام ایک عرصہ میں ازل میں ہو سکتا تھا یعنی ایک ہی عرصے میں یا ایک ہی
وقت میں وہ اندر اور باہر کام کر سکتا تھا لیکن اندر کے کام اور باہر کے
کام میں بے حد فرق ہے اندر کے کام عین ماہیت ہیں۔ جیسے خُدا کی
ہستی عین ماہیت ہے یعنی اُلُوہیت ہے ویسے ہی اُس کا علم اور
اُس کی محبت عین ماہیت ہیں یعنی اُلُوہیت ہیں لیکن باہر کا کام واجب
اور ضروری نہیں وہ اُلُوہیت نہیں اگر باہر کا کام اُلُوہیت ہوتا اور واجب
اور ضروری ہوتا تو کائنات لازماً ازلی ہوتی لیکن یہ ازلی نہیں ہے۔
اس لئے خُدا سے باہر کا کام یا خلق کرنے کا کام واجب اور ضروری نہیں۔
یہ اُسی طرح کا کام نہیں جس طرح کے اندر کے کام ہیں پس خُدا ازل
میں اپنے اندر تو کام کر سکتا تھا کیونکہ اندر کے کام عین ذات اور عین
خدائی ہیں لیکن باہر کا کام نہیں کر سکتا تھا کیونکہ مخلوق کو نیستی سے
پیدا ہونا ہوتا ہے اور خالق کا مخلوق سے پہلے ہونا ضروری ہے۔

خالق پہلے ہُوا تو مخلوق پیچھے ہُوا اور پیچھے یا بعد میں ہونے کا مطلب
یہ ہے کہ مخلوق ازلی نہیں ہو سکتا لہذا مخلوق یا کائنات کا ازلی ہونا
ممتنع الوجود ہے۔ مخلوق کا پہلے عدم یعنی نہ ہونا لازمی ہے اِس لئے
کائنات ازلی نہیں ہو سکتی۔ خُدا کے اندر کا کام خُدا کی ہستی کی طرح
واجب اور ضروری ہے۔ اندر کا کام بذاتہٖ اُلُوہیت ہے۔ خُدا کی
ماہیت خالص عمل ہے۔ خالص کام ہے۔ یہ اُس کا ذاتی خاصہ ہے
جیسے الٰہی ذات کا ہست ہونا ازلی ذاتی خاصہ ہے ویسے ہی اُس

ہستی کو جاننا یعنی اُس ہستی کا علم اور اُس ہستی کو پیار کرنا یعنی اُس ہستی کی محبت ازلی ذاتی خاصے ہیں۔ جیسا خُدا کا نہ ہونا ناممکن ہے ویسے ہی اُس کا اپنے آپ کو نہ جاننا اور اپنے آپ کو محبت نہ کرنا ناممکن ہے لیکن کائنات کو کبھی بھی پیدا نہ کرنا ناممکن نہیں۔ اگر خُدا چاہتا کہ کائنات نہ ہو تو وہ اِسے کبھی بھی پیدا نہ کرتا پس خُدا کے اندر اور باہر کے کام میں بے حد فرق ہے۔

اندر اور باہر کے کام کا فرق تب اچھی طرح سے سمجھ میں آئے گا جبکہ یہ مدِنظر ہو کہ جس طرح ہستی باپ ہے اور یہ خُدا میں واجب ہے اسی طرح جاننا یا علم بیٹا یا کلمہ ہے اور واجب ہے اور پیار کرنا یا محبت رُوح القدس ہے اور خُدا میں ہستی علم اور محبت واجب یعنی لازمی اور ضروری ہیں لیکن خُدا کے باہر کا کام واجب اور ضروری نہیں ہے اور اس لئے اِس کا ازلی ہونا لازمی نہیں۔ تخلیق کا کام باہر کا کام ہے اور یہ نیستی سے ہستی میں لانا ہے اور نیستی سے ہست ہونے والی چیز ازلی نہیں ہو سکتی۔ خلق کرنے والا خلق ہونے والی چیز سے پہلے ہونا چاہیئے۔ مخلوق وہ ہے جو پہلے نہیں تھا اور پھر ہو گیا اور مخلوق خالق کے بعد کب ہو سکتا ہے۔ بے حد بعد کیونکہ خُدا بے شروع ہے اِس لئے کائنات جب بھی پیدا کی جاتی وہ خُدا کے بے حد بعد ہوتی۔ کائنات ازلی کیسے ہو سکتی ہے یہ ہو ہی خُدا کے بے حد بعد سکتی ہے کیونکہ بے شروع ہونے کی وجہ سے خُدا کا عرصہ ہمیشگی ہے خُدا کا بیرونی کام ازلی ہو سکتا ہی نہیں یہ ہو ہی بے حد بعد سکتا ہے۔ خُدا

کوئی مخلوق اپنے برابر پیدا نہیں کر سکتا۔ اِس کا ہونا ناممکن ہے۔ جس طرح خُدا کی لاتبدیلی اُس کی صفتِ غیر منتقلہ ہے یعنی یہ صفت کسی اور کو نہیں دی جاسکتی اُسی طرح اُس کی خود ہستی اور برابری اور ہمیشگی بھی صفات غیر منتقلہ ہیں اور یہ کسی اور کو نہیں دی جاسکتیں۔

خُدا دُوسرا خُدا پیدا نہیں کر سکتا۔ خُدا وہ ہے جو خود ہست ہے اور نہ مخلوق ہے لیکن خُدا کا پیدا کیا ہُوا خُدا خود ہست اور نامخلوق نہیں ہو گا بلکہ مخلوق ہو گا پس خُدا کے لئے دوسرا خدا پیدا کرنا بذاتہٖ ناممکن ہے یا یہ کہ یہ ممتنع الوجود ہے۔ ممتنع الوجود وہ ہوتا ہے جس کا وجود میں ہونا یا وجود میں آنا ناممکن ہو۔ خُدا مربع دائرہ نہیں بنا سکتا۔ مربع وہ ہے جو مربع نہ ہو اور دائرہ وہ ہے جو دائرہ نہ ہو۔ یہ ایک دوسرے کے الٹ ہیں۔ مربع دائرہ کچھ بھی نہیں ہے کوئی شکل مربع دائرہ ہو سکتی ہی نہیں۔ مربع دائرہ نیستی ہے۔ یہ غیر وجود اور محض نیستی ہے اور خُدا نیستی پیدا نہیں کر سکتا کیونکہ نیستی لاشے ہے۔

نیستی کوئی چیز نہ ہونا ہے۔ ہست چیز کو نیست کر دینا یعنی موجود کو غیر موجود کر دینا اور بات ہے اور نیستی کو پیدا کرنا بالکل اور بات ہے۔ جو ہے ہی نیستی اُس کے پیدا کرنے کے کیا معنی؟ جو چیز پیدا کی جائے وہ ہست ہوتی ہے لہٰذا نیستی پیدا نہیں ہو سکتی۔ مربع دائرہ نیستی ہے اِس لئے یہ پیدا نہیں ہو سکتا دوسرا خُدا نیستی ہے اِس لئے وہ بھی پیدا نہیں ہو سکتا یا وجود میں نہیں

آسکتا۔ خدا اپنے آپ کو نیست نہیں کر سکتا کیونکہ ہونا اور موجودگی اُس کی ذات ہے اور اُس کا نہ ہونا اور نیست ہو جانا ناممکن ہے۔ خُدا بیمار نہیں ہو سکتا۔ بیمار ہونا کمال نہیں کمی اور خامی اور کمزوری ہے اور خُدا میں کوئی کمی خامی اور کمزوری نہیں ہو سکتی۔ خُدا گناہ نہیں کر سکتا کیونکہ یہ اُس کی راستی پاکیزگی اور تقدس کے خلاف ہے۔ یہ کام جو نہیں کر سکتا اُس کے قادرِ مطلق ہونے پر کوئی حرف نہیں آتا۔ یہ باتیں خُدا اِس لئے نہیں کر سکتا کیونکہ یہ بذاتہٖ ناممکن ہیں ان کا ہونا ناممکن ہے یہ ممتنع ہیں۔

دہریے ایک سوال بڑی چالاکی سے کیا کرتے ہیں کہ کیا خُدا کوئی ایسا وزن پیدا کر سکتا ہے جسے وہ خود بھی نہ اُٹھا سکے۔ اگر کہو کہ وہ ایسا وزن پیدا نہیں کر سکتا جسے وہ آپ بھی نہ اٹھا سکے تو وہ کہتے ہیں کہ چونکہ وہ ایسا وزن پیدا نہیں کر سکتا اِس لئے وہ قادر مطلق نہیں ہُوا اور اگر کہو کہ وہ ایسا وزن پیدا کر سکتا ہے جسے وہ خود بھی نہ اٹھا سکے تو وہ کہتے ہیں کہ چونکہ وہ اُس وزن کو نہیں اٹھا سکتا اِس لئے وہ قادر مطلق نہیں ہے۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ خُدا ہر وزن کو اٹھا سکتا ہے اور ہر وزن کو پیدا کر سکتا ہے لیکن ایسا وزن جس کو وہ نہ اُٹھا سکے ہے ہی نہیں۔ ایسا وزن نیستی ہے۔ وہ ممتنع الوجود ہے۔

قدرتِ مطلق کے کام سے قادرِ مطلق کو پہلے ہونا چاہیئے۔ نیستی سے ہستی میں لانا قدرتِ مطلق کا کام ہے اور قادرِ مطلق کو مخلوق

کو ہستی میں لانے سے پہلے ہونا چاہیئے لہٰذا خُدا کے کائنات کو ازل سے پیدا نہ کر سکنے سے اُس کی قدرتِ مطلق پر کوئی حرف نہیں آتا۔ کائنات کا ازل میں ہو سکنا ممتنع الوجود ہے۔ یہ ناممکن ہے۔ یہ ہو سکتا ہی نہیں۔ اِس لئے کوئی مخلوق ازلی مخلوق نہیں ہو سکتا یا یہ کہ کائنات ازلی نہیں ہو سکتی۔

ازلی تخلیق کا امکان ماننے والے یہ کہتے ہیں اگر کوئی چیز وقت میں شروع ہوئی ہے تو اُس کے بارے میں ہمارا یہ نتیجہ صحیح ہوگا کہ وہ مخلوق ہے لیکن اس کے برعکس کسی چیز کے مخلوق ہونے سے یہ نتیجہ لازمی نہیں کہ یہ وقت میں خلق ہوئی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ہمیشہ سے یعنی ازل سے خلق ہوئی ہو کیونکہ ازلی مخلوق بھی ایسا ہی حقیقی مخلوق ہوگا جیسا وہ مخلوق ہوتا ہے جو وقت میں خلق کیا جائے اور یہ تو سچ ہے کہ مخلوق مخلوق ہی ہوتا ہے خواہ کسی وقت پیدا ہُوا ہو خواہ وہ ازلی ہو خواہ حادث یعنی وقتی اور اُس کے عرصۂ موجودگی کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ ازلی مخلوق کا وجود چونکہ تبدیلیوں والا ہوگا اِس لئے اُس کا عرصۂ موجودگی وقت ہوگا اور وہ وقت ہمیشگی کے ساتھ ہوگا ۔ وہ اِس طرح کا عرصۂ موجودگی فرض کر کے کہتے ہیں کہ مخلوق ازلی بھی ہو سکتا ہے لیکن مخلوق میں تبدیلیوں کی تعداد کا شروع ہونا چاہیئے اور تعداد ہمیشہ مُعیّن مقرر اور محدود ہوتی ہے۔ تبدیلیوں کا ہونا اور بے شروع ہونا یا ازل سے ہونا عجیب بات ہے اِس لئے فلاسفروں کی بہت بڑی تعداد ازلی تخلیق کو نہیں مانتی۔

خُداکا اندرونی کام اُس کی ذات کے لئے ہے جو ہمیشہ ہست ہے اور جس کا نہ ہونا ناممکن ہے لیکن مخلوق کا پہلے نیست ہونا لازمی ہے پس اندرونی کام اور بیرونی کام ایک جیسے نہیں۔ اندرونی کام ہمیشہ ہست رہنے والی ذات کے لئے ہے لیکن بیرونی کام نیستی سے ہستی میں آنے والی چیز کے لئے ہے اور اِس لئے یہ کام ایک جیسے نہیں۔ خُدا خود ہست۔ خود علم اور خود محبت ہے اُس کی ہستی کی طرح اُس کا علم اور اُس کی محبت بھی ازلی ہیں اور اِس لئے اندرونی اور بیرونی کام ایک جیسے نہیں ہیں بلکہ بالکل مختلف قسم کے ہیں۔ اندرونی کام تو الٰہی ذات کے واجب کام ہیں یعنی لازمی اور ضروری کام ہیں لیکن بیرونی کام آزاد مرضی اور ارادے پر موقوف ہیں چاہے تو بیرونی کام کرنے کا ارادہ کرے اور چاہے تو نہ کرے۔ بیرونی کام کا ہونا واجب لازمی اور ضروری نہیں۔ بیرونی کام کا ازلی نہ ہوسکنا خُدا کی قدرت میں کمی اور خامی نہیں بلکہ خلق ہونے والی چیز میں خامی ہے کہ وہ پہلے نیست ہے اور اِس لئے وہ ہمیشہ سے نہیں ہوسکتی۔

مخلوق چیز کا یہ بھی خاصہ ہے کہ وہ لامحدود یا بے حد بڑی نہیں ہو سکتی۔ وہ ہر لحاظ سے محدود ہی ہوسکتی ہے کائنات خواہ کتنی بڑی اور کتنی وسیع ہو وہ محدود ہی ہوسکتی ہے۔ ایک عالم فلکیات کہتا ہے کہ بڑی سے بڑی اور اعلیٰ سے اعلیٰ دور بینیں اِس لئے بنائی جاتی ہیں تاکہ اگر کائنات محدود ہے تو ساری کی ساری دیکھ لی جائے اور اگر یہ

لامحدود ہے تو زیادہ سے زیادہ دیکھی جا سکے۔ وہ عالم عالمِ فلکیات تھا عالمِ فلسفہ نہیں تھا۔ از روئے علمِ فلسفہ کائنات لامحدود ہو سکتی ہی نہیں۔ یہ حصّوں سے مل کر بنی ہوئی ہے اور ہر حِصّہ محدود ہوتا ہے اور مجموعۂ حصص یا مجموعۂ محدودات بھی محدود ہی ہوتا ہے لہٰذا کائنات لامحدود نہیں ہو سکتی۔ وقت بھی حصّوں سے مل کر بنتا ہے اس لئے یہ لامحدود یا ہمیشگی نہیں ہو سکتا۔ یہ ہمیشہ محدود رہتا ہے۔ کائنات کا عرصۂ موجودگی وقت ہے اس لئے اس کا عرصۂ موجودگی محدود ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ کائنات ازلی نہیں ہے اور نہ ازلی ہو سکتی ہے۔ کائنات کے ازل سے خلق کئے جا سکنے کے امکان کو محدودے چند مسیحی فلاسفر اور الٰہیات دان مانتے ہیں۔ مسیحی فلاسفروں کی اکثریت یہ مانتی ہے کہ کائنات کا ازل سے خلق کیا جانا ناممکن ہے۔ یہ بے شروع نہیں ہو سکتی۔ اس کا وقت میں ہونا لازمی ہے یعنی اس کا شروع لازمی اور ضروری ہے۔

باب پنجم :-

کیا کائنات خود ہست ہے؟

دُنیا متواتر تبدیل ہوتی رہتی ہے کیا تبدیل ہوتا رہنے والا خود ہست ہو سکتا ہے؟ تبدیل ہو جانے والا وجود ایسا وجود ہے جو ہستی کے ایک طور سے دُوسرے طور میں ہو جاتا ہے یا ایک صورت سے دوسری صورت میں یا ایک حالت سے دوسری حالت میں ہو جاتا ہے اِس لئے اُن کی ہستی کا کوئی لازمی اور ضروری طور نہیں ہوتا۔ اگر اُس کے لئے ہستی کا کوئی لازمی طور ہوتا یعنی اُس کے لئے کوئی طور ضروری ہوتا تو وہ اُسے کھو کر ہستی کے کسی اور طور کو اختیار نہ کر سکتا۔

خود ہست وجود وہ ہے جو جو کچھ ہے وہ اپنے آپ ہی سے

ہے اور کسی اور وجود سے بالکل بے نیاز اور بے انحصار ہیں۔ وہ دوسرے
پر منحصر نہیں۔ وہ اپنے آپ سے ہست ہے۔ اگر اُس کا ہست
ہونا کسی اور وجود پر منحصر ہو تو وہ خود ہست نہیں ہوگا کیونکہ اُس کی
ہستی اپنے آپ سے نہیں بلکہ دُوسرے سے ہے چونکہ خود ہست
کی ہستی اپنے آپ سے ہوتی ہے اِس لئے اُس کے وجود کا خاصہ
یہ ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ ہست رہے اِس وجہ سے اُس کا نہ ہونا
ناممکن ہوتا ہے اور جس کا نہ ہونا ناممکن ہو اُس کا ہونا ضروری
اور لازمی ہوتا ہے اور ایسے وجود کو واجب الوجود کہتے ہیں واجب
کے معنیٰ ہیں جسے وجوب حاصل ہو اور وجوب کے معنیٰ ہیں واجبی
ضروری یا لازمی ہونا۔ واجب الوجود وہ ہے جس کا وجود واجب ہو
یعنی لازمی اور ضروری ہو اور کوئی وجود تب واجب ہوتا ہے جبکہ
ہستی میں ہونا اُس کا ذاتی خاصہ ہو۔ وہ ذات کو ہستی کے
ذاتی خاصے کی وجہ سے خود ہست ہوگا۔ اگر کوئی ایسا وجود ہے تو
وہ ہمیشہ موجود رہا ہے کیونکہ خود ہست وہ ہے جسے کسی اور نے
نہ بنایا ہو اور نہ اُس نے اپنے آپ کو آپ بنایا ہو لیکن اُس
کی ہستی اپنے آپ سے ہو۔

اگر وہ ہمیشہ سے نہ ہو تو وہ بغیر ہُوئے بن کیسے ہو گیا۔ کوئی چیز
جو نیست ہے وہ اپنے آپ کو نہیں بنا سکتی پس خود ہست
ہمیشہ موجود ہے خود ہست کا نہ ہونا کامل طور پر ناممکن ہے اس
لئے اُس کا ہمیشہ موجود ہونا لازمی اور ضروری ہے پس یہ لاتبدیل

اور ازلی ہوگا اگر وہ ازلی نہ ہو تو اُس کی غیر موجودگی اور بے وجودی کامل طور پر ناممکن نہیں ہوگی پس وہ ازلی ہوگا یعنی بے شروع ہوگا۔ نہ اُس کا شروع ہوگا اور نہ اُس میں کوئی تبدیلی ہوگی۔ نہ اُس میں تبدیلیوں کا سلسلہ ہوگا اور نہ اُس کا آخر ہوگا۔ لاتبدیلی ہمیشہ وہی کا وہی رہنے کا وجود ہے یعنی جس چیز کو ہمیشہ وہی اور ویسا ہی رہنا ہے اُس کے لئے ضروری ہے کہ وہ لاتبدیل ہو۔ اُس میں تبدیلی ناممکن ہو۔ خودہست وجود کی ہستی کسی اور وجود پر منحصر نہیں ہوتی۔ وہ جیسی ہوتی ہے ویسی ہونے کی اُس میں کافی وجہ یعنی کامل وجہ موجود ہوتی ہے۔ وہ بلاوجہ ویسی نہیں ہوتی اُس کے ویسی ہونے کی کوئی وجہ ہوتی ہے اور وہ وجہ کافی وجہ یعنی کامل وجہ ہوتی ہے اور چونکہ وہ اُس وجہ کے باعث یعنی اُس وجہ سے اُس طرح کی ہوتی ہے اِس لئے اُسے ہمیشہ اُسی طرح کی ہونا ہوتا ہے یعنی وہ ہمیشہ اُسی طرح کی رہے گی کیونکہ وہ وجہ اُس کی ذات کی خاصیت ہے یا وہ وجہ اُس کا ذاتی خاصہ ہے۔

وہ وجود اپنے آپ سے کوئی نئی ہستی حاصل نہیں کر سکتا کیونکہ جو کچھ اور جیسا اُسے ہونا چاہیئے ویسا تو وہ پہلے ہی ہے تو پھر نئی ہستی لینے کے کیا معنی؟ جو کچھ کسی کے پاس ہے اُسے حاصل کرنے کی کیا ضرورت ہے اور اُسے حاصل کرنے کے کیا معنی ہیں وہ تو اُسے پہلے ہی حاصل ہے۔ جو کچھ کسی کے پاس ہو وہ اُسے حاصل نہیں کر سکتا اور نہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ ہو جائے جو وہ

پہلے ہی ہو۔ اگر وہ اپنے آپ کو تبدیل کرے یعنی اپنے آپ سے کوئی ہستی یا نئی ہستی حاصل کرے تو یہ ہستی اور یہ تبدیلی برائے نام ہوگی کیونکہ خود ہست چیز جو کچھ ہونا چاہیئے اور جیسی ہونا چاہیئے وہ اور ویسی تو وہ پہلے ہی ہے تو پھر اُس کی نئی ہستی کیا ہوگی اور تبدیلی کس چیز کا نام ہوگا؟ اگر وہ تبدیل ہو تو پھر جیسی اور جو کچھ وہ پہلے تھی اُس کا وہ اور ویسے ہونا لازمی ضروری اور واجب نہیں تھا لیکن خود ہست یا واجب الوجود چیز جو کچھ ہوتی ہے اور جیسی ہوتی ہے اُس کا وہ کچھ اور ویسی ہونا لازمی ضروری اور واجب ہوتا ہے یعنی اُس کا ہمیشہ ویسی ہونا لازمی ہوتا ہے لہذا وہ تبدیل نہیں ہوسکتی۔ وہ لاتبدیل ہوتی ہے پس خود ہست وجود لاتبدیل ہوتا ہے اور تبدیل ہونے رہنے والے وجود خود ہست نہیں ہیں۔ کائنات اور جو کچھ اس میں ہے تبدیل ہوتے رہتے ہیں اس لئے کائنات اور جو کچھ اس میں ہے خود ہست نہیں ہیں۔

۱:۔ مادہ ازلی نہیں ہے کیونکہ یہ مُتحرک ہے:۔

سائنس دان یہ کہتے ہیں کہ کائنات کی سب چیزیں حرکت میں ہیں اور حرکت کرنے والی چیز ازلی نہیں ہوسکتی کیونکہ ہر فاصلہ طے کرنے کے لئے کچھ وقت درکار ہوتا ہے اور وہ فاصلہ اور وقت دونوں محدود ہوتے ہیں۔ اگر اُن سب فاصلوں کو جمع کیا جائے جو کسی چیز نے طے کئے ہوں تو فاصلوں کا وہ مجموعہ محدود ہوگا

کیونکہ مجموعۂ محدودات بھی محدود ہی ہوتا ہے۔ مجموعۂ محدودات ہونے کی وجہ سے وہ فاصلہ اور اُس کے طے کرنے کا وقت دونوں محدود ہوں گے لہذا کائنات نے نہ تو اب تک بے حد فاصلہ طے کیا ہے اور نہ اِس کے حرکت کرنے کا عرصہ بے حد ہے جب کوئی چیز حرکت کرتی ہے تو اُس کے حرکت کرنے کا فاصلہ طے ہوتا ہے جس کا ہر حصّہ محدود ہوتا ہے اور اُس فاصلے کو طے کرنے کے لئے وقت لگتا ہے اور وہ وقت بھی محدود ہوتا ہے اور اُس کا ہر حصّہ محدود ہوتا ہے۔ وقت اور فاصلہ خواہ کتنے بڑھتے جائیں یہ ہمیشہ محدود رہتے ہیں لہذا کائنات کو یا مادہ کو حرکت کرتے ہوئے محدود عرصہ گذرا ہے اور اِس نے محدود فاصلہ طے کیا ہے اِس لئے مادہ ازلی نہیں ہے اور کائنات جو مادہ کی بنی ہوئی ہے یہ بھی ازلی نہیں ہے۔ کوئی چیز جو حرکت کرتی ہے وہ ازل سے موجود نہیں ہو سکتی۔ ہم فرض کریں کہ کائنات اور اِس کی حرکت یا حرکات کا سلسلہ ازل سے ممکن تھا یعنی اِن کا کوئی شروع نہیں تھا۔

اب یہ بھی فرض کریں کہ ایک عقاب اور ایک فاختہ سیدھے مشرق کی طرف سے اُڑتے آ رہے ہیں اور ہمارے کمرے میں آ کر ٹھہر جاتے ہیں۔ فرض کریں کہ وہ ہماری زمین اور چاند اور سورج اور ستاروں کے پرے سے ازل سے بغیر رُکے اور بغیر کہیں ٹھہرے اُڑتے آئے ہیں۔ اگر ہم دنیا کو ازلی خیال کریں تو ایسا ہونے میں کچھ بھی ناممکن نہیں یعنی اگر ہم یہ خیال کریں کہ دُنیا ازلی

ہو سکتی ہے یعنی متحرک دُنیا ازلی ہو سکتی ہے تو پھر عقاب اور
فاختہ کی ازلی حرکت بھی ممکن ہے ۔ ہم عقاب سے پوچھتے ہیں بھئی
عقاب! تم کدھر سے آئے ہو؟ سیدھا مشرق سے ۔ تم نے سفر
کہاں سے شروع کیا؟ کہیں سے بھی نہیں ۔ میرے سفر کا کوئی شروع
نہیں ۔ میں ازل سے اب تک برابر اُڑتا آیا ہوں ۔ تم نے اب تک
کتنا فاصلہ طے کیا ہے؟ اب تک اور اِس جگہ تک میں نے بے حد
فاصلہ طے کیا ہے جس کا کوئی شروع نہیں ۔ تم ایک منٹ میں کتنے
میل طے کرتے رہے ہو؟ میں ایک منٹ میں ایک میل اڑتا آیا
ہوں ۔ کُل کتنے میل ہوئے؟ بے حد بغیر شروع کے ۔ تم کو یہ کام
کرنے میں کتنے سال لگے ہیں؟ بے حد بغیر کسی پہلے کے ۔

پھر ہم فاختہ سے پوچھتے ہیں ۔ بی فاختہ! تم کدھر سے آئی
ہو؟ میں سیدھی مشرق سے آئی ہوں ۔ اُسی راستے پر آئی ہوں
جس پر عقاب آیا ہے ۔ اور اُس کے ساتھ ساتھ آئی ہوں ۔ تم نے
یہ سفر کہاں سے شروع کیا؟ میں نے کبھی شروع نہیں کیا بلکہ عقاب
کی طرح اب تک ہمیشہ اڑتی رہی ہوں ۔ تمہارا سفر کتنا لمبا ہے؟
بے حد لمبا ۔ اِس جگہ تک عقاب کے سفر کی طرح میرا سفر
بھی بے حد لمبا ہے ۔ تم ایک منٹ میں کتنے میل اڑتی رہی ہو؟
آدھا میل ۔ اچھا! تو پھر تم نے عقاب سے صرف آدھا فاصلہ
طے کیا ہے کیونکہ تم ایک منٹ میں صرف آدھا میل اڑتی رہی ہو
جبکہ عقاب ایک منٹ میں ایک میل اڑتا رہا ہے ۔ ہاں میرا

فاصلہ عقاب کے فاصلے سے آدھا ہے۔ تو کیا پھر بھی دونوں فاصلے بے حد ہیں؟ بے شک۔ تو پھر اس کا نتیجہ تو یہ ہُوا کہ دونوں فاصلے برابر ہیں۔ کیا دونوں فاصلے برابر ہیں؟ ہاں۔ برابر ہیں۔ تب تو کُل اپنے نصف کے برابر ہُوا اور اپنے نصف سے دُگنا بھی ہُوا؟ فاختہ جواب دیتی ہے کہ اگر تم کسی حرکت کے امکان کو ہمیشگی سے قبول کرو تو ایسا تضاد اور ایسا فرق ضرور نگلنا پڑے گا یعنی ازلی حرکت ماننے کے لئے ایسے تضادوں اور فرقوں کو نگل جانا چاہیئے۔

اے چھوٹی سی فاختہ! تم نے خوب کہا۔ تم ہمارے اُن سب فلاسفروں سے زیادہ ہوشیار ہو جو یہ مانتے ہیں کہ دنیا کا ازل سے لامحدود تبدیلیوں میں ہمیشہ چلے آنا ممکن ہے۔

اگر برائے بحث یہ فرض کر لیا جائے کہ مادہ حرکت میں آنے سے پہلے ازل سے بے حرکت چلا آتا تھا تو پھر یہ سوال پیدا ہو گا کہ مادہ نے اپنے اندر ہمیشگی یا لامحدود عرصہ کیسے لیا۔ ہمیشگی وہ عرصہ ہے جس کا نہ کوئی شروع ہے اور نہ آخر۔ اگر مادہ ہمیشہ سے بے حرکت ہے تو یہ ہمیشہ بے حرکت رہے گا۔ یہ کہنا کہ یہ ازل سے بے حرکت تھا اور کچھ عرصے سے حرکت میں آیا ہے متضاد بات ہے۔ اس میں تضاد پایا جاتا ہے۔ ازلی مادہ خودہست مانا جاتا ہے۔ خودہست لاتبدیل ہوتا ہے لہذا مادہ اگر ازل سے بے حرکت ہو تو اُسے ہمیشہ بے حرکت رہنا چاہیئے۔ اگر مادہ ازل سے ہو تو یا یہ ازل سے متحرک ہے یا ساکن۔ ازلی حرکت

نامعقول بات ہے۔ یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ حرکت ازلی نہیں ہو سکتی یعنی کوئی چیز ازل سے متحرک نہیں ہو سکتی۔ اب رہی مادے کی دوسری صورت یعنی اس کا ساکن یا بے حرکت ہونا لیکن یہ حقیقت یا مشاہدہ کے خلاف ہے کیونکہ ہم مادے کو حرکت کرتے ہوئے پاتے ہیں پس صحیح نتیجہ یہی ہے کہ مادہ ازلی نہیں ہے۔

مادے کا غیر ازلی ہونا سائنس سے بھی ثابت ہو چکا ہے۔ پروفیسر چارلس اے ینگ کہتا ہے کہ "ایک بات جو صاف اور واضح ہے وہ یہ ہے کہ ستاروں اور دنیاؤں کا موجودہ نظام ازلی نہیں ہے۔ ہمارے سامنے یقینی گواہی موجود ہے کہ کائنات میں یہ بات متواتر مستقل طور پر پائی جاتی ہے کہ گرم اجرام اپنی حدت یا گرمی کھو رہے ہیں اور اسے ٹھنڈے اجرام کو دے رہے ہیں پس رُخ اس طرف ہے کہ کسی وقت سب کا درجہ حرارت برابر ہو جائے گا یعنی ساری کائنات میں درجۂ حرارت یکساں ہو جائیگا جو بے فائدہ ہو گا (یعنی اس قسم کا درجۂ حرارت ہو جانے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکے گا)۔۔۔ اگر ہم اپنے تصوّر کو پیچھے کی طرف لے جائیں تو ہم آخر کار چیزوں کی ایسی ابتدا تک پہنچ جاتے ہیں جس سے پہلے (کسی مخلوق چیز) کا ہونا معقول نہیں۔ اگر اپنے تصور کو آگے کی طرف لے جائیں تو ایک وقت ایسا آئے گا کہ جو کچھ ہو رہا ہے یہ سب رُک جائیگا اور بند ہو جائیگا اور کھڑا ہو جائے گا اور اُس کے رُک جانے اور بند ہو جانے سے چیزوں کا خاتمہ ہو جائیگا۔ اس بات پر مشکل ہی سے شک کیا جا

سکتا ہے یعنی اِس بات پر شک کرنا مشکل ہے کہ چیزوں کے اس خاتمے کا نتیجہ نئے آسمانوں اور نئی زمین کا پیدا ہونا ہوگا۔ لیکن سائنس ابھی تک اِس کے بارے میں کچھ بھی نہیں بتا سکتی،،

(عام فلکیات کی درسی کتاب یہ انگریزی میں ہے)

مادہ کے بارے میں جو نتیجہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ مادہ ازلی نہیں ہوتا اِس پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ مادہ نہ ہمیشہ بے حرکت ہوتا ہے اور نہ مُتحرک بلکہ یہ کچھ عرصے کے لئے بے حرکت اور کچھ عرصے کیلئے مُتحرک ہوتا ہے۔ اگر یوں مانا جائے تو پھر جو فاصلہ مادہ نے اپنی وقتی حرکتوں سے طے کیا ہوگا وہ محدود ہوگا اور جو وقت اِس محدود فاصلے کو طے کرنے کے لئے لگا ہوگا وہ بھی محدود ہوگا۔ حرکت کا ہر زمانہ محدود ہے کیونکہ اُس کا شروع اور آخر ہے۔ اور حرکت کے زمانوں کی تعداد بھی محدود ہوگی کیونکہ گنتی ہمیشہ مُعیّن اور محدود رہتی ہے۔ گنتی کو خواہ کتنی بڑھاتے چلے جاؤ اُس کی تعداد ہمیشہ خاص تعداد ہوگی یعنی مُعیّن اور مقرّرہ تعداد ہوگی نہ کم نہ زیادہ اور وہ مُعیّن تعداد محدود ہوگی کیونکہ گنتی اُس کے آگے بھی محدود ہوگی پس مادہ کے متحرک ہونے کے زمانے محدود ہونگے۔ اور اِسی طرح مادے کے بے حرکت رہنے کے زمانے بھی محدود ہوں گے اور یوں مُتحرک رہنے کا سارا وقت اور بے حرکت رہنے کا سارا وقت دونوں مل کر ایک محدود عرصہ بنیں گے کیونکہ مُتحرک رہنے کا سارہ عرصہ بھی محدود ہے اور بے حرکت رہنے کا سارا عرصہ بھی محدود ہے اور اِن دونوں محدودوں کو

جمع کرنے سے سارے عرصے کا مجموعہ محدود ہی ہو گا کیونکہ مجموعۂ
محدودات محدود ہوتا ہے پس یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ مادہ ازلی یا
ہمیشہ سے نہیں ہے کیونکہ یہ حرکت کرتا ہے۔

اسی طرح یہ بھی ثابت کیا جا سکتا ہے کہ اِنسانی رُوحیں بھی ازلی
یا ہمیشہ سے نہیں ہیں کیونکہ وہ تبدیل ہوتی رہتی ہیں یعنی اُن میں تبدیلی
آتی رہتی ہے۔ کیا اِنسانی رُوح بڑھنے والی ہے یا گھٹنے والی؟ اگر یہ
بحیثیتِ مجموعی بڑھنے والی ہے باوجود اُٹھنے اور گرنے کے تو اسے بے
حد عرصے میں بڑھتے رہنے کی وجہ سے بے حد کمال تک پہنچ گیا ہوا
ہونا چاہیئے تھا لیکن اِنسانی رُوح بے حد کامل نہیں ہے پس یہ
بڑھنے والی اور ازلی دونوں نہیں ہے اور یہ بڑھتے رہنے سے
کبھی بے حد ہو سکتی ہے۔ اگر یہ گھٹنے والی ہو تو اس کو بے حد عرصے
میں بے حد ناکاملیت تک پہنچ جانا چاہیئے تھا یعنی نیست ہو جانا
چاہیئے تھا پس یہ گھٹنے والی اور ازلی دونوں ہی نہیں ہو سکتی۔ لیکن اگر
یہ کہا جائے کہ اِس کی مُعینہ اور مقرّرہ عام حالت قائم رہتی ہے کیونکہ
یہ یکے بعد دیگرے گھٹتی بڑھتی رہتی ہے اور پھر کچھ عرصے کے لئے
گھٹتی رہتی ہے تو پھر یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ یہ ازلی نہیں ہے۔

ازل سے بڑھتی آنے والی یا گھٹتی آنے والی شے ہو سکتی ہی نہیں۔
بڑھنے والی شے بڑھتے بڑھتے کبھی لامحدود نہیں ہو سکتی پس جیسے
کہ مادہ کے بارے میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ یہ ازلی نہیں ہو سکتا کیونکہ
اِس کے مُتحرک ہونے اور ساکن ہونے کے زمانوں کی تعداد اور عرصہ

محدود ہو گا۔ اِسی طرح رُوح کے بڑھتے رہنے والے زمانوں اور گھٹتے رہنے والے زمانوں کی تعداد محدود ہو گی اور اُن میں سے ہر زمانہ محدود ہو گا اور سب محدود زمانوں کے محدود عرصوں کا مجموعہ بھی محدود ہو گا لہٰذا اِنسانی رُوح ازلی نہیں ہے اور اِس سے پہلے جو یہ لکھا ہے کہ اگر رُوح ازل سے بڑھتی آئی ہے تو اِسے بے حد ہو جانا چاہیئے تھا یہ اِس مفروضے کی بنا پر ہے کہ کوئی شے لامحدود عرصہ بڑھتی رہے لیکن کوئی شے لامحدود عرصہ نہیں بڑھ سکتی اور جو شے فی الواقع پوری ہمیشگی بڑھتی رہی ہو یا بڑھتی رہے اُسے فی الواقع بے حد ہو جانا چاہیئے لیکن کوئی چیز بے حد عرصہ نہیں بڑھ سکتی اُس کے بڑھنے کا عرصہ ہمیشہ محدود رہتا ہے اور اِسی طرح اگر یہ بات واقعی ہو سکے کوئی چیز لامحدود عرصہ گھٹتی رہے تو اُسے واقعی نیست ہو جانا چاہیئے لیکن کوئی چیز فی الواقع لامحدود عرصہ نہیں گھٹ سکتی اِس لئے وہ نیستی تک بھی نہیں پہنچ سکتی۔ گھٹتے رہنے کا زمانہ ہمیشہ محدود رہتا ہے پس نہ اِنسانی رُوح ازلی ہو سکتی ہے اور نہ مادہ۔ اِسی طرح فرشتوں کی رُوحیں بھی ازلی نہیں ہو سکتیں۔

ب۔ کوئی وجود جو تبدیل ہوتا ہے وہ ازلی نہیں ہو سکتا:۔

بعض فلاسفر یہ اعتراض کر سکتے ہیں کہ دُنیا کو پیدا تو خُدا ہی نے کیا ہے لیکن اُس نے اُسے ازل سے پیدا کیا ہُوا ہے اُس نے اِسے وقت میں پیدا نہیں کیا مگر یہ نظریہ قابلِ قبول نہیں ہے جیسے کہ اِس

دلیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر چیز جو تبدیل ہوتی ہے یا تبدیل ہو سکتی ہے اُس کے شروع سے لے کر اب تک اُس کے عرصے کی پیمائش یا حد انتہا ہو گی لیکن دُنیا تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ اِس میں اسباب اور اُن کے نتائج کا سلسلہ متواتر پایا جاتا ہے اور یہ سلسلہ وقت اور جگہ میں۔ بننے اور بگڑنے میں اور پیدائش اور موت یا بربادی میں چلا جا رہا ہے اور اِس سلسلے کی سب کڑیاں گنی جا سکتی ہیں یعنی وہ سب نپی تلی ہیں۔ اِس لئے اِس کے شروع سے اب تک محدود عرصہ گزرا ہے یعنی دُنیا وقت میں خلق کی گئی تھی اور یہ ہمیشہ سے نہیں ہے۔ وقت اور حرکت کے شروع ہونے میں تضاد شامل ہے وقت جس کا شروع نہ ہو وہ وقت نہیں اور حرکت جس کا شروع نہ ہو وہ حرکت نہیں۔ وقت اور حرکت کا شروع لازمی ہے کیونکہ تمام حرکتیں وقت کے ذریعے سے ناپی جا سکتی ہیں لیکن وقت کے بڑھتے جانے سے ہمیشگی نہیں بن سکتی کیونکہ وہ لامحدود لا حد اور لا انتہا ہے لہذا دُنیا ازلی نہیں ہو سکتی۔ خُدا نے اِسے وقت میں پیدا کیا تھا ازل سے پیدا نہیں کیا تھا۔

علاوہ اِس کے حرکت اور سلسلہ مادی مقدار یا تعداد سے تعلّق رکھتے ہیں اور یہ صرف بالقوّت لامحدود ہو سکتے ہیں۔ بالفعل کبھی بھی لامحدود نہیں ہو سکتے یعنی حرکت اور سلسلے کا رُخ لامحدودیت کی طرف رہتا ہے لیکن فی الواقع کبھی لامحدود نہیں ہوتے اور نہ کبھی ہو سکتے ہیں۔ اگر دُنیا ہمیشہ سے ہو اور اُس میں آدمی ہمیشہ سے

موجود چلے آئے ہوں تو ہمیشگی میں پیدا ہوتے رہنے والے انسانوں کی تعداد لامحدود ہونا چاہیئے لیکن تعداد اور سلسلہ لامحدود نہیں ہو سکتے تعداد کا لاتعداد ہونا لایعنی اور بے معنی ہے اِس لئے آدمیوں کا ازل سے پیدا ہوتے آنا بھی لایعنی ہے اور دُنیا کا ازلی ہونا بھی نامعقول ہے۔ پھر اگر دُنیا کو ازلی فرض کیا جائے تو اگر اس کے عرصے کو پیچھے کی طرف دیکھیں تو وہ بے حد ہو گا کیونکہ وہ بے شروع ہے لیکن اگر آگے کی طرف خیال کریں تو چونکہ وہ بڑھتا جا رہا ہے اور آئندہ بڑھتا رہے گا اِس لئے وہ محدود ہے اور یوں یہ پہلی صورت میں لامحدود اور دوسری صورت میں محدود ہو گا پس یہ بے حد بھی ہو گا اور محدود بھی لیکن لامحدود اور محدود میں تضاد پایا جاتا ہے لہٰذا دُنیا ہمیشہ سے یا ازلی نہیں ہے۔ بڑھنے والا عرصہ کبھی ہمیشگی نہیں ہو سکتا یہ ازلی نہیں ہو سکتا۔ کائنات کا عرصہ بڑھنے والا عرصہ ہے اِس لئے یہ ہمیشہ سے یا ازلی نہیں ہو سکتا لہٰذا کائنات نہ ازلی ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔

پ۔ وقت کیا ہے؟

تغیر پذیر کا عرصہ وقت ہوتا ہے۔ ہم وقت کا تصور تین صورتوں میں کرتے ہیں یعنی گزرا ہوا عرصہ موجودہ عرصہ اور آنے والا عرصہ یا عرصہ جو ہو گا۔ ہم ایک وجود کو دیکھتے ہیں اور اپنی یاد کی مدد سے ہم یہ معلوم کرتے ہیں کہ یہ اب ویسا نہیں جیسا پہلے تھا اور ہم یہ

نتیجہ نکالتے ہیں کہ یہ جیسا اب ہے ویسا بھی نہیں رہے گا۔ بچپن تبدیل ہو کر جوانی ہو گیا یہ بھی ہمیشہ نہیں رہتی۔ جوانی تبدیل ہو کر بڑھاپا بن جائے گی۔ کسی وجود کی یہ تین مختلف حالتیں وقت کا تصور پیدا کرتی ہیں۔ وقت یکے بعد دیگرے ہونے یا سلسلے کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ انسان کی زندگی میں پہلے بچپن ہوتا ہے اور بچپن جتنے عرصے تک رہتا ہے وہ عرصہ وقت ہے۔ اُس کے بعد جوانی کا عرصہ اور پھر بڑھاپے کا عرصہ آتا ہے۔ بچپن جوانی اور بڑھاپے کی حالتیں یکے بعد دیگرے آتی ہیں اور اِن حالتوں کے عرصے بھی یکے بعد دیگرے آتے ہیں اور یہی وقت ہے یکے بعد دیگرے آنے والا عرصہ یا مسلسل عرصہ وقت ہوتا ہے اور یکے بعد بعد دیگرے ہونا تبدیلی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ بچپن تبدیل ہو کر جوانی آجائے تب یہ کہنا درست ہو گا کہ ایک حالت دوسری کے بعد آئی ہے۔ جوانی تبدیل ہو کر بڑھاپا آجائے تو کہیں گے ایک زمانہ دوسرے کے بعد آیا ہے پس ایک دوسرے کے بعد ہونا تبدیلی ہونے سے ہوتا ہے۔ وقت تغیر پذیر وجود کی مسلسل تبدیلیوں یا یکے بعد دیگرے ہونے والی تبدیلیوں پر مبنی ہوتا ہے پس وقت کا مطلب یہ ہوا کہ کوئی وجود ویسا نہیں ہے جیسا یہ پہلے تھا اور یہ ویسا نہیں رہے گا جیسا یہ اب ہے پس اِن تبدیلی ہوتی رہنے والی حالتوں کے عرصے کا نام وقت ہے۔

ت - وقت محدود ہے:-

تعداد ہمیشہ محدود رہتی ہے کیونکہ ایسی تعداد کوئی نہیں جس سے بڑی تعداد نہ ہو۔ انسانوں کی پیدائش سے اب تک کتنے انسان پیدا ہوئے ہیں؟ اس کے جواب میں جو تعداد بتائی جائے گی وہ لازماً محدود ہو گی۔ اسی طرح اس کے جواب میں جو تعداد بتائی جائے گی وہ بھی محدود ہو گی کہ مادہ کے ایک ذرہ نے اب تک کتنے میل فاصلہ طے کیا ہے۔ میلوں کی تعداد محدود ہو گی۔ وقت مادے کی حرکت سے ناپا جاتا ہے اور زمین کے گھومنے اور چکّر لگانے سے ناپا جاتا ہے اور چونکہ مادے نے صرف محدود فاصلے میں حرکت کی ہے یعنی مادے کی حرکت کا فاصلہ محدود ہے اس لئے اُس محدود فاصلے میں حرکت کرنے کے لئے یا اُس فاصلے کو طے کرنے کے لئے جو وقت لگا ہے وہ بھی لازماً محدود ہو گا اور محدود عرصے ہی کو وقت کہتے ہیں یا یہ کہ وقت محدود ہوتا ہے۔

وقت پہلے اور بعد کا درمیانی عرصہ ہوتا ہے مثلاً جوانی کا عرصہ پہلے اور پچھلے کا درمیانی عرصہ ہے یعنی بچپن اور بڑھاپے کا درمیانی عرصہ ہے۔ ارسطو وقت کی یہ تعریف کرتا ہے کہ وقت حرکت کی تعداد ہے اور اس کے پہلے اور بعد کے مطابق ناپی جاتی ہے پس اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس میں تبدیلی کا ہونا بنیادی شرط ہے۔ اس بات کو ملحوظِ خاطر رکھنا چاہیئے کہ جو کچھ بھی فی الواقع

موجود ہے وہ جاری رہنے والا آب ہے اور آب ہمیشہ جاری
رہنے والا آب ہوتا ہے کیونکہ گذشتہ آب موجود نہیں ہے اور
مستقبل بھی ابھی موجود نہیں ہے یعنی وہ ابھی آب نہیں ہے پس
آب یا حال ہی ہمیشہ جاری رہتا ہے اور یہی فی الواقع موجود ہوتا
ہے اور یہ محدود عرصہ ہوتا ہے اور جو ماضی بنا ہے وہ بھی اُن
محدود عرصوں سے بنا ہے جو گزر چکے ہیں۔ ہم کسی ایسے وجود کا تصور
نہیں کر سکتے جس میں یکے بعد دیگرے لاتعداد یا لامحدود تبدیلیاں
آئی ہوں یعنی لامحدود یا بے حد تعداد والی تبدیلیاں آگئی ہوں۔ تعداد
یا گنتی ہمیشہ مُعینہ اور مقررّہ ہوتی ہے۔ ایک سے گننا شروع کرو۔
ایک دو تین چار پانچ چھ سات۔۔۔۔۔ گنتے گنتے جہاں تھک
کر ٹھہر جاؤ گے وہ گنتی ایک مُعینہ اور مقررّہ تعداد ہو گی لہذا وہ
محدود گنتی ہو گی۔ گنتی یا تعداد یوں ہے کہ ایک شے ایک ہوتی ہے
ایک کو اکائی کہتے ہیں۔ دس اکائیوں کی ایک دہائی ہوتی ہے
دس دہائیوں کا ایک سَو یا ایک سینکڑا۔ دس سَو کا ایک ہزار
سَو ہزار کا ایک لاکھ۔ سَو لاکھ کا ایک کروڑ۔ سَو کروڑ کا ایک ارب
سَو ارب کا ایک کھرب۔ سَو کھرب کا ایک نیل۔ سَو نیل کا ایک پدم۔
سَو پدم کا ایک سنکھ اور سَو سنکھ کا ایک مہا سنکھ ہوتا ہے۔ جب مہا سنکھ
تک گن لیں گے تو پھر بھی گنتی مُعیّن مقررّہ اور محدود ہی ہو گی اور
مہا سنکھ کے آگے بھی گنتی ہے اور اس سے آگے بھی گنا جا سکتا ہے۔
اور جتنا گن لیا جائے گا وہ مُعیّن اور محدود ہو جائے گا۔ اور جتنا گنتے

جائیں گے اُتنا مُعیّن اور محدود ہوتا جائے گا۔

اَب انگریزی گنتی کے نام بتائے جاتے ہیں جو اُردو یا ہندی کی گنتی سے تعداد میں بہت آگے جاتے ہیں لیکن پھر بھی محدود اور مُعیّن ہی ہوتے ہیں اور وہ اِس طرح ہیں کہ جب ایک کا ہندسہ بائیں طرف لِکھا جائے اور اُس کے ساتھ چھ صفر اُس کی دائیں طرف لِکھے جائیں تو یہ عدد ایک مِلیَن (Million) یعنی ایک ہزار ہزار یا دس لاکھ ہوتا ہے۔ جب ایک کے ساتھ دائیں طرف بارہ صفر ہوں تو ایک بلیَن (billion) یعنی دس لاکھ مِلیَن ہوتا ہے یا یہ کہ دس کھرب ہوتا ہے۔ ایک کی دہنی طرف اٹھارہ صفر ہوں تو ایک ٹرِلیَن (Trillion) ہوتا ہے اور ٹرِلیَن دس سنکھ کا ہوتا ہے۔ الجبرے کی بولی میں کہیں گے کہ ملیَن دس لاکھ قوّت ایک ہوتا ہے۔ بلیَن مِلیَن قُوت دو یا دس لاکھ کی قوت دو ہوتا ہے۔ ٹرِلیَن ملیَن قُوت تین یا دس لاکھ کی قوت تین ہوتا ہے۔ کُواڈرِلیَن (quadrillion) ایک کی دہنی طرف چوبیس صفر ہوتے ہیں یا یہ کہ ایک کیساتھ چوبیس ۲۴ صفر ہوتے ہیں۔ یہ مِلیَن قوت چار یا دس لاکھ کی قوت چار کے برابر ہوتا ہے۔ کُنٹِلیَن (QUINTILLION) ایک کے ساتھ تیس ۳۰ صفر ہوتے ہیں۔ یہ ملیَن قوت پانچ یا دس لاکھ کی قوت پانچ ہوتا ہے سِکسِلیَن (Sexillion) ایک کے ساتھ چھتیس صفر ہوتے ہیں۔ یہ ملیَن قوت یا دس لاکھ کی قوت چھ ہوتا ہے۔ سِپٹِلیَن (Septillion) ایک کے ساتھ بیالیس صفر ہوتے ہیں یہ ملیَن قوت سات یا دس لاکھ

آکٹلیئن (octillion) ایک کے ساتھ
اڑتالیس صفر ہوتے ہیں۔ یہ ملیئن قوت آٹھ یا دس لاکھ کی قوت سات ہوتا ہے۔
آٹھ ہوتا ہے۔ نونلیئن (Nonillion) ایک کے ساتھ چوّن صفر
ہوتے ہیں۔ یہ ملیئن قوت نو یا دس لاکھ کی قوت نو ہوتا ہے۔ ڈیسلیئن
(DECILLION) ایک کے ساتھ ساٹھ صفر ہوتے ہیں۔ یہ ملیئن قوت
دس یا دس لاکھ کی قوت دس ہوتا ہے۔ اردو اور ہندی گنتی کے نام
مہاسنکھ تک ہوتے ہیں۔ مہاسنکھ ایک کے ساتھ اُنیس صفر
ہوتے ہیں لیکن انگریزی گنتی کے نام ڈیسلیئن تک لکھے ہیں اور یہ
ایک کے ساتھ ساٹھ صفر ہوتے ہیں۔

اُردو گنتی کے نام یہ ہیں:۔

اکائی۔ دہائی۔ سینکڑا۔ ہزار۔ دہ ہزار۔ لاکھ۔ دہ لاکھ۔ کروڑ۔ دہ کروڑ۔
ارب۔ دہ ارب۔ کھرب۔ دہ کھرب۔ نیل۔ دہ نیل۔ پدم۔ دہ پدم۔ سنکھ۔
دہ سنکھ۔ مہاسنکھ۔

انگریزی گنتی کے ناموں کا مطلب یہ ہے:۔

بلیئن = ملیئن۱ = بلیین = دس لاکھ۔ دس ملیئن کا ایک کروڑ ہوتا ہے۔
بلیئن = ملیئن۲ = ملیئن ملیئن = ملیئن × ملیئن = دس کھرب۔ دس
بلیئن کا ایک نیل ہوتا ہے۔
ٹریلئین = ملیئن۳ = ملیین × ملیئن × ملیئن = ملیئن ملیئن ملیئن = دس سنکھ۔

دس ٹرلیئن کا ایک مہاسنکھ ہوتا ہے۔

کواڈرلیئن = ملیئن^{۴} = ملیئن ملیئن ملیئن ملیئن = ملیئن × ملیئن × ملیئن × ملیئن = ایک کے ساتھ چوبیس صفر۔

کونٹلیئن = ملیئن^{۵} = ایک کے ساتھ تیس صفر۔

سیکسلیئن = ملیئن^{۶} = ایک کے ساتھ چھتیس صفر۔

سیپٹلیئن = ملیئن^{۷} = ایک کے ساتھ بیالیس صفر۔

آکٹلیئن = ملیئن^{۸} = ایک کے ساتھ اڑتالیس صفر۔

نونلیئن = ملیئن^{۹} = ایک کے ساتھ چوّن صفر۔

ڈیسیلیئن = ملیئن^{۱۰} = ایک کے ساتھ ساٹھ صفر۔

انگریزی گنتی کے ناموں کا مطلب واضح کرنے کے لئے علمِ فلکیات سے یہ مثال دی جاتی ہے کہ ماہرینِ فلکیات یہ کہتے ہیں کہ ہمارے سورج کا وزن دو بلیئن بلیئن بلیئن ٹن ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا وزن دو کی دائیں طرف چھتیس صفر ٹن ہے اور ٹن چونکہ اٹھائیس من کا ہوتا ہے اِس لئے منوں میں اس کا وزن چھپّن کے ساتھ چھتیس صفر من ہے۔ ہمارے سورج میں ابھی ہائیڈروجن کا اتنا ذخیرہ موجود ہے کہ وہ جل جل کر اور پچاس بیئن سال یعنی پانچ نیل سال گرمی اور روشنی دے سکتا ہے پھر اُس کے بعد بُجھنا شروع ہو جائیگا۔

ایک کے ساتھ اُنیس صفر ہوں تو مہاسنکھ ہوتا ہے اور اگر ایک کے ساتھ ساٹھ صفر ہوں تو ڈیسیلیئن ہوتا ہے۔

لیکن مہاسنکھ اور ڈیسلیئن کے آگے گنتی کے نام نہ دینے یا نام نہ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اِن سے آگے گنتی نہیں ہے۔ گنتی ڈیسلیئن سے بہت آگے بھی ہے لیکن جس قدر کوئی تعداد گن لی جاتی ہے وہ معیّن مقرر اور محدود ہو جاتی ہے۔ کائنات میں تبدیلیاں ہوتی آئی ہیں اور ہوتی رہتی ہیں۔ اِن کی تعداد بھی معیّن اور محدود رہتی ہے اور ہر تبدیلی کا عرصہ موجود ہے اِس لئے کائنات کی سب تبدیلیوں کا عرصہ بھی محدود ہے لہذا کائنات ہمیشہ سے نہیں ہے۔ یعنی ازلی نہیں ہے۔

جس طرح حقیقی گنتی اور تعداد سے وہ تعداد مراد ہے جس کا تعدّد ہو چکا ہو یا جو گنی جا چکی ہو اِسی طرح حقیقی وقت سے وہ عرصہ مراد ہے جس میں کوئی تغیّر پذیر چیز موجود رہی ہو یا موجود رہے۔ گنی ہوئی تعداد سے باہر کی تعداد حقیقی تعداد نہیں بلکہ محض قیاسی تعداد ہے۔ وقت جگہ اور تعداد کا رُخ لامحدودیت کی طرف رہتا ہے مگر یہ کبھی لامحدود نہیں ہو سکتے پس تغیُّر پذیر چیز کی میعاد محدود ہی ہو سکتی ہے لامحدود نہیں ہو سکتی۔ مادہ ازلی نہیں ہے کیونکہ وہ حرکت کرتا ہے۔ انسانی رُوح بھی ازلی نہیں ہے کیونکہ اِس میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں پس کوئی تغیّر پذیر چیز ازلی نہیں ہو سکتی۔ آریا سماج

کا بانی سوامی دیانند کہتا ہے کہ انسانی رُوح اور مادہ بھی خُدا کی طرح ازلی اور خود ہست ہیں سوامی دیانند اور آریا سماج کی یہ تعلیم باطل ہے۔ صرف خُدا ہی ازلی اور خود ہست ہے۔ انسانی رُوح اور مادہ خود ہست اور ازلی نہیں ہیں۔

باب ششم:-

اِبطالِ تسلسل

یا سِلسلہ کا بے حد ہونا باطل ہے

فلاسفی کا ایک اصُول یہ ہے کہ تسلسُل باطل ہوتا ہے اِس کا مطلب یہ ہے کہ سلسلہ بے حد نہیں ہوتا۔ سلسلے کی کڑیاں ہوتی ہیں اور کڑیوں کی تعداد بے حد نہیں ہو سکتی۔ تبدیلیوں کا سلسلہ بھی بے حد نہیں ہو سکتا۔ فرض کرو کہ یہ بیان کرنا ہو کہ تبدیلیاں بے حد نہیں ہو سکتیں تو اُس کو یوں کہتے ہیں کہ بے حد تبدیلیاں ماننے سے تسلسُل لازم آتا ہے یعنی سلسلہ بے حد بن جاتا ہے لیکن بےحد سلسلہ باطل ہے اِس لئے بے حد تبدیلیاں ہونا باطل ہے فلاسفی کا یہ اصول بالکل سچا ہے کہ تسلسُل باطل ہوتا ہے یعنی بے حد سلسلہ

باطل ہوتا ہے یا یہ کہ کسی بھی چیز کا سلسلہ بے حد نہیں ہو سکتا۔

جو ہندو کائنات کو ازلی مانتے ہیں اور ازلی تبدیلیوں کے بھی معتقد ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ مُرغی کا جو انڈا اب ہمارے سامنے ہے یہ مُرغی سے پیدا ہُوا ہے اور جس مُرغی سے یہ انڈا پیدا ہُوا ہے وہ مُرغی اِس سے پہلے انڈے سے پیدا ہوئی ہے اور وہ انڈا اُس سے پہلی مُرغی سے پیدا ہُوا تھا اور اِسی طرح مُرغی سے انڈا اور انڈے سے مُرغی ہمیشہ سے پیدا ہوتے آئے ہیں۔ اِس کا کبھی شروع نہیں ہُوا۔ اگر یہ مانا جائے کہ مُرغی سے انڈا اور انڈے سے مُرغی پیدا ہونے کا سلسلہ کبھی شروع نہیں ہُوا تو تسلسل لازم آتا ہے یعنی اِس سلسلے کو بے حد ماننا پڑتا ہے لیکن مُرغی سے انڈے اور انڈے سے مُرغی پیدا ہوتے آنے کا سلسلہ بے حد نہیں ہو سکتا لہٰذا اِس سلسلے کا شروع ہے۔

ایک مُرغی ایسی تھی جو سب سے پہلی مُرغی تھی وہ انڈے سے پیدا نہیں ہوئی تھی بلکہ براہِ راست خُدا کی قدرت سے پیدا ہوئی تھی لہٰذا تبدیلیوں والی دنیا ازلی نہیں ہے بلکہ اِس کا شروع ہے اور یہ کسی خالق کی خلق کی ہُوئی ہے پس اس تغیرّ پذیر کائنات کی ہستی وقت میں شروع ہوئی تھی لیکن اپنی ابتدا کا سبب یہ خود نہیں تھی کیونکہ کوئی وجود اپنی ہستی کے شروع سے پہلے کوئی کام نہیں کر سکتا۔ اپنی ہستی کے شروع ہونے سے پہلے وہ وجود ہوتا ہی نہیں تو کام کون کرے گا اور کیا کام کرے گا لہٰذا کوئی چیز اپنے آپ

کو نیستی سے ہستی میں نہیں لا سکتی یا یہ کہ اپنی ہستی کو شروع نہیں کر سکتی۔
جو چیز بھی ہے اس کی ہستی کسی اور نے شروع کی ہے جو لاتبدیل ازلی اور
خود ہست ہے کائنات کی تخلیق کے انکار کرنے والوں کا یہ عقیدہ کہ
تغیرّ پذیر چیزوں کا بے حد سلسلہ چلا آتا ہے باطل ہے کیونکہ سلسلے
کی کڑیاں ہوتی ہیں اور کڑیاں قابلِ تعداد ہوتی ہیں یعنی گنی جا سکتی ہیں اور اس
لئے محدود ہوتی ہیں۔

لامحدود سلسلے کی کڑیاں لامحدود ہونا چاہیئں لیکن لامحدود کڑیوں
والا سلسلہ لایعنی اور نامعقول ہے کیونکہ تعداد ہمیشہ محدود رہتی ہے
پس ایک ازل سے چلے آنے والے لامحدود سلسلے کا تصور اپنے آپ
کے خلاف ہے اور بذاتِ خود اپنی ذات کا متضاد ہے۔ یہ خود متضاد
(SELF-CONTRADICTORY) ہے اور ایسا ہونا خود تضادی
(SELF-CONTRADICTION) ہے۔ عقل ہمیں مجبور کرتی ہے کہ ہم
ایک لاتبدیل خود ہست وجود کو تسلیم کریں جو تمام تغیرّ پذیر چیزوں
یا وجودوں کا سببِ اوّل ہے اور یہ وجود خدائے خالق ہے۔ اُسی
نے اپنی قدرتِ مطلق سے اِس کائنات کو خلق کیا اور وہی اپنی قدرت
مطلق سے اِسے ہستی میں قائم اور موجود رکھتا ہے کیونکہ اگر وہ اُسے
ہستی میں نہ رکھے یعنی ہست رکھنے سے اپنی قدرتِ مطلق ہٹا لے
تو یہ پھر نیست ہو جائے گی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ نیستی سے بنی
ہے اور ہر چیز اپنی اصل کی طرف جاتی ہے۔ کائنات کی اصل نیست
سے ہست ہونا ہے۔ اگر خُدا اپنی قدرت ہٹا لے تو یہ اپنی اصل

کی طرف لوٹ جائے گی یعنی پھر نیست ہو جائے گی پس خدا نے اسے صرف نیستی سے پیدا ہی نہیں کیا بلکہ وہ اسے ہستی میں قائم بھی رکھتا ہے۔

بعض لوگوں نے نیستی سے ہست ہونے کا انکار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نیستی سے ہستی ناممکن ہے کیونکہ کچھ بھی نہ میں سے کچھ بھی نہ ہی نکلتا ہے۔ نیستی سے نیستی ہی نکلتی ہے لیکن نیست سے ہست کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خدا نے نیستی کو لے کر اس کو ہستی بنا دیا یعنی نیستی کو ہستی میں تبدیل کر دیا۔ جیسے کمہار مٹی لیکر اس کے برتن بناتا ہے ویسے ہی خدا نے نیستی لے کر اس کی ہستی بنا دی۔ نیست سے ہست کرنے کا قطعاً یہ مطلب نہیں ہے اس کا مطلب تو یہ ہے کہ جہاں پہلے کچھ بھی موجود نہیں تھا وہاں کچھ موجود ہو گیا۔ جو چیز پہلے موجود نہیں تھی خدا نے اسے موجود کر دیا۔ وہ چیز خدا نے نیستی کی نہیں بنائی تھی بلکہ نیستی سے بنائی تھی۔ نیستی کی بنانے اور نیستی سے بنانے میں آسمان زمین کا فرق ہے۔ نیستی سے ہستی کے منکر لوگ یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ ہم یہ مانتے ہیں کہ خدا نے نیستی کو لے کر نیستی کی کائنات بنائی گویا نیستی ہستی کا میٹیریل یا سامان تھا جس سامان کو لے کر اس نے اس سے ہستی بنائی۔ ہم اس طرح ہرگز نہیں مانتے بلکہ یہ مانتے ہیں کہ جو چیز پہلے وجود میں نہیں تھی وہ اسے وجود میں لے آیا۔ جو چیز موجود نہیں تھی اس نے اسے موجود کر دیا۔ جو چیز پہلے نہیں تھی وہ ہو گئی۔ پہلے وہ نہیں تھی یہ اس کا نیست ہونا ہے پھر

وہ ہو گئی یہ اُس کا ہست ہو جانا ہے اور نہ ہونے سے ہو جانا ہے
یا یوں کہو کہ نیست سے ہست ہونا ہے۔ نیستی سے ہستی کا مطلب
یہی ہے۔
مادہ کی نیستی سے پیدا ہونے کے سوا ہست ہونے کی کوئی اور
صورت ہو ہی نہیں سکتی۔
تخلیق سے مُراد کسی شے کا نیستی سے بنانا ہے یعنی جب اس کا
پہلے کچھ بھی موجود اور ہست نہیں تھا ہم یہ تو مانتے ہیں کہ مادے کی
بعض انواع اس کی دیگر انواع سے پیدا ہوتی ہیں مثلاً پانی آکسیجن اور
ہائیڈروجن کی کیمیائی ترکیب سے بنتا ہے یعنی جب آکسیجن اور ہائیڈروجن
کی انواع کیمیائی طور پر مرکب ہوتی ہیں تو اُن کے مرکب ہونے سے
پانی کی نوع بن جاتی ہے لیکن ابتدائی اور پہلا مادہ نیستی ہی سے پیدا
ہُوا تھا۔ یعنی تخلیق سے وجود میں آیا تھا۔ مادہ اپنی صورتیں بدلتا رہتا
ہے اور کچھ سے کچھ بنتا رہتا ہے مثلاً بیج اور زمینی مادوں سے
چارے کے لئے پودے پیدا ہوتے ہیں وہ چارا مویشی کھاتے ہیں
تو گوبر کی صورت ہو جاتی ہے۔ گوبر سکھا کر جلایا جائے تو راکھ
کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

مادہ صورتیں اور حالتیں بدلتا رہتا ہے لیکن سارا مادہ ابتداء
میں نیستی سے ہستی میں لایا گیا تھا۔ خلق کیا جانا نیستی سے بنایا
جانا ہے۔ مادہ نیستی سے بنایا گیا تھا اِس لئے یہ خلق کیا گیا
تھا۔ یہ بنایا گیا تھا یعنی اس نے اپنی ہستی اور وجود سے حاصل

کی تھی کیونکہ کافی اور پوری وجہ کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوتا۔ یہ کافی اور پوری وجہ یا تو اُس ہستی کے اپنے آپ میں ہوگی یا کسی اور وجود میں مادہ کی کافی اور پوری وجہ مادہ میں موجود نہیں ہے اگر وہ خود مادہ ہی میں موجود ہو تو مادہ خود ہست ہوگا لیکن یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ اس کے ہونے کی کافی وجہ اس میں موجود نہیں ہے کیونکہ یہ تبدیل ہوتا رہتا ہے۔

اگر مادہ ازل سے ہو تو خود ہست ہوگا اور اس کی حالت واجب اور لازمی ہوگی یعنی یہ لاتبدیل ہوگا۔ اگر یہ ساکن اور بے حرکت تھا تو اسے ہمیشہ ساکن اور بے حرکت رہنا چاہیئے تھا۔ یوں نہیں کہ پہلے بے حرکت رہا ہو اور کچھ عرصے سے حرکت میں آ گیا ہو۔ اگر یہ بے حرکت تھا اور اس کی وہ حالت واجب اور لازمی تھی اور اس لئے اسے ہمیشہ ساکن اور بے حرکت رہنا چاہیئے تھا لیکن یہ متحرک ہے اس لئے یہ خود ہست نہیں ہے یہ متحرک ہے اور متحرک چیز ازلی نہیں ہو سکتی کیونکہ حرکت ازلی نہیں ہو سکتی پس اس کے ہونے کی وجہ کسی اور وجود میں ہونا چاہیئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بنایا گیا ہے یعنی خلق کیا گیا ہے یا یہ کہ یہ نیستی سے ہستی میں لایا گیا ہے اور نیستی سے ہستی میں لائے جانے کی وجہ یہ ہے کہ اگر یہ کسی ایسی شے سے بنایا گیا ہو جو پہلے موجود تھی تو وہ شے تغیر پذیر ہوگی کیونکہ اُس میں تبدیلی آنے ہی سے اُس سے ایک نئی چیز یعنی مادہ پیدا ہو گیا۔ اگر اُس میں تبدیلی نہ آتی تو اُس کی نئی چیز نہ بن جاتی اُس سے کوئی نئی چیز نہ بن سکتی

لیکن جو تغیر پذیر ہو وہ خود ہست نہیں ہوتی یہ ثابت کیا جا چکا ہے
لہذا وہ شے جس کو مادہ سے پہلے فرض کیا گیا ہے وہ بھی بنائی ہوئی
شے ہے۔ یا تو وہ نیستی سے بنائی ہوئی ہوگی یا وہ بھی اپنے سے کسی
پہلی شے سے بنائی ہوئی ہوگی۔ اگر وہ اپنے سے کسی پہلی شے سے نہیں
بنائی گئی تو ہمارا دعوے ثابت ہو گیا کہ وہ نیستی سے بنائی گئی ہے
لیکن اگر وہ کسی اور چیز سے بنائی گئی ہو تو یہی مشکل بار بار پیش آئے
گی جب تک کہ ہم اُس چیز تک نہ پہنچ جائیں جو کسی اور چیز سے
نہیں بنائی گئی تھی۔ اگر یہ مانا جائے کہ ایک چیز سے دوسری چیز
سے بننے کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا ہے تو یہ مفروضہ باطل ہے
کیونکہ اس سے تسلسل لازم آتا ہے۔ کوئی سلسلہ بے حد یا ہمیشہ
سے نہیں ہو سکتا۔

اِس دلیل سے بچنے کا یہ طریقہ استعمال کیا جاتا ہے کہ یہ
فرض کر لیا جاتا ہے کہ مادہ میں تبدیلیوں کا لامحدود سلسلہ وقوع میں
آ چکا ہے یعنی مادہ میں لامحدود تبدیلیاں ہو چکی ہیں لیکن کسی لامحدود
سلسلے کو پار نہیں کیا جا سکتا سارے لامحدود سلسلے میں سے گذر
نہیں سکتے۔ اُس کی تبدیلیوں کو لامحدود فرض کیا گیا ہے لیکن اِس
میں تبدیلیاں اب بھی ہو رہی ہیں تو کیا یہ تبدیلیاں لامحدود سے
بھی زیادہ ہو گئی ہیں اور اس میں تبدیلیاں ہوتی رہیں گی تو کیا
وہ لامحدود سے بھی زیادہ ہوتی جائیں گی؟ لامحدود سے کچھ بھی زیادہ
نہیں ہو سکتا اِس لئے جو تبدیلیاں اب ہو رہی ہیں یا آئندہ

ہوتی رہیں گی وہ لامحدود سے زیادہ نہیں ہیں پس لامحدود تبدیلیاں ہو چکی ہوئی ہونے کا نظریہ باطل اور جھوٹا ہے۔ تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں اور ہوتی رہیں گی اِس لئے یہ سلسلہ جو جاری ہے یہ لامحدود نہیں بلکہ محدود ہے۔ لامحدود تبدیلیوں والا سلسلہ یا لامحدود سلسلہ ہو ہی نہیں سکتا لہٰذا مادہ ازل سے نہیں ہے بلکہ یہ نیستی سے پیدا کیا گیا ہے۔

ا:۔ اعتراضات کے جوابات :۔

بعض شخص یہ اعتراض کرتے ہیں کہ تخلیق سائینس کے اہم اصول کے خلاف ہے۔ وہ یہ نمائشی یا بظاہر خوشنما دلیل پیش کرتے ہیں کہ کچھ نہ میں سے کچھ بھی نہیں نکلتا۔ یہ مقولہ سبب کی فلاسفی کی بنیادی سچائی کو بڑے اختصار کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ کوئی چیز بھی جو ہستی میں ہونا شروع ہوتی ہے یعنی جس کی ہستی شروع ہوتی ہے اُس کے ہست ہونے سے پہلے اُس کی علتِ فاعلی کا ہونا لازمی اور ضروری ہے اور سابقہ علتِ فاعلی کے بغیر کوئی چیز وجود میں نہیں آسکتی۔ کسی چیز کے پیدا ہونے سے پہلے اُس کو پیدا کرنے والا سبب چاہیئے۔ اگر پیدا کرنے والا سبب پہلے موجود نہ ہو تو کچھ بھی پیدا نہیں ہوگا۔ اِس کو دوسرے لفظوں میں یُوں کہہ سکتے ہیں کہ بلا سبب کوئی نتیجہ نہیں ہوتا لیکن علتِ فاعلی یا سببِ فاعلی اپنی قوت کے عمل سے کوئی ایسی چیز بنا

سکتا ہے جو پہلے نہیں تھی۔ سائنس کا اُس سببِ فاعلی یا علتِ فاعلی یعنی کام کرنے والے اُس سبب کے ساتھ بہت کم وابستہ ہے جو نیستی سے ہستی میں لاتا ہے یعنی اُس کو ہستی میں لاتا ہے جو خود ہست ہونے کے ناقابل تھی۔

سائنس کا خاص تعلق تبدیلیوں کے ساتھ ہے اور جو چیزیں موجود ہیں اُن کی نئی صورتوں کے ساتھ ہے یہ ساخت کے قوانین کی تحقیق کرتی ہے تخلیق کے قانون کی نہیں۔ یہ ساخت کے اُن قوانین کی تحقیق کرتی ہے جو اُن نئی چیزوں کی ساخت کے بارے میں ہیں جو موجودہ عناصر کے ملنے اور مرکب ہونے سے بنتی ہیں۔ سائنس کا تعلق قدرتی اسباب اور نتائج کے ساتھ ہے۔ اِس کا تعلق کسی چیز کے ہستی میں آنے اور اُس کی علتِ فاعلی کے ساتھ نہیں ہے۔ جس سبب کے ذریعے سے کوئی چیز یا کائنات ہستی میں آئی ہے۔ وہ سبب اِس کی علتِ فاعلی ہے اور کائنات اُس علت یا سبب کا نتیجہ یا معلول ہے۔ وجود یا ہستی میں آنے کی فلاسفی سائنس کی حدود سے باہر اور پرے ہے۔ سائنس اور سائنس دانوں کو اِس میں ٹانگ نہیں اڑانا چاہیئے۔

صرف ہلکے گھٹیا اور ادنےٰ درجے کے سائنس دان ہی یہ کہتے ہیں کہ تخلیق کی تعلیم سائنس کے خلاف ہے۔ مِل کہتا ہے کہ کوئی بھی بات ایسی نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ تخلیق اور فطرت کی حکومت ایک اعلےٰ مرضی کا کام نہیں ہے (مذہب پر تین مکالے) پروفیسر ہکسلے نے انیسویں صدی میں فروری ۱۸۸۶ء میں لکھا کہ "بعض یہ کہتے ہیں کہ عبرانی

لفظ "بارا" جس کا ترجمہ ہے "خلق کیا"، کیا جاتا ہے اِس کا مطلب نیستی سے ہست کیا، ہے اور نیستی سے ہست کیا سے اُن کی مُراد معلوم ہوتی ہے کہ ہستی میں لایا۔ ہستی میں آنے کا باعث ہُوا اور اِس سے اُن کی یہ مُراد ہے کہ اُس کی کوئی چیز پہلے موجود نہیں تھی۔۔۔۔

لہٰذا موسوی مصنف کی اِس بات کا یہ مطلب سمجھا جاتا ہے کہ جہاں مادی ذات کی پہلے کوئی چیز ہستی میں نہیں تھی وہاں یہ چیز وجود میں آ گئی اور یہ کامل طور پر قابلِ خیال ہے اور قیاس کیا جا سکتا ہے اس لئے اِس امکان کا کوئی انکار نہیں کر سکتا یعنی کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یقیناً ایسے نہیں ہُوا تھا۔ مجھے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ محققِ سائنس یا تحقیق کرنے والا سائنس دان مادی کائنات کے پہلے آغاز کے بارے میں قطعاً کچھ نہیں بتا سکتا۔ وہ اِس کے بارے میں کچھ بتانے کے لئے بالکل ناقابل ہے۔ جب اُسے قدرتی اسباب و نتائج کے سلسلے سے باہر قدم رکھنا ہوتا ہے تو اُس (تحقیق کرنے والے سائنس دان) کے دستور العمل اور قاعدے کی ساری قوّت زائل ہو جاتی ہے۔ جہاں تک میں جانتا ہُوں نیبیوُلائی نظریہ کی کسی بھی صورت کا نیبیوُلائی سے یعنی نیبیوُلا کے آغاز یا ہستی میں آنے کے کسی قیاس اور رائے کے ساتھ کوئی لازمی تعلق نہیں ہے"

تخلیق قابلِ قیاس اور قابلِ تصوّر ہے۔ اِس کا قیاس کرنا ناممکن نہیں ہے جیسے کہ مربع دائرہ ناقابلِ قیاس اور ناقابل تصوّر ہے۔ اُس کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن تخلیق کا قیاس و تصوّر کیا جا سکتا

ہے کہ ایک چیز پہلے نہیں تھی اور پھر ہو گئی - جو نہیں تھی وہ موجود ہو گئی پس ناموجود سے موجود ہو جانے کا تصور کیا جا سکتا ہے یعنی اِس بات کا تصور کہ کوئی چیز پہلے نہ ہو اور پھر ہو لیکن مربع دائرے کے ہونے میں تضاد پایا جاتا ہے۔ کسی چیز کے نیستی سے ہستی میں آنے کی ذہن میں تصویر نہیں بنائی جا سکتی یا یہ کہ اُس کا نقشہ نہیں بنایا جا سکتا۔ کوئی چیز نہ ہونے سے کس طرح ہو جاتی ہے ہم اِس طرح موجود ہو جانے یا ہستی میں آ جانے کا اپنے ذہن میں نقشہ نہیں بنا سکتے کہ یہ کس طرح ہوتا ہے۔ ہم کو اس کا نہ کوئی تجربہ ہے اور نہ ہو سکتا ہے لیکن اس کے ہونے کے طور کا ذہن میں نقشہ نہ بنا سکنا یعنی اِس بات کا کہ کوئی چیز کس طرح نیستی سے ہستی میں آتی ہے کوئی وجہ نہیں کہ ہم اِس بات کا انکار کریں۔

جو آدمی پیدائشی بہرا ہو کیا اُس کے لئے سُروں کی ہم آہنگی کا انکار کرنا ٹھیک ہو گا کیونکہ اُس کو اس کا تجربہ حاصل نہیں ہے؟ پیدائشی اندھے کو مختلف انواع و اقسام کے رنگوں کا کوئی تجربہ نہیں ہوتا تو کیا اُس کے لئے رنگوں کا انکار کرنا ٹھیک ہو گا؟ تخلیق یا نیستی سے ہستی میں لانا الٰہی کام ہے اور اسے پورے طور پر صرف خدا ہی سمجھ سکتا ہے۔ ہم یہ نتیجہ تو یقیناً نکال سکتے ہیں کہ دنیا کسی سابقہ چیز سے نہیں نکلی بلکہ نیستی سے پیدا ہوئی ہے لیکن یہ کس طرح کیا گیا تھا یہ ہمارے خیال و قیاس کی طاقت سے باہر ہے۔

بہت سے واقعات جو متواتر وقوع میں آتے رہتے ہیں وہ

ہماری سمجھ کی طاقت سے پرے ہیں مثلاً میں اپنا بازو ہلانا چاہتا ہوں تو میرا بازو اُٹھتا ہے۔ یہ حرکت اور یہ عمل میری مرضی یا میرے ارادے کے عمل سے پہلے کچھ بھی نہیں تھا۔ یہ عمل تھا ہی نہیں۔ یہ عمل میری مرضی اور میرے ارادے کی طاقت سے پیدا ہوتا ہے۔ میرے ارادے کے عمل اور پیدا ہونے والی حرکت میں کوئی تعلق ہے لیکن مَیں اِسے کیسے بیان کر سکتا ہوں؟ مَیں اِسے بتا نہیں سکتا یعنی میں اِس کا بیان نہیں کر سکتا اگرچہ مَیں یہ خوب سمجھتا ہوں کہ بازو کے اُٹھنے کی حرکت مرضی یا ارادے کے کام ہی سے ہوتی ہے۔ مَیں اِسے بیان نہیں کر سکتا یا یہ کہ مَیں اِس کا حل پیش نہیں کر سکتا لیکن مَیں اچھی طرح جانتا ہُوں کہ بازو کی حرکت ارادے کے کام سے ہوتی ہے۔

پس جبکہ مَیں اپنی مرضی کے عمل اور اُس عمل سے جو حقیقت میرے محدود شخص میں پیدا ہوتی ہے اِن کے تعلق کو واضح نہیں کر سکتا تو مَیں یہ کیسے بیان کر سکتا ہُوں کہ لامحدود وجود نے اپنی قادرِ مطلق مرضی سے دنیا کو کس طرح خلق کیا۔ جس چیز کی بابت خُدا چاہتا ہے کہ وہ ضرور ہو وہ ضرور ہو جاتی ہے۔ خُدا میں مرضی یا چاہنا ہی قُدرت ہے۔ خُدا کے کہنے سے دُنیا بنی کا مطلب یہ ہے کہ خُدا کے چاہنے سے دنیا بنی یا یہ کہ خُدا کی مرضی اور ارادے سے دُنیا بنی۔ کُن کے کہنے سے کیا عالم بپا کا مطلب یہ ہے کہ خُدا نے کہا کہ ہو جا تو عالم ہو گیا۔ کُن کا معنٰی ہے ہو جا اور کائن کا

معنی ہونے والا ہے اور کائنات کائن کی جمع ہے اور اُس کا معنی ہے ہونے والے یعنی موجودات یا مخلوقات۔ خُدا نے اِن کو اپنی مرضی یا ارادے سے خلق کیا کیونکہ خُدا کی مرضی اُس کی قدرتِ مطلق ہے۔

بعض شخص ایسے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ خُدا ہے تو سہی لیکن اُس میں قدرتِ تخلیق نہیں ہے وہ نیستی سے ہستی میں نہیں لا سکتا۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ محض کمہار یا چیزوں کو ڈھالنے والا اور کاریگر ہے۔ مادی عناصر جو اُس کے ساتھ ہی ہمیشہ سے موجود ہیں وہ اُنہیں جوڑ جاڑ کر نئی نئی چیزیں بناتا رہتا ہے۔ قدرتِ مطلق کی تخلیقی قوّت کا انکار کرنا یہ ماننے کے مترادف ہے کہ خُدا میں قدرتِ مطلق ہے ہی نہیں بلکہ اُس کی قدرت بھی محدود قوت ہی ہے۔ اگر خُدا سیاروں اور ستاروں کے بڑے بڑے گولے موجود مادہ ہی سے بنا سکتا ہے اور مادہ کو نیستی سے خلق کر کے نہیں بنا سکتا اور کمہار بھی مٹی کے گولوں سے مختلف قسم کے برتن بناتا ہے۔ خواہ وہ خُدا کی بنائی ہوئی چیزوں سے کتنے ہی چھوٹے ہوں تو پھر خُدا کی قدرت اور کمہار کی قوت میں صرف درجے کا فرق ہے لیکن دونوں کی قوّت ایک ہی قسم کی ہے۔

خُدا بھی موجود مادے کو لے کر چیزیں بناتا ہے اور کمہار بھی موجود چیز سے برتن بناتا ہے کیونکہ اس صورت میں نہ خُدا نیستی سے ہستی میں لا سکتا ہے اور نہ کمہار لیکن لامحدود قدرت اور

محدود قوّت میں کوئی نسبت نہیں ہے۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ محدود قوّت اتنے گنا ہو تو وہ لا محدود قدرت بن جاتی ہے لہٰذا لا محدود قدرت اور محدود قدرت ایک ہی قسم کی قدرتیں نہیں ہیں بلکہ مختلف قسم کی ہیں جیسے ہمیشگی اور وقت مختلف قسم کے عرصے ہیں۔ محدود لا محدودیت میں ہوتا ہے لیکن اُس کا حصہ نہیں ہوتا۔ وقت ہمیشگی میں ہوتا ہے لیکن اُس کا حِصّہ نہیں ہوتا اور جگہ بے پایانی میں ہوتی ہے لیکن اُس کا حصّہ نہیں ہوتی۔

علم ہندسہ یا جیومیٹری کی رُو سے لائن لکیر یا خط سطح میں ہوتا ہے۔ جہاں وہ خط ہوتا ہے وہ وہاں کی سطح میں ہوتا ہے لیکن وہ اُس سطح کا حِصّہ نہیں ہوتا۔ سطح کا رقبہ ہوتا ہے اور رقبے کی لمبائی اور چوڑائی ہوتی ہے یعنی سطح کی لمبائی اور چوڑائی ہوتی ہے۔ علم ہندسہ کی رُو سے خط وہ ہے جس کی صرف لمبائی ہی لمبائی ہو مگر چوڑائی نہ ہو۔ اگر خط کی لمبائی اور چوڑائی دونوں ہوتیں تو پھر خط کا رقبہ ہوتا جو سطح کے رقبے کا حِصّہ ہوتا اور اِس صورت میں خط سطح کا حِصّہ ہوتا لیکن اُس کی تو صرف لمبائی ہی لمبائی ہوتی ہے اِس لئے اُس کا رقبہ نہیں ہو سکتا اور جبکہ اُس کا رقبہ نہیں ہو سکتا تو وہ سطح کا حِصّہ بھی نہیں ہو سکتا مگر خط ہوتا سطح ہی میں ہے۔ اسی طرح محدودیت لا محدودیت میں ہوتی ہے لیکن اُس کا حصہ نہیں ہوتی۔ ہمیشگی لا محدود عرصہ ہے اور وقت محدود عرصہ ہے۔ وقت ہمیشگی میں ہوتا ہے لیکن اُس کا حِصّہ نہیں ہوتا پس اسی طرح محدود قدرت

لا محدود قدرت کا ناپ پیمانہ اور اندازہ نہیں ہو سکتی۔ لا محدود قدرت محدود قدرت سے کبھی بھی ناپی نہیں جا سکتی۔ اگر لا محدود قدرت یا قدرتِ مطلق کے معنی یہ نہ ہوں کہ یہ وہ قدرت ہے جو اُن چیزوں کو ہستی میں لا سکتی ہے جو پہلے قطعاً اور کامل طور پر ناموجود ہوتی ہیں۔ اگر یہ ناموجود چیزوں کو موجودگی میں نہ لا سکے تو پھر یہ لا محدود قدرت یا قدرتِ مطلق نہیں ہے بلکہ لا قدرت یا بے قدرت ہے کیونکہ وہ قدرت نیستی سے ہستی میں لانے کے لئے بے قدرت ہے۔

خُدا کی قدرتِ مطلق اِس بات سے ظاہر ہوتی ہے کہ وہ کسی ایسی چیز کو ہستی میں لے آتی ہے جو پہلے نہیں تھی یا جو پہلے نیست تھی۔ خُدا اپنی موجودات کو قائم رکھتا ہے یعنی وہ انہیں ہستی میں رکھتا ہے۔ اگر وہ کائنات کو ہستی میں قائم رکھنے کا کام نہ کرے تو کائنات پھر نیست ہو جائے۔ کائنات کو نیست نہ ہونے دینے کے لئے بھی قدرتِ مطلق درکار ہے۔ متواتر ہست رکھنا ایسا ہی ہے جیسے متواتر ہست کرتے رہنا پس نیستی سے ہستی میں لانے اور ہست چیزوں کو نیست نہ ہونے دینے کے لئے قدرتِ مطلق درکار ہے۔ خُدا کی قدرتِ مطلق نے کائنات کو نیستی سے پیدا کیا اور اُسی قدرتِ مطلق سے وہ اِسے نیست نہیں ہونے دیتا بلکہ ہستی میں قائم رکھتا ہے۔

ہم لا محدود قدرت لا محدود عرصے یا لا زمانیت اور بے پایانی یا لا مکانیت اور لا محدود وجود یا خُدا کا ذکر کرتے رہے ہیں اِس لئے یہ بھی واضح کرنا ضروری ہے کہ لا محدود ہونا کیا ہے۔ عام

بول چال میں کثیر چیزوں کو بے حد اور کثیر تعداد کو اَن گنت کہہ دیتے ہیں
لیکن جن کثیر چیزوں کو وہ بے حد کہتے ہیں حقیقت میں وہ بے حد نہیں
ہوتیں اور جس تعداد کو وہ اَن گنت کہتے ہیں وہ اَن گنت نہیں ہوتی۔
اَن گنت سے یہاں وہ تعداد مراد ہے جو گنی جا سکتی ہی نہیں لیکن
کوئی بھی تعداد ایسی نہیں جو گنی نہ جا سکے پس اب ہم اِس بات کی وضاحت
کریں گے کہ ازروئے فلسفہ بے حد یا لا محدود کیا ہوتا ہے۔

لا محدود کیا ہے؟

لا محدود کی محدود سے چند تعریفیں کی جاتی ہیں لیکن ہمارے
موجودہ مقصد کے لئے اِن میں سے ایک منفی تعریف کام دے گی۔
لا محدود کی اصطلاح کا مطلب یہ ہے کہ وہ جس کے نہ حصّے ہوں
اور اُس میں نہ کچھ جمع کیا جا سکے اور نہ اُس میں سے کچھ تفریق
کیا جا سکے۔ لا محدود کے حصّے نہیں ہوتے۔ اگر اِس کے حصّے
ہونا ممکن ہو تو اِسے کچھ حصّوں میں تقسیم کر دو۔ پھر اِس کا ہر
حصّہ یا تو محدود ہو گا یا لا محدود۔ اگر ہر حصّہ محدود ہو تو کچھ محدود
حصّوں کا مجموعہ ایک سالم لا محدود کے برابر ہو گا یعنی اُس لا محدود
کے جتنے حصّے کئے تھے اگر اُن حصّوں میں سے ہر حصّہ محدود ہو تو
اُن سب محدود حصّوں کو اکٹھا کر دینے سے ایک سالم لا محدود کے
برابر ہونا چاہیئے لیکن محدود اجزا کے مجموعے کا لا محدود ہونا نا معقول
بات ہے کیونکہ مجموعہ محدودات ہمیشہ محدود رہتا ہے۔ فلاسفی

کا یہ سچا اصول ہے کہ مجموعۂ محدودات محدود ہوتا ہے۔ محدود چیزیں خواہ کتنی ہی ہوں اُن کا مجموعہ محدود ہوگا اور اگر ہر حصّہ محدود ہو تو ایسے حصّے خواہ کتنے ہی ہوں اور ہر حصّہ خواہ کتنا بڑا ہو اُن کا مجموعہ محدود ہوگا۔ یہ ایک سچائی ہے کہ مجموعۂ محدودات یا محدودوں کا مجموعہ محدود ہی ہوتا ہے۔ یہ عقل کے عین مطابق اور کامل طور پر معقول ہے اگر لامحدود کے ہر حصے کو بھی لامحدود ہی فرض کریں تو پھر ہم اس نامعقول نتیجے تک پہنچیں گے کہ لامحدود لامحدود سے چھوٹا بھی ہوتا ہے کیونکہ حصّہ کُل سے چھوٹا ہوتا ہے سالم لامحدود کے جو لامحدود اجزا ہوں گے وہ سالم لامحدود سے چھوٹے ہونا چاہئیں یعنی اُن اجزا میں سے ہر جزو لامحدود بھی ہوگا اور سالم لامحدود سے چھوٹا بھی ہوگا لیکن لامحدود لامحدود سے چھوٹا نہیں ہوسکتا اگر وہ لامحدود سے چھوٹا ہو تو وہ لامحدود نہیں ہوگا بلکہ محض محدود ہوگا پس لامحدود کے ایسے حصے بھی نہیں ہوسکتے جن میں سے ہر حصہ لامحدود ہو لہذا لامحدود کے ایسے نہ تو اجزا ہوسکتے ہیں جن میں سے ہر جزو محدود ہو اور نہ ایسے ہوسکتے ہیں جن میں سے ہر جزو لامحدود ہو۔ اجزا دو ہی طرح کے قیاس کئے جا سکتے ہیں۔ محدود اور لامحدود اور حقیقی لامحدود کے یہ دونوں طرح کے اجزا نہیں ہوسکتے پس ثابت ہُوا کہ لامحدود کے حصّے نہیں ہوتے۔ وہ حصّوں میں تقسیم نہیں ہوسکتا۔ لامحدود میں نہ تو کچھ جمع کیا جاسکتا ہے اور نہ اس میں سے کچھ تفریق کیا جاسکتا ہے۔ ہم مثال کے طور پر ایک سلسلۂ حسابیہ یا سلسلۂ جمع و تفریق کو لیتے

ہیں جس کے مسلسل اعداد کا باہمی فرق ایک ہے جیسے ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷ ۔۔۔ ہم اِن اعداد کو ایک ایک کی زیادتی کر کے جہاں تک چاہیں بڑھا سکتے ہیں لیکن ہم لا محدود عدد تک کبھی بھی نہیں پہنچیں گے۔ اگر یہ ممکن ہو تو آخر ایک عدد ایسا ہوگا جو لا محدود ہوگا تو یہ عدد جس کو ہم نے لا محدود فرض کیا ہے اِس سے عین پہلا عدد کیا ہے۔ کیا یہ محدود ہے یا لا محدود؟ اگر یہ محدود ہے تو پھر ایک محدود عدد میں صرف ایک جمع کرنے سے وہ محدود عدد لا محدود بن جاتا ہے اور یہ تضاد ہے کہ محدود میں محدود جمع کرنے سے لا محدود بن جائے۔ مجموعۂ محدودات محدود ہوتا ہے اور اگر پہلا عدد لا محدود ہو اور اِس میں ایک جمع کرنے سے بھی یہ لا محدود ہی ہوا یا لا محدود ہی رہا تو لا محدود عدد دو ہوئے ایک پہلا اور ایک پچھلا یعنی ایک پہلا اور ایک دوسرا۔ ایک پہلا اور ایک اُس سے اگلا۔ اور ایک لا محدود چھوٹا ہے اور دوسرا بڑا ہے اور پہلا لا محدود دوسرے لا محدود سے بقدر ایک کم ہے اور دوسرا لا محدود پہلے لا محدود سے بقدر ایک زیادہ ہے۔ لا محدودیت کا لا محدودیت سے کم یا زیادہ ہونا نا معقولیت ہے۔ اگر سلسلے کے فرضی لا محدود عدد سے اگلے عدد کو محدود یا لا محدود فرض کریں لا محدود سے اگلے کو محدود سمجھنے کا مطلب یہ ہے کہ سلسلے کے جس عدد کو لا محدود فرض کیا ہے اُسے لا محدود نہ سمجھیں بلکہ اُسے محدود سمجھیں اور اُس محدود عدد سے اگلے کو لا محدود فرض کریں تو وہی مشکل پیش آتی ہے اور

وہی نامعقولیت پیدا ہوتی ہے۔ اگر ایک دو عدد بڑھکر لا محدود عدد فرض کریں تو پھر وہی مشکل پیش آئے گی پس لامحدود میں نہ کچھ جمع کیا جاسکتا ہے اور نہ اُس میں سے کچھ تفریق کیا جاسکتا ہے نہ وہ ضرب دیا جاسکتا ہے اور نہ تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ بےحد کا نصف کہاں ہوگا اُس کا تیسرا حصّہ کہاں ہوگا؟ لہٰذا لا محدود حساب کے چاروں قاعدوں جمع تفریق ضرب اور تقسیم سے بالا ہے یا یہ کہ لا محدود حساب سے بلند و بالا ہے۔

وہ چیز جس کے اجزا یا حِصّے ہوتے ہیں مثلاً وزن لکیر یا فاصلہ اُس کو بڑھایا جاسکتا ہے اور اُس کو گھٹایا جاسکتا ہے اور اُسے تقسیم کیا جاسکتا ہے اِس لئے اجزا والی چیز کبھی بھی لا محدود نہیں ہوسکتی۔ اِسے جتنا چاہیں بڑھایا تو جاسکتا ہے لیکن اِسے لا محدودیت تک بڑھایا نہیں جاسکتا اور نہ بے حد گھٹایا جاسکتا ہے۔ اجزا والی چیز تفریق یا تقسیم سے حقیقی لا محدود تک کبھی نہیں پہنچ سکتی یعنی کسی چیز میں سے لا محدودیت تک تفریق نہیں کیا جاسکتا۔ اُس میں سے بے حد دفعہ تفریق نہیں کیا جاسکتا اور نہ اُسے بے حد دفعہ تقسیم کیا جا سکتا ہے یعنی اُسے لا محدودیت تک تقسیم نہیں کیا جاسکتا اور نہ اُسے بے حد دفعہ بڑھایا جاسکتا ہے یعنی اُس میں کچھ بے حد دفعہ جمع نہیں کیا جاسکتا۔

کوئی مادی چیز خواہ وہ فی الواقع موجود ہو اور خواہ محض قیاسی ہو

وہ کبھی بھی لا محدود وزن والی نہیں ہوسکتی۔ کوئی فاصلہ جو کسی شخص نے فی الحقیقت طے کیا ہو اور خواہ محض قیاسی ہو اُس کی لمبائی کبھی بے حد نہیں ہوسکتی۔ جس طرح کوئی چیز لا محدود چھوٹے وزن والی نہیں ہوسکتی یعنی بے وزن نہیں ہوسکتی اور نہ کوئی فاصلہ بے حد چھوٹی لمبائی والا ہوسکتا ہے یعنی بے فاصلہ نہیں ہوسکتا اِسی طرح کوئی وزن اور فاصلہ بے حد بڑا بھی نہیں ہوسکتا کوئی وزن یا فاصلہ بلکہ کوئی بھی قابلِ تقسیم اور تقسیم پذیر چیز لا محدودیت کی طرف بڑھتے جانے کی غیر معیّن (INDEFINITE) قابلیت تو رکھتی ہے لیکن یہ کبھی بھی لا محدود نہیں بن سکتی بلکہ یہ ہمیشہ محدود رہتی ہے۔ خواہ اُس کو کتنا ہی بڑھاتے چلے جائیں وہ ہمیشہ محدود رہے گی۔

قادرِ مطلق خالق:۔

مَیں خدُا پر ایمان رکھتا ہُوں جو باپ قادرِ مطلق آسمان اور زمین کا خالق ہے۔ جو شخص ایمان کے اِس سلسلے کو اپنے سارے دِل و جان سے نہیں مانتا وہ حقیقت میں خدُا کا معتقد نہیں ہے بہت سے اشخاص ایسے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہم خدُا کو مانتے ہیں مگر وہ اِس بات کا انکار کرتے ہیں کہ وہ آسمان اور زمین کا خالق ہے۔ وہ اِس بات کو تو قبول کرتے ہیں کہ خدُا قادر مطلق ہے لیکن وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ نیستی سے ہستی میں نہیں لا سکتا اُن کا خیال یہ ہے

کہ نیستی سے ہستی میں لانے کا کام قدرت مطلق سے بھی نہیں ہو سکتا۔

قادرِ مطلق ہونا کیا ہے؟ قادرِ مطلق وہ ہے جو سب کچھ بذاتِ خود کر سکتا ہے اور جسے اپنے ارادے پورے کرنے کے لئے کسی اور کی قدرت کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ اپنی مرضی کے محض حکم ہی سے وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ قدرتِ کل کا مطلب ایک کامل اور خود کافی قدرت ہے۔ کوئی وجود جو غیر کی مدد کا محتاج ہوتا ہے وہ قادرِ مطلق نہیں ہوتا اور جو اپنا کام کرنے کے لئے کسی ایسی بیرونی یا خارجی چیز کا محتاج ہو جو اُس کی بنائی ہوئی یا خلق کی ہوئی نہ ہو تو وہ بھی قادرِ مطلق نہیں ہوتا مثلاً آریا سماجی کہتے ہیں کہ مادہ اور رُوح ازلی ہیں۔ یہ خُدا کے بنائے ہوئے نہیں ہیں۔ اِن کو لے کر خُدا نے کائنات اور اِس کی سب چیزیں بنائیں پس ایسا خُدا قادرِ مطلق نہیں ہے۔ مٹی پہلے موجود ہوتی ہے اور کمہار اُس مٹی کو لیکر اُس کے برتن بناتا ہے اسی طرح آریا سماج کے عقیدہ کے مطابق خُدا نے رُوح اور مادہ کو لے کر اُن سے انسان بنایا اور مادہ کو لیکر کائنات کی دیگر چیزیں بنائیں۔ ایسا کر سکنا بڑا قادر ہونا تو ہے لیکن یہ قادرِ مطلق ہونا نہیں ہے۔ کائنات اور رُوح اور مادہ کی احتیاج اور مدد کے بغیر اور انہیں کائنات کی بنیاد قرار دیئے بغیر بنانا قادرِ مطلق ہونا یا قدرتِ مطلق ہے۔ کسی چیز کو بنیاد قرار دیکر اُس پر کام کرنے والا وجود خود کافی

نہیں ہوتا اور اِس لئے وہ قدرتِ کُل رکھنے والا بھی نہیں ہوتا۔

قُدرت کیا ہے؟

قدرت وہ قابلیت اور سبب ہے جس سے وہ کیا جاتا ہے جسے عقل جانتی ہے اور مرضی اُس کا ذکر دیتی ہے اور خُدا کی قدرتِ مطلق یا قدرتِ کُل یا لامحدود قدرت کا مطلب یہ ہے کہ وہ وہ سب کچھ کرسکتا ہے جس کا وہ ارادہ کرسکتا یا جو کچھ وہ چاہ سکتا ہے یعنی وہ سب کچھ کرسکتا ہے جو حقیقی اور ممکن ہے۔

جو چیز حقیقی نہیں وہ بلاحقیقت ہے جیسے مربع دائرہ کوئی حقیقی شے نہیں ہے یہ لاشئے یا نیستی ہے۔ مربع دائرہ کچھ بھی نہیں ہے۔ کوئی چیز ایسی نہیں ہوسکتی جو مربع دائرہ ہو پس کچھ بھی نہ ہونے کی وجہ سے اِس کا ہونا اِس کا بننا اور بنایا جانا ناممکن ہے۔ اِس کا وجود میں ہونا ناممکن ہے اور جس کا وجود میں آنا ناممکن ہو اُسے مُمتنع الوجود کہتے ہیں یعنی روکا گیا۔ باز رکھا گیا۔ ناممکن۔ وہ ایسا ہے کہ اُس کا وجود میں آنا روکا گیا ہے باز رکھا گیا ہے اور ناممکن ہے۔ مُمتنع الوجود کا نہ ہونا اور جب ضروری اور لازمی ہوتا ہے اور واجب الوجود کا ہونا لازمی اور ضروری ہوتا ہے اور اِس کا نہ ہونا ناممکن ہوتا ہے۔ مُمتنع الوجود اِس کا عین اُلٹ ہوتا ہے۔ اِس کا نہ ہونا لازمی اور ضروری اور ہونا ناممکن ہوتا ہے اور ممکن الوجود وہ ہے جس کا نہ تو ہونا ضروری ہے اور نہ نہ ہونا جس کا ہونا بھی ناممکن ہو اور نہ ہونا بھی ممکن ہو۔ ایسی چیز ہو تو سکتی

ہے لیکن اگر وہ کبھی بھی نہ بنائی جائے تو وہ کبھی بھی نہ ہوگی۔ اگر
خُدا یہ چاہتا کہ کائنات کبھی نہ بنائی جائے تو یہ کبھی بھی نہ ہوتی پس
اس کا نہ ہونا ممکن تھا لیکن اِس کو خُدا نے بنا دیا لہٰذا اِس کا ہونا بھی
ممکن تھا پس وجود تین طرح کا ہوتا ہے واجب الوجود یعنی خُدا ممکن
الوجود یعنی مخلوقات اور ممتنع الوجود مثلاً مربع دائرہ اور دوسرا خُدا
خُدا سب ممکن الوجود چیزیں بنا سکتا ہے کیونکہ وہ حقیقی اور ممکن ہوتی ہیں
حقیقی سے مُراد ہے کہ جن کا وجود حقیقی ہو سکتا ہے اور خُدا انہیں بلا مردِ
غیر بنا سکتا ہے۔ قادرِ مطلق اور قدرتِ مطلق کا یہی مطلب ہے اور
اِس سے یہی مُراد ہوتی ہے۔

بعض یہ کہتے ہیں کہ کسی وجود کے کسی مددگار کے بغیر کامل
نا انحصاری اور آزادی سے کام کرنے کا انسان کو کوئی تجربہ نہیں ہے۔
چارا کاٹنا ہو تو چارا کاٹنے والا درانتی سے مدد لیتا ہے اور چارا لانے کے
لئے چادر کی مدد کی ضرورت ہوتی ہے۔ مخلوق چیزیں دوسری چیزوں
کی مدد سے کام کرتی ہیں۔ کام کرنے کے لئے خود کافی وجود کے کام
کا کسی کو تجربہ نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ خُدا ہے تو سہی لیکن تخلیق کے
کام کا کسی کو بھی تجربہ نہیں ہے۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جو خُدا کی ذات
سے آزادی اور نہ انحصاری سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ عمل کسی بیرونی چیز
پر کسی طرح سے بھی انحصار نہیں کرتا ایسا کام عالمگیر تجربے سے پرے اور
خارج ہے کیونکہ کسی کو بھی اِس کا کبھی تجربہ نہیں ہُوا۔ خلق کرنے
یا نیستی سے ہستی میں لانے کا عمل یقیناً تجربے میں نہیں آتا۔ یہ انسانی

تجربے سے بلند و بالا خارج اور باہر ہے۔ نیستی سے ہستی میں لانا صرف خدا کا کام ہے۔ اُس کے سوا اور کوئی یہ کام نہیں کر سکتا۔ خدا سب محدود ہستیوں سے بلند و بالا ہے۔ سب وجود جو ہم اپنے ارد گرد دیکھتے ہیں یہ سب محدود ہیں اور لازمی طور پر اپنے کاموں میں بیرونی مدد کے محتاج ہیں خواہ وہ فرشتے ہوں خواہ انسان، خواہ ہاتھی ہوں اور خواہ ریت کے ذرے اِن سب محدود اور مخلوق وجودوں میں سے کوئی بھی بیرونی مدد کے بغیر کام نہیں کر سکتا۔ یہ کسی چیز کے بغیر کام نہیں کر سکتے مثلاً میں لکھنا چاہتا ہوں تو مجھے سیاہی قلم اور کاپی کی ضرورت ہے پس اِن کے کام کے لئے کوئی نہ کوئی چیز ہونا چاہیئے یہ کسی چیز کے بغیر کام نہیں کر سکتے جب تک وہ اِن کے کام کی بُنیاد نہ ہو لیکن خدا خُدا ہے کیونکہ وہ محدود وجودوں کی جماعت سے بالا ہے۔ اگر وہ اپنے کام کرنے کے لئے اپنے سوا کسی اور چیز پر منحصر ہے تو وہ خُدا نہیں ہے۔

لامحدود کمال کا ہونا خلق کر سکنے یعنی نیستی سے ہستی میں لا سکنے کی قدرت کو ثابت کرتا ہے جس قدر کوئی وجود کامل ہوتا ہے اُسی قدر اُس کی قابلیت بھی زیادہ ہوتی ہے۔ جوں جوں اُس کی کمالیت اور قابلیت بڑھتی ہے توں توں اُس کا انحصار گھٹتا ہے۔ اگر یہ بے حد کامل ہو تو یہ بے حد قابل ہوگا اور اگر اِس کی قابلیت بے حد بڑی ہو تو اِس کا انحصار بے حد چھوٹا ہوگا یعنی صفر ہوگا۔ اُس کا کسی چیز پر انحصار ہوگا ہی نہیں۔ یہ کسی اور پر بالکل منحصر نہیں ہوگا۔ اگر کوئی

وجود کسی بیرونی چیز پر یعنی کسی اور چیز پر کسی طرح سے بھی منحصر ہو تو وہ قابلیت میں بے حد اور لامحدود نہیں ہوگا۔ خُدا لامحدود قُدرت ہے اِس لئے اُس میں یہ قابلیت ہے کہ وہ کسی اور چیز کو بنیاد قرار دیئے بغیر کام کر سکتا ہے۔

خُدا لامحدود ہے۔ اپنے لامحدود وجود کو سمجھنے میں وہ وجود کی عالمگیر ذات یا کُل حقیقت کو سمجھتا ہے یعنی سب ممکن وجودوں کی اصلیت اور حقیقت کو سمجھتا اور جانتا ہے۔ واحد یا ایک کُل میں شامل ہوتا ہے اور عالم گیر میں شامل ہوتا ہے لہذا وہ اُن سب ممکن محدود وجودوں کو سمجھتا ہے جو کہ لامحدود کی عالمگیر ذات کے نمونے یا اُس کی نقلیں ہیں۔ الٰہی عقل و دانش یا سمجھ میں تمام محدود وجود اپنی حالتِ امکان یا ممکن حالت میں ازل سے موجود ہیں۔ خُدا چونکہ بے حد بھلائی ہے وہ اپنی مرضی کے مطابق اُن سب ممکن وجودوں کو حقیقت بخشتا ہے جو اُس کے خیال میں خیالی صورت میں موجود ہیں۔ وہ خیالی وجودوں کو حقیقی وجود بنا دیتا ہے۔ خیالی ہستی حقیقی ہستی یا حقیقی چیز بنا دی جاتی ہے۔ اُس کی قدرتِ مطلق سے خیال کو حقیقی بنا دیا جاتا ہے۔

کائنات کی سب چیزوں یا ہو سکنے والی سب چیزوں کا خیال اور نقشہ ازل سے خُدا کی عقل و ادراک میں تھا۔ اُس وقت خُدا کو ممکن وجودوں کا خیال تھا اِس لئے سب ممکن وجود صرف خُدا کے خیال میں ہونے کے باعث محض خیالی صورت میں تھے۔ ان کی اصلی اور حقیقی ہستی نہیں تھی۔ ان خیال اور ممکن وجودوں کو اصلی اور حقیقی

وجودوں میں منتقل کرنے کے لئے خُدا کی لامحدود قدرت خود کافی ہے۔ وہ اپنے ذہنی خیالات کو اصلیت اور حقیقت کی صورت دینے کے لئے کسی خارجی چیز کا محتاج نہیں جیسے کہ معمار اور نقاش کسی ممتاز اور خارجی چیز کے محتاج ہیں۔ الٰہی قوت کی زیادتی اور افزونی پوری قدرت والی ہے اور اس لئے وہ ذہنی نمونوں کے مطابق حقیقی اشیاء خلق کرنے کے یقیناً بالکل قابل ہے۔

یہ کہنا کہ ایک قدرتِ مطلق یا لامحدود قدرت موجود ہے اور یہ دعویٰ بھی کرنا کہ اُس ایک قدرتِ مطلق کے علاوہ اور بھی قدرتیں ہیں جو خود مختار اور بلا انحصار ہیں بہت نامعقول بات ہے۔ لامحدود قدرت اپنی عظمت میں لامحدود اور بے حد ہے اور بدیں وجہ وہ تمام موجودہ اور ممکن قدرتوں کو اپنے آپ میں شامل کرتی ہے یعنی سب قدرتیں اِس قدرت میں سمجھی جاتی ہیں۔ اگر کوئی اور قدرت ایسی ہو جو لامحدود قدرت پر موقوف و منحصر نہ ہو تو اس صورت میں اُسے لامحدود کہنا متناقص بات ہوگی کیونکہ پھر یہ ایک قدرت ایسی ہوگی جو قدرتِ مطلق میں پائی نہیں جاتی اور اُس میں شامل نہیں ہے لہٰذا وہ بے حد نہیں ہوگی جسے ہم نے قدرتِ مطلق یا بے حد قدرت فرض کیا ہے۔ بے حد قدرت سے کوئی قدرت باہر نہیں ہو سکتی۔ سب قدرتیں اُس کے اندر ہیں اُس میں شامل ہیں اور اُس میں پائی جاتی ہیں۔ اور یہ قدرت جس کے بارے میں یہ فرض کیا گیا ہے کہ وہ لامحدود قدرت پر موقوف و منحصر نہیں یہ بھی اُس کے

اندر ہے اور اُسی پر موقوف و منحصر ہے۔ چونکہ لامحدود وجود صرف ایک ہی ہے اور صرف ایک ہی ہو سکتا ہے اور سوائے اُس ایک وجود کے اور کوئی وجود لامحدود نہیں ہو سکتا اور لامحدود قُدرت لامحدود وجود ہی میں ہو سکتی ہے اور جس طرح کوئی وجود لامحدود اور خود ہست وجود کے بغیر وجود میں نہیں آ سکتا اِسی طرح سب قُدرتیں بھی لامحدود قُدرت میں پائی ہُوئی ہیں۔ سب ہستیوں نے اپنی ہستیاں خود ہست وجود سے پائی ہیں کوئی ہستی ہست ہونے کے بارے میں خود مختار اور بِلا انحصار نہیں ہے۔ اِسی طرح کوئی قُدرت ایسی نہیں جو قُدرتِ مطلق سے حاصل کردہ نہ ہو۔ سب کی سب قدرتیں کسبی یعنی حاصل کردہ قدرتیں ہیں جیسے خُدا کے وجود کے سوا باقی سب وجود کسبی ہیں یعنی اُن کے وجود خدا سے حاصل کئے ہُوئے وجود ہیں۔ سب وجود خُدا کے دیئے ہوئے وجود ہیں ویسے ہی سب قُدرتیں خُدا کی بخشی ہوئی قُدرتیں ہیں۔ نہ کوئی وجود خود مختار یعنی بِلا انحصار ہے اور نہ کوئی قُدرت۔ ہر وجود اور ہر قدرت کا انحصار خُدا پر ہے۔ خُدا کی ہستی کے سوا کسی اور ہستی کو خود ہست ماننا نامعقولیت ہے اور لامحدود قدرت کے سوا کسی اور قُدرت کو بِلا انحصار اور خود مختار ماننا نامعقول بات ہے پس کوئی بھی قُدرت ایسی نہیں ہو سکتی جو بالکل آزاد ہو اور لامحدود قُدرت پر منحصر اور موقوف نہ ہو۔

محدود لامحدود کو کام کرنے کی باقاعدگی نہیں بخش سکتا

خُدا کے سوا اور بھی خود ہست وجودوں کو ماننے والے خُدا
کی لامحدود قُدرت کو بہت ہی پست سطح تک اُتار دیتے ہیں۔
اُن کا خیال یہ ہے کہ خُدا خود ہست قُدرتوں کو صرف کنٹرول کرتا
اور اُن کی راہنمائی کرتا ہے یا یہ کہ خُدا کی لامحدود قدرت دیگر خود
ہست قُدرتوں کو کنٹرول کرتی اور اُن کی راہنمائی کرتی ہے جس طرح
انجن کا ڈرائیور بھاپ کی قوت کو کنٹرول کرتا اور اُس کی راہنمائی کرتا
ہے اور اُس کے ساتھ مطابقت کر کے اُسے اپنا مقصد پورا کرنے
کا وسیلہ بناتا ہے اُسی طرح خُدا کو بھی دیگر قُدرتوں کے ساتھ مطابقت
کرنا ہوتی ہے تاکہ وہ اُنہیں اپنے کام کا وسیلہ بنا سکے۔ بھاپ کی
قُوت اور اُس کے ذاتی قوانین انجن ڈرائیور کے پیدا کئے ہُوئے نہیں
ہوتے۔ اسی طرح دیگر قُدرتیں اور اُن کے قوانین خُدا کے پیدا کئے ہُوئے
اور بنائے ہُوئے نہیں ہیں۔ بھاپ کو اپنے مقصد کے حصول کا وسیلہ
بنانے کے لئے ڈرائیور کو بھاپ کے ذاتی قوانین کی اطاعت اور اُن
کے ساتھ مطابقت کرنا ہوتی ہے اور اِسی طرح خُدا کو بھی دوسروں
کی قُدرتوں اور قُوتوں سے کام لینے کے لئے اُنکے ذاتی قوانین کیساتھ
مطابقت کرنا لازمی ہے۔ ڈرائیور کو بھاپ کے ذاتی قوانین کیساتھ
مطابقت کرنا اِس لئے لازمی ہوتا ہے کیونکہ بھاپ ڈرائیور سے
آزاد ہوتی ہے اور اپنے ذاتی قوانین کے مطابق کام کرتی ہے اور اِس

لئے خدا کی لامحدود قدرت کو اپنی مرضی پر لانے کے لئے قدرتی اور
ذاتی قوتوں اور قانونوں کے آگے جھکنا لازمی ہے لہٰذا لامحدود کو اپنے
کام میں محدود سے باقاعدگی حاصل کرنا ہوتی ہے کیونکہ محدود لامحدود کو
اپنے قوانین کی مطابقت میں چلاتا ہے اُسے محدود کے ذاتی قوانین کے
مطابق چلنا ہوتا ہے یہ قدرتِ مطلق کی نہایت بگڑی ہوئی تصویر
ہے اور قادرِ مطلق کی قدرت کا مذاق اڑانا ہے یہ ماننا کہ لامحدود
قدرت بیرونی اور خارجی قدرت سے باقاعدگی پاتی ہے اور اِس بنا
پر باقاعدہ اور صحیح طور پر کام کرتی ہے لامحدود کے صحیح معنی کو برباد کرنا
ہے۔ مادی نیچر یا فطرت یا ذات میں قوتیں اور قوانین پائے جاتے
ہیں لیکن کنٹرول کرنے والی الٰہی قدرت کسی قانون اور کسی قوت اور
باقاعدگی یا دستور العمل نہیں پاتی وہ اوروں سے دستور العمل یا کام کی
ترتیب اور تنظیم پانے والی نہیں بلکہ اُن کو دستور العمل باقاعدگی اور
ترتیب و تنظیم دینے والی ہے۔ فطرت کی ہستی اور اِس کی قوت خدا کی
مرضی سے وجود میں آئی ہے اپنے کام میں یہ خدا پر منحصر اور موقوف
ہیں۔ نہ کہ خدا اپنے کام میں فطرت کی قوت پر منحصر اور موقوف ہے۔
مادہ پھیلتا ہے۔ سکڑتا ہے۔ کشش کرتا ہے۔ مزاحمت کرتا ہے اور
متناسب اِتصال سے سڈول متناسب الاعضا اور ٹھیک چیز بناتا ہے
کیونکہ یہ خدا کے قادرِ مطلق فیصلے اور حکم سے چلایا جاتا ہے۔ یہ خدا کا فیصلہ
ہے کہ مادہ اِس طرح کام کرے اور جس طرح کا کام کرنے کا اُس نے

فیصلہ کیا ہوا ہے مادہ اُسی طرح کا کام کرتا ہے خُدا کے بارے میں یہ
کہنا کہ وہ صرف کنٹرول کر سکتا ہے لیکن خلق نہیں کر سکتا اُسے محدود بنانا
ہے۔ انجن ڈرائیور کی کنٹرول کرنے والی طاقت محدود ہوتی ہے اور اگر
خُدا بھی صرف کنٹرول ہی کر سکتا ہو تو اُس کی قدرت انجن ڈرائیور کی قدرت
سے صرف درجے میں بڑی ہوگی قسم میں بڑی نہیں ہوگی۔ دونوں کی قدرت
ایک ہی طرح کی ہوگی۔ خُدا کو لامحدود قدرت والا کہہ کر اُس کی قدرت
کو محدود کر دیتے ہیں لیکن حقیقت میں لامحدود اور محدود میں کوئی نسبت
نہیں ہے۔ نسبت اور تناسب کے قاعدے میں جو اربعۂ متناسبہ کا اُصول
ہے اُس کی رُو سے چار رقموں میں نسبت یوں ہوتی ہے کہ جو نسبت پہلی
رقم کو دوسری سے ہوتی ہے وہی نسبت تیسری کو چوتھی سے ہوتی
ہے مثلاً جو نسبت ٢ کو ٤ سے ہے وہی نسبت ٣ کو ٦ سے ہے یعنی چار
دو سے دوگنا ہے اور چھ تین سے دُگنا ہے اور اِس کو یوں پڑھتے
ہیں کہ جو نسبت دو کو چار سے ہے وہی نسبت تین کو چھ سے ہے۔
اور اس کو علمِ حساب میں لکھنے کا طریقہ یہ ہے

٢ : ٤ :: ٣ : ٦

دو اور چھ جو دونوں یا دونوں سِروں کی رقمیں ہیں اِنہیں طرفین یا اطراف
کہتے ہیں اور چار اور تین جو درمیانی یا وسطی رقمیں ہیں ان کو وسطین یا
یا اوساط کہتے ہیں اور طرفین اور وسطین کا حاصلِ ضرب برابر ہوتا ہے
مثلاً اس مثال میں ٢ × ٦ = ٤ × ٣ = ١٢ پس اگر پہلی تین رقمیں دی
ہوئی ہوں اور چوتھی رقم نامعلوم ہو تو اُسے معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے

کہ وسطین کو باہم ضرب دے کر اُن کے حاصلِ ضرب کو پہلی رقم پر تقسیم کر دیا جائے تو چوتھی رقم بھی معلوم ہو جائے گی مثلاً یہ معلوم کرنے کے لئے کہ جبکہ دو کا دُگنا چار ہے تو تین کا دُگنا کیا ہو گا۔ یہ اِس طرح ہو گا کہ نامعلوم بیان = $\frac{۳ \times ۴}{۲}$ = ۶ پس اربعہ متناسبہ کے قاعدے کے مطابق اگر پہلی رقم اور دوسری رقم محدود اور لامحدود ہوں اور تیسری رقم جو انجن ڈرائیور کی قدرت ہے اُس کو اکائی فرض کیا جائے تو چوتھی رقم معلوم کرو۔ چوتھی رقم کے لئے کوئی عدد نہیں ہو سکتا جو لامحدود قدرت کو ظاہر کرے کیونکہ کوئی عدد لامحدود نہیں ہوتا اور نہ لامحدود ہو سکتا ہے۔ لامحدود کو علمِ ریاضی اور خصوصاً الجبرے کی کتابوں میں یُوں ∞ لکھتے ہیں۔ ∞ لامحدودیت کی علامت ہے پس اِس تناسب کو یُوں لکھا جائے گا۔

محدود : ∞ :: ۱ : ن = محدود : لامحدود :: ۱ : نامعلوم

اور ن = $\frac{\text{لامحدود} \times ۱}{\text{محدود}}$ ہو گا لیکن لامحدود محدود پر تقسیم نہیں ہو سکتا کیونکہ لامحدود اور محدود میں کوئی نسبت نہیں ہے اور اِسی طرح ۱ اور ∞ میں بھی کوئی نسبت نہیں ہے یعنی ۱ اور لامحدود میں بھی کوئی نسبت نہیں ہے۔ جو نسبت محدود کو لامحدود سے ہے وہی نسبت ایک کو نوُن سے ہے۔ یہ مفروضہ ہی باطل اور غلط ہے کہ جو نسبت محدود کو لامحدود سے ہے۔ محدود کو لامحدود سے کوئی نسبت ہے ہی نہیں اور نہ کوئی نسبت ایک کو نوُن سے

ہو سکتی ہے اس کو یوں بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ جو نسبت محدود کو لامحدود سے ہے وہی نسبت ڈرائیور کی قدرت کو خدا کی قدرت سے ہے۔ محدود کو لامحدود سے کوئی نسبت نہیں تو ڈرائیور کی قدرت کو بھی خدا کی قدرت سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ جب کہ محدود قدرت اور لامحدود قدرت میں کوئی نسبت نہیں ہے تو یہ دونوں ایک ہی قسم کی قدرتیں نہیں ہو سکتیں بلکہ یہ مختلف قسم کی قدرتیں ہیں پس انجن ڈرائیور کی قدرت اور لامحدود قدرت یہ دونوں نسبتی قدرتیں نہیں ہیں بلکہ قسمتی قدرتیں ہیں یعنی مختلف الاقسام قدرتیں ہیں۔ اگر خدا کی قدرت سب محدود قدرتوں سے زیادہ اور بالا نہ ہو تو خدا لامحدود نہیں ہو سکتا۔ وہ سب محدود قدرتوں سے اس بات میں بالا ہے کہ اس میں یہ کمال پایا جاتا ہے کہ وہ بغیر کسی بنیاد یعنی موجود چیز کے اور بغیر کسی بیرونی مدد کے کام کر سکتا ہے۔ وہ کام کرنے کے لئے کسی وجود اور ہستی چیز کا محتاج نہیں ہے مثلاً انسان کو پیدا کرنے کے لئے وہ اس بات کا محتاج نہیں ہے کہ پہلے روح اور مادہ موجود ہوں جو خدا کے بنائے ہوئے نہ ہوں بلکہ ازلی ہوں اور پھر روح اور مادے کو بنیاد قرار دے کر وہ انسان بنائے۔ لامحدود قدرت ناقابلِ انتقال یا غیر منتقلہ ہے۔ یہ الٰہی صفت اور کمال خدا کسی اور میں منتقل نہیں کر سکتا۔ یہ صفت کسی بھی غیر خدا ہستی کو نہیں دی جا سکتی کسی بڑے سے بڑے فرشتے کو بھی خالق نہیں بنایا جا سکتا۔ خدا لاتبدیل ہے اور اس کی لاتبدیلی غیر منتقلہ ہے۔ اس کی ہمیشگی لامکانیت اور الوہیت ناقابلِ انتقال ہیں۔ یہ صفا

کسی اَور میں نہیں پائی جا سکتیں اور یہ کمالات کسی اور کو دیئے نہیں جا سکتے۔ صرف خُدا کی قُدرت ہی قُدرتِ مطلق یا لامحدود قُدرت ہے اور سوائے اُس کی قُدرت کے اور کوئی قُدرت لامحدود نہیں ہے خُدا یا تو خلق کر سکتا اور اگر وہ نہیں کر سکتا۔ تو پھر وہ ہے ہی نہیں۔

خُدا قادرِ مطلق ہے وہ سب دیدنی اور نہ دیدنی چیزوں کا خالق ہے۔ وہ شخص حقیقت میں مُعتقدِ خُدا نہیں جو ایک قادرِ مطلق خالق کو نہیں مانتا۔ ایک قادرِ مطلق خالق اور ایک محدود اِلہ کے درمیان کچھ نہیں ہو سکتا اور اِلہ کا محدود ہونا اِلہ کا نہ ہونا ہے۔ محدود اِلہ کے ہونے کا مطلب کسی بھی اِلہ کا نہ ہونا ہے۔ اِنسان میں ایسی خود پسندی اور خود بینی پائی جاتی ہے کہ یا تو یہ اپنے آپ کو بڑھا چڑھا کر خُدا کے برابر بنا لیتا ہے اور یا خُدا کو اِس قدر گھٹاتا ہے کہ اُسے اپنے برابر بنا دیتا ہے۔ ایسا خُدا جو خلق نہیں کر سکتا یہ اِنسان کے وہم کی ایجاد ہے۔ وہ خُدا کو محدود وجودوں کی جماعت میں جگہ دیتا ہے اور اُس کے بارے میں یہ فرض کرتا ہے کہ وہ مددگار کے بغیر کام نہیں کر سکتا مثلاً وہ رُوح اور مادے کی مدد ہی سے اِنسان کو پیدا کر سکتا ہے اور رُوح اور مادے کی مدد کے بغیر اِنسان کو پیدا نہیں کر سکتا۔ پہلے رُوح اور مادہ موجود ہوں تب وہ اِنسان کو پیدا کر سکتا ہے۔ انسان کو بنانے کا کام کرنے کے رُوح اور مادے کا اس کام کی بنیاد ہونے کے لئے پہلے سے موجود ہونا لازمی ہے۔

خُدا لامحدود ہے اور لامحدودیت کی صفت کسی اور کو نہیں دی جا سکتی یہ صفت غیر منتقلہ ہے۔ خُدا نے ہمیں علم بخشا لیکن لامحدود

علم اور ہمہ دانی صرف اُسی میں پائی جاتی ہے۔ ہمہ دانی غیر منتقلہ صفت ہے۔ خُدا نے جو علم ہم میں منتقل کیا ہے وہ محدود ہے۔ لا محدود علم منتقل نہیں ہو سکتا۔ جو ہستی اور وجودیت ہم میں منتقل کی گئی ہے وہ محدود ہے لا محدود وجودیت منتقل نہیں کی جا سکتی۔ جو قدرت کائنات کی چیزوں کو بخشی گئی ہے وہ محدود ہے۔ لا محدود قدرت یا قدرتِ مُطلق کسی اور کو نہیں دی جا سکتی یعنی یہ منتقل نہیں کی جا سکتی۔ ہمارا علم اور ہماری طاقت محدود ہیں اور اِس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ خُدا بھی اِسی طرح کا ہے یہ خُدا کو انسان جیسا سمجھنا ہے یا یہ کہ خُدا کو انسان کی صورت پر بنانا ہے۔

مَیں خُدا پر ایمان رکھتا ہُوں جو باپ قادرِ مُطلق ہے اور آسمان اور زمین کا خالق ہے ایمان کا یہ مسئلہ خُدا کے بارے میں سچے اعتقاد کی بُنیاد ہے۔

تین ازلیوں کا نظریہ :۔

فلاسفروں کی ایک جماعت ایسی بھی ہے جو ہمہ اوست کو تو نہیں مانتے بلکہ صاحبِ شخصیت خُدا کو مانتے ہیں مگر وہ اِس نظریے کے قائل ہیں جو تین ازلیوں کا نظریہ کہلاتا ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ خُدا۔ رُوحیں اور مادہ ازلی ہیں۔ اُن کے عِندیہ میں خدا خالق نہیں بلکہ محض بنانے اور منظم کرنے والا ہے۔ وہ مادے کو ڈھالتا اور صورتیں دیتا ہے اور رُوحوں پر حکومت کرتا ہے۔ رُوح اور

مادے کا ازلی ہونا مفصل طور پر رد کیا جا چکا ہے۔ تین ازلیوں کے نظریے کے بارے میں یوں دلیل بازی کی جاتی ہے کہ جس طرح کمہار مٹی کے بغیر برتن نہیں بنا سکتا اسی طرح خدا بھی اس مادی کائنات کو پہلے سے موجود مادے کے بغیر نہیں بنا سکتا برتن کے بننے کے دو سبب ہیں ایک تو مٹی ہے جس کا برتن بنایا جاتا ہے اس کو علتِ مادی کہتے ہیں یعنی مادی سبب۔ مادی سبب وہ چیز ہوتی ہے جس کی کوئی چیز بنائی جاتی ہے مثلاً تخت لکڑی کا بنایا جاتا ہے تو لکڑی مادی سبب یا علتِ مادی ہے اور جو بنانے والا یا بنانے کا کام کرنے والا ہو اُسے علتِ فاعلی کہتے ہیں یعنی کام کرنے والا سبب۔ مٹی کے برتن بنانے کے لئے کمہار علتِ فاعلی ہے اور مٹی علتِ مادی۔ مکان تعمیر کرنے کے لئے جن چیزوں یا جس سامان سے مکان بنایا جاتا ہے وہ میٹیریل علتِ مادی ہے اور معمار علتِ فاعلی ہے۔ اس کائنات میں حیرت انگیز تجویز نقش اور ڈول پائے جاتے ہیں اس سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ایسی کائنات بنانے والا ضرور عقلمند ہے لیکن یہ ذی عقل وجود تین ازلیوں کے نظریے کو ماننے والوں کے نظریے کی رُو سے اس کائنات کا واحد اور کافی سبب نہیں ہو سکتا۔ اُسے بھی کمہار کی طرح کسی ایسی چیز کی ضرورت ہے جو پہلے سے موجود ہو تا کہ وہ اُسے لے کر اس سے کائنات بنا سکے۔ اُسے کائنات کی علتِ فاعلی ہونے کے لئے علتِ مادی کی احتیاج ہے جسے لے کر

وہ کائنات کا کام کر سکے۔ یہ دلیل بظاہر ایسی معقول معلوم ہوتی ہے
کہ اِس سے بہت سے لوگوں نے سخت دھوکا کھایا ہے سوامی دیانند
سرسوتی اِس غلطی کے کنویں میں گِرا اور اُس کے زور آور رسوخ نے
ہزار ہا ہزار ہندوؤں کو چاہِ ضلالت میں گِرا کر ایسا بنا دیا کہ وہ واحد
سچّے لامحدود قادرِ مطلق خُدا کو ایک کمہار خُدا کی بیدی پر بھینٹ چڑھا
دیں۔ آریا سماج کمہار خُدا کے اِسی طفلانہ نظریے پر مبنی ہے۔

فلاسفی اور تھیالوجی کی بہت سی اور غلطیوں کی طرح یہ غلطی بھی
لامحدود کے بارے میں غلط خیال پر مبنی ہے۔ لامحدود کی بُنیادی خصوصیت
جو اسے محدود سے متمیز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ محدود سے بلند و بالا
اور اُس سے الگ قسم کا ہوتا ہے۔ لامحدود کے قیاس کرنے میں غلطی
یہ تھی کہ اِسے لمبا لمبا۔ دراز و طویل اور یا پھیلا ہُوا اور وسیع سمجھا
جاتا تھا یا یہ کہ اُسے محدود ہی کی بڑھی ہوئی صورت سمجھا جاتا تھا
یعنی یہ کہ محدود ہی بڑھتے بڑھتے لامحدود ہو جاتا ہے مگر سچائی یہ
ہے کہ لامحدود ہر محدود سے بڑا ہی نہیں بلکہ اِن سے بالکل الگ ہے۔
علمِ ریاضی کی بولی میں یوں کہیں گے کہ لامحدود اور محدود میں کوئی نسبت
نہیں ہے۔

خُدا چونکہ بے حد کامل ہے اِس لئے اُس کے کمالات اپنے مخلوقوں
کے کمالات سے صرف بڑھ کر ہی نہیں بلکہ ان کے کمالات سے الگ قسم
کے ہیں۔ ان کے کمالات محدود ہیں مگر اُس کے لامحدود ہیں مثلاً فرشتوں اور
انسانوں کی عقل و دانش محدود ہے مگر خُدا کی لامحدود ہے ہم جانتے

ہیں اور جاننے ہی کو علم کہتے ہیں۔ ہم میں علم پایا جاتا ہے مگر ہمارا علم ہمیشہ "پہلے" اور "بعد" سے مشروط ہوتا ہے۔ ہم وہ بات جو اب جانتے ہیں پہلے اُسے نہیں جانتے تھے اور جو کچھ ہم اب نہیں جانتے اس میں سے کئی باتیں بعد میں جان لیں گے ہمارا علم اِس طرح کا ہوتا ہے کہ جو باتیں ہم پہلے نہیں جانتے تھے اُن میں سے کئی اب جانتے ہیں اور وہ باتیں جو اِس وقت نہیں جانتے اُن میں سے کئی بعد میں جان لیں گے خُدا جانتا ہے لیکن اُس کے علم کو "پہلے" اور "بعد" محدود نہیں کر سکتے اور یوں اُس کا علم ہمارے علم سے الگ قسم کا ہے۔ اگر اُس کا علم بھی "پہلے" اور "بعد" سے مشروط ہوتا تو خواہ وہ ہمارے علم سے کتنا ہی وسیع اور زیادہ ہوتا اُس صورت میں اُس کا علم ہمارے علم سے بہت زیادہ تو ہوتا لیکن وہ بلند و بالا نہ ہوتا کہ وہ بالکل اور ہی قسم کا ہوتا۔ اگر اُس کے علم کو "پہلے" اور بعد کے ساتھ مشروط کر دیا جائے تو پھر وہ محدود کے ادنےٰ درجے تک اُتار دیا جاتا ہے۔ خُدا کا علم ہمیشہ ہے اور ہمیشہ لامحدود ہے

خُدا کی محبّت اور ہماری محبّت میں فرق :-

خُدا کے علم اور ہمارے علم کا فرق بیان کیا جا چکا ہے اور اب خُدا کی محبّت اور ہماری محبّت کا فرق بیان کیا جاتا ہے۔ ہم اِس لئے مُحبّت کرتے ہیں کیونکہ ہمیں اِس کے بغیر چارہ نہیں۔ ہم اپنے آپ میں ایک خلا پاتے ہیں۔ ہم اپنے آپ میں کسی بات کی کمی پاتے ہیں اور وہ کمی یہ ہے کہ ہمیں کسی اور میں راحت و فرحت پانا ہوتا ہے۔

ہم اپنے لئے خود کافی نہیں بلکہ ناکافی ہیں۔ ہماری خواہشات ہمارے اپنے آپ میں سیری اور اطمینان نہیں پاتیں لیکن خُدا کی محبت جو اپنی مخلوقات کے لئے ہے وہ اُس میں اپنی ذاتی ضرورت اور احتیاج کی وجہ سے نہیں ہے۔ اُس کو راحت واطمینان کے لئے کسی اور کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ وہ خود کافی ہے۔ خُدا کافی ہے اور وہ اپنے لئے بالکل کافی ہے۔ وہ اپنے آپ میں معمور اور بھرپور ہے۔ اُس کی خوشی راحت فرحت اور اطمینان اُس کے اُن کمالات کی وجہ سے ہے جو اُس میں پائے جاتے ہیں۔ اُس کے لامحدود کمالات اُس کی لامحدود خوشی کا باعث ہیں۔ اُسے اِس بات کی ضرورت نہیں کہ وہ حصولِ راحت و فرحت کے لئے اپنے آپ سے باہر آئے۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ اُسے خوشی حاصل کرنے کے لئے کسی اور کی ضرورت نہیں ہے۔ اُسے اپنے سے باہر کی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ اُس کو خوش ہونے کے لئے کسی اور کے پاس جانے کی ضرورت نہیں اور پھر بھی ہمیں وہ اُس پیار سے پیار کرتا ہے جو پیار سے بڑھ کر ہے یعنی جو مخلوقوں کے پیار سے بڑھ کر ہے اور قسم میں بھی اُن کے پیار سے اور طرح کا ہے۔ خُدا کا پیار پیار سے بڑھکر اِس طرح ہے کہ وہ کائنات اور اُس کی چیزوں کو اِس لئے پیار کرتا ہے کیونکہ وہ اِن کا خالق ہے۔ یہ چیزیں اُس کی اپنی ہیں۔ وہ اپنی چیزوں کو پیار کرتا ہے اور فرشتوں انسانوں اور حیوانوں کو خوشی بخشنے کے لئے پیار کرتا ہے۔

خدا اس لئے بھی مخلوقات کو پیار کرتا ہے کیونکہ انہیں خلق کر کے وہ اپنے بعض کمالات محدود درجے تک اِنہیں بخشتا ہے اور انہیں پیار کرنے کا سبب یہ بھی ہے کہ ساری مخلوقات کا آخری انجام خدا ہی میں ہے۔ خدا ان کو خوشی حاصل کرنے کے لئے پیار نہیں کرتا ہم اپنے ماں باپ بہن بھائیوں بیوی بچوں اور رشتے داروں دوستوں اور اوروں کو پیار کرتے ہیں تو ہمیں خوشی حاصل ہوتی ہے پس اوروں کو پیار کرنے کی غرض اور اس کا پھل حصولِ خوشی ہے۔ خُدا دینے کے لئے محبّت کرتا ہے مگر ہم لینے کے لئے محبّت کرتے ہیں۔ جب ہم غریبوں کی مدد کرتے حاجت مندوں کی حاجت روائی کرتے اور بیماروں کی تیمار داری کرتے اور جہاں تک ہم سے ہو سکتا ہے اوروں کو فیض پہنچاتے ہیں تو یہ سب کام ہم محبّت کرنے کی وجہ سے کرتے ہیں اور محبّت کے اِن سب کاموں سے ہمیں خوشی اور راحت حاصل ہوتی ہے۔

پس ہماری خوشی اور فرحت کی بنیاد دوسروں کو پیار کرنے میں ہے۔ خُدا کی ذات آنند خوشی راحت فرحت اور اطمینان ہے اس لئے اُسے خوشی اور اطمینان کے حصول کے لئے پیار کرنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن ہم حصولِ اطمینان و خوشی کی غرض سے محبّت کرتے ہیں اور یہ بُرا نہیں کیونکہ ہمیں اپنے وجود کی کمی کے باعث ایسا کرنا پڑتا ہے ہمارے لئے ایسا کرنا ضروری ہے۔ کوئی فرشتہ اور انسان ایسا نہیں جو اپنی خوشی اور اپنے اطمینان کے لئے دوسروں سے محبّت کرنے کا مُحتاج نہ ہو۔ ہر ایک اِس بات کا مُحتاج ہے کہ وہ اپنی خوشی کے لئے

یا تو خُدا سے محبّت کرے یا اوروں سے۔ خُدا اُس محبّت سے محبّت نہیں کرتا جس سے اُس کی کوئی حاجت پوری ہوتی ہو۔ وہ خوشی پانے کے لئے محبت نہیں کرتا بلکہ خوشی دینے کے لئے محبّت کرتا ہے اور اس لئے وہ ہمیں اُس پیار سے پیار کرتا ہے جو پیار سے بڑھ کر ہے۔ وہ اس بات میں ہم سے بلند و بالا ہے کہ دوسروں کے ساتھ اُس کا رشتہ اور تعلّق اُس کے وجود کے لئے لازمی اور ضروری نہیں ہے۔ خُدا اپنے آپ میں خود کافی طور پر رہتا ہے۔ خُدا اپنے آپ میں ایسے رہتا ہے کہ وہ اپنے لئے بالکل کافی ہے۔ اللہ کافی ہے کا مطلب یہی ہے۔ وہ اپنے آپ میں کافی ہے۔ وہ اپنے آپ میں پورا اور کامل ہے لیکن ہمارا رہنا اور ہونا مکمل نہیں ہوتا جب تک ہمارے رہنے کا تعلّق خُدا کیساتھ یا دیگر مخلوقوں کے ساتھ نہ ہو۔ ہم محبت کی بیرونی چیز کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ہمارے لئے کسی اور سے محبّت کرنا لازمی ہوتا ہے لیکن خُدا خود کافی طور پر رہتا ہے اور محبت کرنے کے لئے کوئی چیز خواہ ہو خواہ نہ ہو اُس کے لئے برابر اور یکساں ہے۔ اگر وہ ہماری طرح اوروں کو محبّت کرنے کا مُحتاج ہوتا تو وہ ناکافی اور ناکامل وجود ہوتا اور اِس وجہ سے وہ لامحدود نہ ہوتا بس خُدا کا کائنات کے ساتھ اِس قسم کا تعلّق تو نہیں ہے کہ یہ گویا اُس کی کسی ضرورت کو پورا کرتی ہے لیکن اُس کا اس کے ساتھ اِس طرح کا تعلق ضرور ہے کہ وہ اس کا خالق ہے۔ اِس کا مالک ہے۔ اسے ہستی میں قائم رکھنے والا ہے اور اِس کا پروردگار ہے۔

ہم میں طاقت اور قوت پائی جاتی ہے لیکن جب ہم کام کرتے ہیں تو ہمیں اپنی مدد کے لئے مددگار یا اُس زیریں چیز یا بنیاد کی ضرورت ہوتی ہے جس پر کام کا ادار کھا جا سکے۔ خُدا قدرت ہے اور اُسے اپنے کام میں مددگار چیز یعنی شے زیریں یا بنیادی چیز کی ضرورت نہیں۔ اُسے ایسی کسی چیز کی ضرورت نہیں جو اُس کے کام کرنے کے لئے بنیاد ہو اور جس کے بغیر وہ کام نہ کر سکتا ہو اور اُسے ضرورت اِس لئے نہیں ہے کیونکہ وہ قادرِ مطلق ہے۔ جس قدر کسی میں طاقت و قوت زیادہ ہوتی ہے اُسی قدر اُسے مدد کی ضرورت کم ہوتی ہے۔ اگر قدرت بے حد ہو تو مدد کی ضرورت بے حد کم ہوتی ہے یعنی مدد کی ضرورت بالکل ہوتی ہی نہیں۔ بے حد کم ہونا صفر ہے کچھ بھی نہیں ہے۔ اُس کی قُدرت اِس بات میں ہماری طاقت سے بے حد بالا ہے کہ کام کرنے کے لئے ہمیں کسی چیز کو بطور طبقۂ زیریں یا بنیاد کے استعمال کرنا ہوتا ہے۔ مثلاً ظروفِ گلی بنانے کے لئے مٹی طبقِ زیریں یا بنیاد ہے۔ کپڑا بنانے کے لئے دھاگا بنیادی چیز یا تہ کی چیز ہے لیکن خُدا کو کام کرنے کے لئے تہ کی چیز یا بنیادی چیز کی ضرورت نہیں۔ کائنات بنانے کے لئے اُسے اُسے اس بات کی ضرورت نہیں کہ کائنات بنانے سے پہلے مادہ از خود موجود ہو اور خُدا اُسے تہ کی چیز یا بنیادی چیز کے طور پر استعمال کر کے اُس سے کائنات اور اُس کی چیزیں بنائے۔ وہ کائنات اور اُس کی چیزیں بنانے کے لئے مادے کو بھی ہستی میں لاتا ہے اور مادے کو نیستی سے ہستی میں لا کر اُس سے کائنات اور اُس کی چیزیں بناتا ہے: وہ اِس

طرح کر سکتا ہے اور کائنات اور اُس کی چیزوں کو بنانے کے لئے اُس نے اسی طرح کیا تھا اور وہ اسی طرح کرتا ہے نئے انسانوں کو پیدا کرنے کے لئے وہ اِن کی رُوحوں کو نیستی سے ہستی میں لاتا رہتا ہے۔

جس وقت یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ خُدا کو بھی کمہار کی طرح علتِ مادی کی ضرورت ہے تاکہ وہ کائنات بنا سکے تو اُس وقت اُس کی قُدرت ہماری طاقت سے صرف زیادہ خیال کی جاتی ہے لیکن وہ ہماری طاقت سے الگ قسم کی قُدرت خیال نہیں کی جاتی اور یوں خُدا کو بھی محدود بنا دیا جاتا ہے۔ اُسے بھی محدود قُدرت والے وجودوں میں سے ایک وجود خیال کیا جاتا ہے

کمہار خُدا کو ماننے والوں کو چاہیے کہ وہ لامحدود کے اُس تصور پر غور کریں جو مندرجہ بالا بیان میں پیش کیا گیا ہے۔ اگر وہ خلوص صاف دلی سے غور و فکر کریں گے تو اُنہیں معلوم ہو جائے گا کہ ہم کیسا گھٹیا خُدا مانتے ہیں۔ اِن میں سے ایسے اشخاص بہت ہیں جو نکمے اور ناکارے اعتراضات سے خود دھوکا کھاتے ہیں اور اوروں کو دھوکا دیتے ہیں۔

پہلا اعتراض جو وہ کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ تخلیق خُدا کی قُدرت کے خلاف ہے کیونکہ اِس دُنیا میں ہم ہمیشہ چیزوں کا ایک دوسری سے پیدا ہونا یا مختلف صورتیں اختیار کرنا دیکھتے ہیں لیکن تخلیق کبھی دیکھنے میں نہیں آتی۔ اِس کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ ابتدا میں خُدا نے مادہ خلق کیا تھا اور اُس کے بعد ہمیشہ اُس مادے سے مختلف

چیزیں بناتا رہتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان ماں باپ سے پیدا ہوتے ہیں تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ خُدا انسان کا بنانے والا نہیں ہے؟ کیا کمہار خدا کے پجاری خُدا کے اُنہیں بنانے والا ہونے کا انکار کرنے کو تیار ہیں؟

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ ہم نے کبھی کسی کو خلق کرنے کے قابل نہیں پایا۔ کسی کو ایسا نہیں دیکھا جو خلق کر سکتا ہو۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ خُدا کے سوا اور کوئی خلق نہیں کر سکتا تو ہم خلق کرنے کے قابل کِس کو دیکھ سکتے ہیں؟ کسی نے کسی اَور کو خلق کرنے کے قابل اِس لئے نہیں دیکھا کیونکہ کوئی اَور خلق کر سکتا ہی نہیں۔ یہ بھی پہلے اعتراض کی طرح کا ہے اُس میں اعتراض یہ ہے کہ تخلیق کبھی دیکھنے میں نہیں آتی اور تخلیق دیکھنے میں اِس لئے نہیں آتی کیونکہ جب مادہ خلق کیا گیا تھا تو اُس وقت اُسے خلق کرتے ہوئے دیکھنے والا کوئی نہیں تھا۔ اُس وقت ہم نہیں تھے تو مادے کو خلق کرتے ہوئے کون دیکھتا! اور اَب وہ نئے نئے اِنسانوں کی رُوحوں کو خلق کرتا ہے اور تخلیق کا یہ کام بھی نظر نہیں آتا کیونکہ رُوح نادیدنی ہے اور رُوح بچّے کی ماں کے پیٹ میں بچّے میں پیدا کی جاتی ہے۔ جب وہ بچّہ بننا شروع ہوتا ہے اور اِسی طرح کسی کو خلق کرنے کے قابل اِس لئے نہیں پاتے کیونکہ کوئی اَور خلق کر سکتا ہی نہیں صرف خُدا ہی خلق کر سکتا ہے۔ کیا کسی نے کبھی کوئی ایسا شخص دیکھا ہے جس کا عِلم مشروط نہ ہو تو کیا اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ خُدا کا عِلم بھی مشروط ہے؟ ہم نے کبھی کسی

کو خود کافی نہیں دیکھا تو کیا خدا بھی خود کافی نہیں ہے؟ کیا اُسے بھی خوش ہونے کے لئے اپنے آپ سے باہر آنے کی ضرورت ہے؟ کیا اُسے بھی خوش ہونے کے لئے کسی اَور کی یا اَوروں کی ضرورت ہے؟ کیا کمہار خدا کو ماننے والے یہ ماننے کو تیار ہیں کہ ہمارا خدا محدود علم اور محدود محبّت والا ہے؟ ہم خدا کو اور صرف خدا ہی کو سجدہ کرتے ہیں۔ کسی مخلوق کو سجدہ کرنا خدا سے بے وفائی اور بغاوت کرنا ہے۔

خدا لامحدود ہے اور اپنی لامحدودیت میں وہ اَور وجودوں سے صرف درجے ہی میں متفرق نہیں بلکہ قِسم میں ہے۔ اگر اُس کا عِلم بھی ہمارے علم کی طرح مشروط ہوتا اور اُس کی محبّت بھی ہماری محبّت کی طرح اُس کی ناکاملیت کا نتیجہ ہوتی یعنی جس طرح ہمیں خوش ہونے کیلئے اَوروں سے محبّت کرنا ضروری ہوتا ہے اُس کی محبّت بھی اِسی طرح کی ہوتی اور کام کرنے کے لئے اُس کو بھی کسی بنیادی چیز اور اَوروں کی مدد کی ضرورت ہوتی وہ خود کافی بھی نہ ہوتا تو وہ وہ خدا نہ ہوتا بلکہ محدود وجود ہوتا۔ وہ اس لئے خدا ہے کیونکہ وہ کامل وجود ہے۔ وہ لامحدود وجود ہے۔ اُس کے کمالات ایسے ہیں کہ اُس سے بڑا ہونا ناممکن ہے۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ ہم کسی ایسی قدرت کو سمجھ نہیں سکتے یا اُس کا تفہم و قیاس نہیں کر سکتے جو بِلا مددِ غیرے کام کر سکتی ہو اور جسے کسی قِسم کے بھی سہارے کی ضرورت نہ ہو اِس لئے کوئی خود کافی قدرت ہے ہی نہیں۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ ہم لامحدود علم اور لامحدود

مثبت کا بھی قیاس تو نہیں کر سکتے بلکہ لامحدود وجود ہی کا قیاس نہیں کر سکتے تو کیا اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ لامحدود وجود موجود نہیں ہے؟ ہم لامحدود وجود کا براہِ راست قیاس نہیں کر سکتے۔ اسکا قیاس دلائل کی بنا پر کرتے ہیں یعنی بطور نتیجے کے کرتے ہیں۔ دلائل سے نتیجے نکالنے سے ہم معلوم کرتے اور سمجھتے ہیں کہ ایک خالص مثبت ہستی موجود ہے۔ کسی قسم کی نفی اُس کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ اُس میں کسی کمال کی کمی اور نفی نہیں ہے۔ ہم اُس کا مثبت منفی تصوّر محدود چیزوں کے تصوّر سے کرتے ہیں۔ اُس کے بارے میں مثبت تصوّر یہ ہے کہ اُس میں ہر کمال موجود ہے اور کامل طور پر موجود ہے اور منفی تصوّر یہ ہے کہ اُس میں کسی کمال کی نفی نہیں پائی جاتی۔ کوئی کمال ایسا نہیں جو اُس میں نہ پایا جاتا ہو اور نہ کسی کمال کی کوئی حد ہے۔ اُس کے کمالات محدود نہیں ہیں۔ یہ ہے مثبت منفی کا مطلب۔ اور مثبت منفی تصور محدود چیزوں کے تصوّر کے مقابلے میں اِس طرح کا ہے جس طرح کا قدرت اچھائی اور دانائی کا ایسا تصوّر ہے جس سے ہر طرح کی محدودیت کو خارج کر دیا گیا ہو کائنات کی چیزوں کی قدرت یا طاقت محدود ہے اور ناکامل ہے اِس محدود اور ناکامل قدرت کے تصوّر سے ہم محدودیت اور ناکاملیت کو نکال دیتے ہیں اور خدا کے بارے میں یہ تصوّر قائم کرتے ہیں کہ اُس کی قدرت میں محدودیت اور ناکاملیت نہیں ہے۔ اُس کی قدرت لامحدود اور کامل ہے اور اِسی طرح محدود چیزوں کے دیگر محدود اور ناکامل کمالات کے

تصوّر سے خُدا کے لامحدود اور کامل کمالات کے تصوّر تک پہنچتے ہیں

چوتھا اعتراض یہ ہے کہ مادے میں بعض صفات ایسی پائی جاتی ہیں جو خُدا میں نہیں ہو سکتیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ مادے کا سبب خُدا ہے تو پھر وہ مادے کی طرح لمبا چوڑا گہرا اور سخت وغیرہ ہونا چاہیے کیونکہ سبب میں وہ سب کمالات یا گُن پائے جانا چاہئیں جو اثر یا نتیجے میں پائے جاتے ہیں۔ لامحدود خُدا پر اعتقاد رکھنے والے کو یہ اعتراض سُن کر ہنسی آتی ہے۔ خُدا میں وہ سب کمالات پائے جاتے ہیں جن کا ہونا ناممکن ہے۔ اگر خدا میں کسی کمال کی کمی ہو تو وہ لامحدود وجود نہیں ہو گا تو کیا پھر وہ لمبا چوڑا اور گہرا ہے؟ ہاں ہے۔ وہ بے حد لمبا بے حد چوڑا اور بے حد گہرا ہے۔ کیونکہ وہ بے پایاں لامکاں اور ہر جگہ ہے۔ لمبائی چوڑائی اور گہرائی اُس کی بے پایانی اور لامکانیت کے حصّے تو نہیں ہیں لیکن اُس کی بے پایانی میں پائی جاتی ہے۔ اِس کی وضاحت پہلے آ چکی ہے۔ وہ کہیں بھی مقیّد نہیں ہے۔ مکان یا جگہ میں۔ ہر مقام اور ہر نقطہ میں جو خیال کیا جا سکتا ہے خُدا پورا پورا موجود ہے۔ کیا وہ سخت بھی ہے؟ ہاں ہے۔ سختی کا مطلب یہ ہے کہ وہ سخت وجود میں ایسی قوّت اور طاقت پائی جاتی ہے جو کسی بیرونی تباہ کُن کام اور طاقت کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ خُدا بے حد سخت ہے۔ یعنی آسمان اور زمین میں اور اِن کی کسی چیز میں

ایسی قوت نہیں جو اُسے فنا اور تباہ کر سکے۔ کوئی ایسی قوت نہ ہے
اور نہ ہو سکتی ہے جو اُسے برباد کر سکے یا اُس کا شمہ بھی تبدیل کر
سکے۔ کوئی قوت و طاقت اُس کو ذرا بھی تبدیل نہیں کر سکتی اور
نہ اُسے تباہ کر سکتی ہے کیونکہ وہ بے حد سخت ہے یعنی اُس کا وجود
ایسا ہے جو کسی بھی طاقت قوت اور قدرت سے فنا نہیں کیا جا سکتا
اُس کا فنا کیا جا سکنا ناممکن ہے۔

209

باب ہفتم :-

ہمہ اوست

یورپ کے کئی مفکر بہت سے مسلم صوفی اور ہندوؤں میں سے بہت سے ہندو ہمہ اوستی ہوئے ہیں۔ ہمہ اوست کا مطلب یہ ہے کہ سب کچھ وُہی ہے یعنی سب کچھ خُدا ہے۔ اِس تعلیم کی رُو سے خُدا اور کائنات کی ماہیت ایک ہی ہے۔ ہمہ اوست دو طرح کی ہے۔ کائناتی ہمہ اوست اور وجودی ہمہ اوست۔ کائناتی ہمہ اوست خُدا کو پہلے رکھتی ہے۔ اُس کی تعلیم یہ ہے کہ خُدا سب کچھ ہے لیکن وجودی یا آن ٹالوجیکل ہمہ اوست پہلا مقام کائنات کو دیتی ہے یا یہ کہ اس کی رُو سے موجودات کو پہل حاصل ہے اس کی تعلیم یہ ہے کہ سب کچھ خُدا ہے یعنی سب چیزیں خُدا ہیں پس پہلی قسم اُو ہمہ است ہے اور دوسری قسم ہمہ اُو است ہے۔ پہلی قسم کی تعلیم یہ ہے کہ وُہی

سب کچھ ہے یعنی خُدا ہی کائنات بن گیا ہُوا ہے اور دوسری قسم کی تعلیم یہ ہے کہ سب کچھ وہی ہے یعنی کائنات ہی خُدا ہے۔ دونوں طرح کی ہمہ اوست کی تعلیم دہریت سے کچھ ہی کم ہے یہ اپنی تہہ میں ڈھکی ہوئی دُہریت سے کُچھ ہی کم ہے ہمہ اوست کی دہریت یا ہمہ اوست والی دہریت کو خُدا کے نام سے ڈھکا ہُوا ہے لیکن یہ بھی ایک قسم کی دہریت ہی ہے۔

خُدا میں عقل مرضی اور زندگی پائی جاتی ہیں اور یہ صفات خُدا کو لازمی طور پر کائنات سے مختلف ثابت کرتی ہیں یعنی اُس کی مخلوقات سے اُسے مختلف اور الگ وجود ثابت کرتی ہیں۔ کائنات میں ایسی ہستیاں تو ہیں جن میں عقل اور مرضی پائی جاتی ہیں لیکن کائنات میں نہ عقل ہے اور نہ مرضی۔ کائنات میں ایسے وجود تو پائے جاتے ہیں جن میں زندگی ہے یعنی جو زندہ موجودات ہے لیکن کائنات میں زندگی نہیں ہے۔ بحیثیتِ کُل یہ زندہ موجود نہیں ہے اور نہ اِس میں بحیثیتِ کُل عقل اور مرضی ہے اِس سے وثوق کے ساتھ یہ ثابت ہوتا ہے کہ خُدا کائنات کے ساتھ ایک ہی نہیں ہو سکتا یا یہ کہ خُدا اور کائنات ایک ہی نہیں ہو سکتے تاہم بعض فلاسفروں نے اُن کا ایک ہی ہونا مانا ہے۔ اُنہیں ہمہ اوستی کہتے ہیں۔

خُدا کی ذات کے بارے میں اِنسان کی عقل جن سب سے بڑی غلطیوں میں گری ہے اُن سب سے بڑی غلطیوں میں سے ایک نہایت بڑی غلطی ہمہ اوستا ہے۔ وہ سب ہے اور سب وہ ہیں

برابر جھوٹی تعلیمیں ہیں بلکہ ایک ہی جھوٹی تعلیم کے یہ دو رُخ ہیں
اِس تعلیم کے جھوٹی ہونے کے ثبوت درجِ ذیل ہیں:۔
خُدا وجودِ اول ہے۔ اُسکی ماہیت غیر منقسم ہے۔ وہ کسی صورت
میں بھی حصوں سے مل کر بنی ہوئی نہیں ہے۔ خُدا کے سب کمالات
اُس کی لاتبدیل ہستی کی عینیت میں متحد ہیں چونکہ خُدا بے حد لطیف یا
عین لطافت ہے اِس لئے اُس کی سب صفات اُس کی عین ماہیت
ہیں اور وہ باہم ایسی عین اور ایک ہیں کہ گویا خُدا میں ایک ہی صفت
ہے جو اُس کی ماہیت یا اُلوہیت ہے۔ اُس کی سب صفات عین
ایک اور اُلوہیت ہی ہیں خُدا کی ماہیت ہی قدرت ہے۔
اور اُس کی ماہیت ہی حکمت ہے گویا
اُلوہیت ہی قدرت حکمت اور تقدّس ہے۔ خُدا میں سب کمالات
ایک ہی کمال اور ایک ہی صفت ہیں۔ ہم میں طاقت دانائی اور پاکیزگی
مختلف صفات ہیں لیکن خُدا میں مختلف نہیں ہیں یعنی الگ الگ نہیں
ہیں۔ اُن کا الگ الگ ہونا ہمارے ذہنوں میں ہے خُدا میں نہیں ہے۔
خُدا میں خود ہست ہونا یا خود ہستی ہی قدرت ہے اور وہی دانائی
اچھائی اور سچائی ہے۔ ہم میں ایک شخص طاقتور تو ہوتا ہے لیکن
پاک نہیں ہوتا یا دانا تو ہوتا ہے لیکن سچا نہیں ہوتا کیوں کہ ہم میں یہ
صفات الگ الگ ہیں لیکن خُدا میں الگ الگ نہیں ہیں بلکہ ایک
ہی ہیں۔ خُدا میں قدرت کی صفت دانائی اور سچائی کی صفتوں سے
الگ اور مختلف صفت نہیں ہے۔ ہمیں تجربے سے یقینِ واثق حاصل

ہوتا ہے کہ دُنیا کی چیزیں جو ہمارے ارد گرد ہیں اور بشمولیت انسان یعنی انسان سمیت یہ سب ایک ہی غیر منقسم ماہیت نہیں ہیں بلکہ بے شمار مختلف مفرد چیزیں ہیں۔ جو مفرد چیز اپنے وجود میں کامل ہے یعنی اپنے وجود کے طور کے لحاظ سے کامل ہے گھوڑا اپنے وجود کے طور کے لحاظ سے کامل وجود ہے کیونکہ وہ پورا گھوڑا ہے۔ انسان اپنے وجود کے لحاظ سے کامل وجود ہے پس ہر وجود اپنے وجود کے طور کے لحاظ سے کامل اور سالم وجود ہے اور یہ اپنے قدرتی اور ارادی اجحانات میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ کیا یہ مضحکہ خیز بات نہیں ہے کہ بلی اُسی چُوہے کے ساتھ ہم وجود ہے جسے وہ نگلتی ہے۔ کیا کھانے والی بلی اور کھایا جانے والا چوہا ایک ہی وجود ہیں؟ اور کیا بلی اُس کُتے کے ساتھ ہم وجود ہے جو اُسے ستاتا اور تنگ کرتا ہے اور اِن دونوں کا مالک جب اپنے چابک کے ساتھ اِن دونوں میں امن قائم کرتا ہے تو کیا وہ بھی اِن کے ساتھ ہم وجود ہوتا ہے؟ اگر ساری کائنات ایک ہی وجود ہے یعنی خُدا ہے تو منصف جو مجرم کے پھانسی دیئے جانے کا فیصلہ کرتا ہے وہ منصف اور پھانسی کی سزا کا فتوا پانے والا مُجرم ایک ہی چیز ہوں گے۔ کیا یہ نا معقول بات نہیں ہے؟ جب اُستاد لڑکوں کو پڑھاتا ہے تو کیا وہ اپنے آپ ہی کو پڑھاتا ہے؟ کیا لاری کو چلانے والا ڈرائیور اور کنڈکٹر اور سواریاں اور لاری ایک ہی وجود ہے؟ جب کنڈکٹر سواریوں سے کرایہ وصول کر رہا ہوتا ہے تو

کیا وہ اپنے ہی سے کرایہ لے رہا ہوتا ہے؟ تجربے اور مشاہدے
سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات ایک وجود نہیں بلکہ انیک وجودوں
کا مجموعہ ہے جو ایک دوسرے کے مخالف بھی ہوتے ہیں اور ایک
دوسرے کے خلاف عمل بھی کرتے ہیں۔ ایک آدمی دوسرے آدمی کو
قتل کر دیتا ہے۔ کیا قاتل اور مقتول ایک ہی وجود ہیں؟ ایک آدمی
دوسرے پر عدالت میں مقدمہ کھڑا کرتا ہے۔ کیا وہ اپنے آپ پر کیس
کرتا ہے۔ کیا حاسد اور محسود اور باہم دشمنی کرنے والے بھی ایک
ہی چیز ہیں؟ پانی آگ کو بجھاتا ہے اور آگ پانی کو اڑاتی ہے
اور کئی چیزوں کو جلا کر بھسم کر دیتی ہے۔ کیا جلانے والی اور جلنے والی
چیزیں ایک ہی ہیں؟ کائنات کی چیزیں ایک ہی چیز نہیں ہیں بلکہ مختلف
چیزیں ہیں۔ کیا پھل اور پھل کھانے والا ایک ہی چیز ہیں۔ خدا اور کائنات
ایک ہی قسم کے وجود نہیں ہیں۔ خدا بے حد لطیف وجود ہے اور رُوح
ہے لیکن کائنات مادے کی بنی ہوئی ہے اور کثیف ہے۔ کائنات
رُوح نہیں ہے اس میں ایسے وجود تو ہیں جن میں رُوح ہے یا وہ
روح ہیں۔ لیکن کائنات بحیثیتِ کُل رُوح نہیں ہے۔ خدا لامحدود
ہے اور کائنات اور اس کی ہر چیز محدود ہے۔ خدا اور کائنات بالکل
الگ الگ قسم کے وجود ہیں اِس لئے کائنات کا وجود الٰہی وجود نہیں
ہے۔ خدا رُوح ہونے کی وجہ سے نادیدنی ہے لیکن کائنات دیدنی
ہے۔ ہمہ اوستی کہتے ہیں کہ کائنات خدا میں سے نکلی ہوئی ہے۔
یا یہ کہ خدا کائنات بن گیا ہوا ہے۔ ہمہ اوست کے باطل ہونے کا

پہلا ثبوت یہ ہے کہ خُدا اور قسم کا وجود ہے اور کائنات اور قسم کا
لہذا خُدا کائنات نہیں اور کائنات خُدا نہیں۔ ہمہ اوست کے باطل
ہونے کا دوسرا ثبوت یہ ہے کہ خُدا لاتبدیل ہے اور وہ تبدیل ہو
کر کائنات نہیں بن سکتا۔ وہ مادے اور محدود رُوحوں میں تبدیل
نہیں ہو سکتا اور اس کے باطل ہونے کا تیسرا ثبوت یہ ہے کہ
خُدا لامحدود ہے لیکن کائنات محدود ہے۔ خُدا محدود نہیں بن سکتا
اور نہ محدود ہو سکتا ہے۔ چوتھا ثبوت یہ ہے کہ کائنات ایک وجود
نہیں ہے بلکہ بے شمار مختلف وجودوں کا مجموعہ ہے لہذا وہ الٰہی وجود
نہیں ہے۔ الٰہی وجود تو صرف ایک ہی وجود ہے لیکن کائنات بیشمار
وجودوں کا مجموعہ ہے لہذا کائنات خُدا کا وجود نہیں ہے ہمہ اوست
کے خلاف پانچواں ثبوت یہ ہے کہ خُدا نیک اور پاک ہے لیکن کائنات
میں اخلاقی بدی یا بُرائی بھی پائی جاتی ہے اور اس کی بہت سی چیزیں
ایسی ہیں جو نہ پاک ہیں۔ اور ناپاک ہیں لیکن خُدا پاک ہے اور سراسر
پاک ہے یعنی اُس کا سارا وجود پاک ہے اور بے حد پاک ہے لہذا
کائنات خُدا نہیں ہے ہمہ اوست کے ردّ میں چھٹا ثبوت یہ ہے کہ کائنات
میں دُکھ بھی موجود ہے لیکن خُدا کے وجود میں دُکھ نہیں ہے اُسکی
ذات بے حد آنند اور خوشی ہے لہذا کائنات کا وجود جس میں دُکھ
موجود ہے خُدا کا وجود نہیں ہے پس ہمہ اوست چھیوں طرفوں یعنی
اوپر نیچے دائیں بائیں آگے پیچھے جھوٹ ہی جھوٹ ہے اور یہ کہ خُدا
کائنات سے بالکل الگ وجود ہے اور بالکل مختلف قسم کا وجود ہے سچ ہی سچ ہے۔

باب ہشتم :-

اِرتقا اور مایا

مسئلۂ ارتقا چارلس ڈارون نے شروع کیا تھا پھر اُس کی دیکھا دیکھی اور لوگوں نے بھی اِسے قبول کر لیا جو خُدا کو کائنات کا خالق ماننا نہیں چاہتے تھے۔ اِس مسئلہ کی تعلیم یہ ہے کہ بے جان مادہ کی سب سے بڑھی ہوئی صورت میں زندگی خود بخود پیدا ہوئی اور وہ نباتات یا پودے کی ادنٰے ترین قسِم کی تھی پھر اُس قسِم سے اُس سے اعلیٰ قسِم پیدا ہوئی اور بڑا زمانہ گزرنے کے بعد یہ نوع اِس لائق ہو گئی کہ اِس سے تیسری قسِم پیدا ہوئی ایک نوع سے دوسری نوع اعلےٰ ہی ہوتی رہی لیکن جب نباتات کی سب سے اعلےٰ قسِم پیدا ہوئی تو بڑی مدت گزرنے کے بعد اُس سے حیوان کی ادنٰے ترین قسِم پیدا ہوئی اور پھر اُس نوع سے اگلی نوع پیدا ہوئی اور اِس

طرح حیوانات کی سب انواع پیدا ہوئیں اور بندر جو حیوانات کی سب سے اعلےٰ نوع ہے اُس سے اِنسان پیدا ہُوا۔ مسئلہ ارتقا کی تعلیم یہ ہے کہ بہتر سے بہتر نوع پیدا ہوتی آئی ہے لیکن اعلےٰ سے ادنےٰ نوع پیدا نہیں ہوتی مثلاً اِنسان سے بندر پیدا نہیں ہوسکتا۔ سائنس کے نزدیک سائنٹفک مُحقّق اور سچّی بات وہ ہوتی ہے جو تجربے اور مُشاہدے میں آئے۔ جس بات کو تجربہ اور مُشاہدہ کہیں کہ یہ اِس طرح ہے وہی بات سچّی اور حقیقت کے مطابق ہوتی ہے لیکن کسی نے بے جان مادے میں زندگی خود بخود پیدا ہوتے کبھی نہیں دیکھی۔ زندہ چیز ہی سے زندہ چیز پیدا ہوتی ہے بے جان چیز سے جاندار چیز کبھی پیدا نہیں ہوتی۔ مادے کی سب سے بڑھی ہُوئی صورت میں اَب زندگی خود بخود پیدا کیوں نہیں ہوتی سائنس دانوں نے اپنا سارا جتن لگا دیکھا ہے اور سب پاپڑ بیل چھوڑے ہیں کہ مادے کو کیمیاوی طور پر ایسے مرکب کیا جائے کہ بے جان مادہ جان دار مادہ بن جائے۔ مگر وہ اِس میں کامیاب نہیں ہُوئے۔ زمین ایک وقت آگ کا گولا تھی پھر اربوں سالوں میں ٹھنڈی ہو کر اِس حالت کو پہنچی کہ اِس پر جاندار چیزیں موجود رہ سکیں۔ پہلے اس کی حالت ایسی تھی کہ اس پر زندگی کا ہونا ناممکن تھا تو اِس پر زندگی کہاں سے آئی۔ زندگی کا مسئلہ سائنس کے لئے حل نہ ہونے والا مسئلہ تھا۔ زندگی کو وجود میں آتے کسی نے نہیں دیکھا۔ اِس کے وجود میں آنے کا نہ تجربہ ہُوا اور نہ مُشاہدہ یعنی زندگی کے خود بخود موجودگی میں آنے کا نظریہ محض قیاسی اور خیالی ہی ہے یہ حقیقت نہیں ہے۔ بے جان چیز سے زندہ چیز کا

پیدا ہونا تجربہ اور مشاہدہ کے خلاف ہے۔

اِس قسم کی نوع سے دوسری قسم کی نوع بھی کسی نے کبھی پیدا ہوتے نہیں دیکھی پس یہ بات بھی نہ تجربے میں آئی ہے اور نہ مشاہدے میں لہٰذا ایک قسم کی نوع سے دوسری قسم کی نوع کا پیدا ہونا سائنٹفک محقق اور یقینی نہیں ہے۔ اب جبکہ سب انواع اس کمال کو پہنچ چکی ہوئی ہیں کہ اِن سے اگلی بہتر انواع پیدا ہوں تو اب ایسا کیوں نہیں ہوتا۔ جس نوع میں سے پہلے بیل گائے پیدا ہوئی تھی اُس نوع میں سے اب گلے کیوں پیدا نہیں ہوتی۔ اب انسان بندر میں سے کیوں پیدا نہیں ہوتا۔ کسی بھی نوع میں سے دوسری قسم کی نوع کبھی پیدا نہیں ہوتی لہٰذا یہ محض جھوٹ ہے اور تجربے اور مشاہدے کے قطعاً خلاف ہے۔ سائنس دان کہتے ہیں کہ سائنس میں ایمان سے راستباز نہیں ٹھہرایا جاتا بلکہ تجربے اور مشاہدے سے راستباز ٹھہرایا جاتا ہے اور چونکہ مسئلہ ارتقا تجربے اور مشاہدے کے خلاف ہے اِس لئے اِسے راست نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ مشاہدے میں تو ہزارہا ہزار سال سے یہی بات آرہی ہے کہ جس نوع کی کوئی چیز ہو اُس سے ہمیشہ اُسی نوع کی چیز پیدا ہوتی ہے یہ تو سچ ہے کہ انواع بتدریج بہتر سے بہتر اور اعلےٰ سے اعلےٰ ہیں لیکن وہ ایک دوسری میں سے پیدا نہیں ہوئیں۔ خُدا نے سب انواع الگ الگ پیدا کی ہیں اور ہمیشہ الگ الگ پیدا کرتا ہے۔ ترقی اِس طرح تو ضرور ہوئی کہ خُدا نے پہلی نوع سے دوسری

نوع بہتر بنائی اور دوسری نوع سے تیسری نوع بہتر بنائی لیکن دوسری نوع پہلی میں سے اور تیسری نوع دوسری میں سے نہیں بنائی تھی بلکہ پہلی دوسری اور تیسری انواع اور باقی سب انواع الگ الگ بنائی تھیں اور الگ۔ الگ بنتا رہتا ہے لہٰذا ارتقا کا نظریہ باطل ہے۔

سائنس کے پاس مندرجہ ذیل سات معموں کا کوئی حل موجود نہیں ہے اور نہ کبھی ہو گا۔

۱۔ مادے اور قوّت کی ماہیت۔

۲۔ حرکت کا آغاز۔

۳۔ زندگی کا آغاز۔

۴۔ کائنات کی مجوّزہ ترتیب۔

۵۔ حِس اور وُقوف کا آغاز۔

۶۔ معقول خیال اور تکلّم یا باتیں کرنے کا آغاز۔

۷۔ آزاد مرضی۔

سائنس دانوں کو یہ معلوم نہیں کہ مادہ کیا ہے اور قوّت کیا ہے مادہ بذاتِ خود بے حرکت ہے وہ جو چیز بے حرکت ہو وہ خود بخود حرکت نہیں کر سکتی اب جو مادے میں حرکت پائی جاتی ہے یہ کہاں سے آئی کس نے مادے کو حرکت دی۔ کوئی بے جان چیز خود زندہ نہیں ہو سکتی۔ زمین پر زندہ چیزیں بھی پائی جاتی ہیں یہ زندگی کہاں سے آئی ہے۔ کائنات میں بڑی اعلےٰ تجویز کے مطابق ترتیب

پائی جاتی ہے یہ تجویز کے مطابق ترتیب کس نے دی کہاں سے آئی اور کیسے پیدا ہوئی۔ دُنیا میں محسوس کرنا اور آگاہی پائی جاتی ہے۔ مادے میں یہ کیسے پیدا ہوئیں اور اس میں یہ کہاں سے آئیں۔ اِنسان عقلی خیال کرتا اور باتیں کرنے کے قابل ہے مادے میں فطرتاً یہ باتیں نہیں ہیں اِنسان میں یہ کیسے آگئیں اور کہاں سے آئیں۔ اِنسان میں آزاد مرضی پائی جاتی ہے۔ مادہ اپنے قوانین قُدرت کا پابند ہے اِنسان میں آزاد مرضی کیوں ہے اِس میں یہ کیسے آئی اور کہاں سے آئی۔ سائنس کے پاس اِن سات پیچدار باتوں کا کوئی حل نہیں ہے سائنس اِن کا حل نہیں بنا سکتی اور اور نہ اِنہیں حل کر سکتی ہے۔

خُدا کے منکر کہتے ہیں کہ صرف مادہ ہی موجود ہے اور سوائے مادی وجود کے کسی اور قِسم کا وجود موجود نہیں ہے۔ یہ دہریوں کی وحدت الوجود ہے یعنی وجود صرف ایک ہی قِسم کا ہے اور وہ مادی وجود ہے۔ جو کچھ موجود ہے وہ صرف مادہ ہی مادہ ہے۔ یہ لوگ صرف مادے کا وجود مانتے ہیں اور اَور کسی قِسم کا وجود نہیں مانتے دوسری طرف ویدانتی ہندو ہیں جو اِس طرح کی وحدت الوجود مانتے ہیں کہ صرف برہم ہی برہم ہے یعنی خُدا ہی خُدا ہے اور اُس کے سوا اَور کچھ نہیں ہے۔ صرف ایک ہی ہے اور اُس کے سوا دوسرا نہیں ہے۔ وہ دُنیا یا کائنات کو حقیقی نہیں مانتے بلکہ مایا یا دھوکا سمجھتے ہیں۔ برہم اِس دُنیا کی ذہنی صورت اختیار کرتا ہے لیکن اصل میں کائنات ہے ہی نہیں۔ کائنات کے وجود کا انکار کرنا اور کہنا کہ

صرف برہم ہی برہم ہے۔ یہ کون ہے جو کہتا ہے کہ صرف برہم ہی برہم ہے۔ یہ خود تو ہے ہی نہیں۔ یہ خود تو صرف وہمی اور خیالی وجود ہے تو برہم کا پتہ کون دیتا ہے۔ ویدانتی کہتے ہیں کہ جس طرح خواب کی دُنیا اصلی نہیں ہوتی لیکن ہم خواب کے وقت اُسے اصلی دُنیا سمجھتے ہیں اِسی طرح یہ دُنیا اصلی نہیں حقیقی نہیں ہے لیکن ہم اِسے بے علمی کی وجہ سے اصلی اور حقیقی سمجھتے ہیں اور جس طرح رات کے وقت رسّے کو غلطی سے سانپ سمجھ لیتے ہیں اُسی طرح غلطی سے برہم کو کائنات سمجھتے ہیں۔ اِس مثال سے تین چیزیں حقیقی ماننا پڑتی ہیں ایک تو وہ چیز جسے غلطی سے اَور سمجھ لیتے ہیں۔ اور ایک وہ جو غلطی کھاتی ہے اور کسی چیز کو کچھ اَور سمجھ لیتی ہے اور جسے کچھ اور سمجھتی ہے وہ تیسری حقیقی چیز ہے یعنی آدمی۔ رسّا اور سانپ۔ لیکن وہ کون ہے جو غلطی سے برہم کو کائنات سمجھتا ہے۔ برہم کے سوا اَور تو کچھ ہے ہی نہیں۔ حق یہ ہے کہ کائنات عالِم اسباب ہے اور مقررّہ سببوں سے ہمیشہ مقررّہ اور وہی اثرات یا نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ کائنات میں اعلےٰ درجے کی تجویز اور ترتیب پائی جاتی ہے۔
عقل تجربے مُشاہدے اور حواس کی گواہی سے کائنات کی حقیقت ثابت ہوتی ہے یعنی یہ ثابت ہوتا ہے کہ کائنات فی الواقع موجود ہے اور یہ وہمی چیز نہیں ہے۔ اگر کسی کو اپنے ہونے کے بارے میں شک ہو یا وہ اپنے ہونے کا انکار کرے تو یہ اُسی وقت تک ہوتا ہے جب تک کہ وہ خوش ہو اور اُسے کوئی دُکھ نہ ہو لیکن جب اُسے

سخت درد ہو مثلاً گردے کا درد۔ کان درد آنکھ درد یا دانت
درد، ہو تو اُس وقت یہ فلاسفی ہرن ہو جاتی ہے اور ایسا کوئی نہیں
ہوتا جو ایسی حالت میں اپنی ہستی پر شک کرے یا اپنی ہستی کا انکار
کرے۔ اپنی ہستی پر شک کرنے یا اُس کا انکار کرنے والے سے کہو
کہ اپنا ہاتھ آگ میں ڈال یا دریا میں چھلانگ لگا تو اُس وقت بھی یہ
فلاسفی سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ جاتی ہے وہ شخص تیراک نہ ہو
اور دریا میں طغیانی آئی ہو تو وہ کبھی چھلانگ نہیں لگائے گا اور اگر
آگ میں ہاتھ ڈالنے کیلئے کہا جائے تو وہ آگ میں ہاتھ ڈالنے کا نام
نہیں لے گا۔ اِس سے ظاہر ہے کہ وہ اپنے وجود کو حقیقی سمجھتا ہے
وہمی اور خیالی نہیں سمجھتا اور آگ اور پانی کو بھی حقیقی چیزیں سمجھتا ہے
کائنات حقیقت میں موجود ہے اور اس کی حقیقت کو ثابت کرنا اِس
لئے ضروری ہے کیونکہ اگر یہ حقیقی نہ ہو تو پھر ہم بھی حقیقی نہیں ہیں۔

دوسری خاص بات یہ ہے کہ ہمارے پاس خُدا کے ہونے کا ثبوت
کائنات کی حقیقی موجودگی ہی ہے۔ کائنات کی موجودگی سے خُدا کی
موجودگی ثابت ہوتی ہے۔ اگر کائنات کی موجودگی حقیقی نہ ہو تو
خُدا کی موجودگی کا حقیقی ثبوت نہیں ہوگا۔ کائنات خواہ ہو خواہ نہ ہو
خُدا تو ضرور ہے لیکن ہمارے لئے خُدا کے ہونے کا ثبوت کائنات کی
حقیقی موجودگی ہی ہے پس کائنات کو حقیقی ماننا از بس ضروری ہے۔

ہم کائنات کو اس لئے حقیقی مانتے ہیں کیونکہ یہ فی الواقع موجود ہے
اور فی الحقیقت حقیقی ہے اور اس سے خُدا کی ہستی حقیقی اور یقینی

طور پر ثابت ہوتی ہے۔

کیا یہ کائنات بہترین دُنیا ہے یا اس سے کوئی بہتر دُنیا بھی ہو سکتی ہے؟ بعض کہتے ہیں کہ یہ بہترین دُنیا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ نسبتاً بہترین ہے۔ نسبتاً بہترین کا مطلب یہ ہے کہ جس مقصد کے لئے خُدا نے کائنات خلق کی ہے اُس مقصد کو موجودہ کائنات کامل طور پر اور بطرزِ احسن پورا کرتی ہے لہٰذا مقصد کو پورا کرنے کے لحاظ سے یہ کائنات بہترین کائنات ہے۔ کائنات کو خلق کرنے کا مقصد کیا ہے؟ اِس کو خلق کرنے کا مقصدِ اوّل تو خُدا کا جلال ظاہر کرنا ہے۔ اِس کے خلق کرنے سے خُدا کی عظمت قُدرت دانائی محبّت اور بھلائی ظاہر ہوتی ہے اور یوں یہ ایک حد تک خُدا کو ظاہر کرنے والی اور اُس کی موجودگی ثابت کرنے والی ہے۔ اور اِسے خلق کرنے کا مقصدِ دُوم جاندار مخلوقات کو مثلاً حیوانوں اور اِنسانوں کو خوشی بخشنا اور فیض پہنچانا ہے اور سمجھدار مخلوقات کے لئے یعنی فرشتوں اور اِنسانوں کے بارے میں مقصد یہ ہے کہ یہ اپنی آزاد مرضی سے خُدا کی اطاعت کریں اُس کی طاعت کریں اُس کی حمد و ثنا کریں اُس کو پیار کریں اُس پر بھروسہ کریں اُس پر فخر کریں اور اُس کا شکر کریں اور خُدا اِنہیں اپنے والی خوشی اور اپنے والی زندگی بخشے اور ساری کائنات کے ذریعے سے خُدا کی قُدرت دانائی اور محبّت کا اظہار ہو۔ خُدا کے جلال کے اظہار کا مقصد۔ مخلوقات کو فیض پہنچانے کا مقصد۔ خُدا

کے طالبوں کو خدا کے لئے بہادری کے بڑے بڑے کام کرنے کے موقعوں
کے حصول کا مقصد۔ فرشتوں اور انسانوں کے لئے خدا والی خوشی
اور زندگی کے حصول کا مقصد۔ یہ سب سے بڑے مقاصد ہیں اور
اِن سے بڑے اور اعلےٰ مقاصد نہ ہیں اور نہ ہو سکتے ہیں لہٰذا سب سے
بڑے مقاصد کو کامل طور پر پورا کرنے والی ہونے کے لحاظ سے موجودہ
کائنات بہترین کائنات ہے۔

باب نہم :-

خُدا کا بیان

خُدا کیا ہے ؟

ایک رومن بادشاہ نے ایک فلاسفر کو طلب کیا تا کہ اُس سے یہ دریافت کرے کہ خُدا کیا ہے ۔ فلاسفر نے یہ سُن کر اِس پر غور خوض کرنے کے لئے ایک دِن کی مُہلت مانگی ۔ جب ایک دِن گزر گیا تو اُس نے بادشاہ سے عرض کی کہ مجُھے دو دن کی اور مُہلت مرحمت فرمائی جائے ۔ بادشاہ نے اُس کی عرض قبول کر لی ۔ جب یہ دو دِن بھی گزر گئے تو فلاسفر بادشاہ کے پاس آیا اور چار دِن کی اور مُہلت مانگی اور اُس نے اور مُہلت مانگنے کی یہ وجہ پیش کی کہ مَیں خُدا کی ذات پر جوں جوں غور و فکر اور سوچ بچار کرتا ہُوں توں توں مجُھے یہ معلوم ہوتا ہے

کہ لامحدود خلیج اُس کے اور باقی سب وجودوں کے درمیان حائل ہے یعنی اُس میں اور باقی کے سب وجودوں میں بے حد فرق ہے۔ وہ ان سے بے حد اعلےٰ اور افضل ہے۔ وہ کمالیت کا ایسا سمندر ہے جس کی کوئی تھاہ نہیں۔ وہ اپنے وجود میں ناقابلِ فہم ہے یعنی اُس کا وجود ناقابلِ فہم ہے اُس کا وجود ایسا ناقابلِ فہم ہے کہ کوئی بھی مخلوق عقل اُسے کامل طور پر نہیں سمجھ سکتی۔ وہ ہر قسم کی مخلوق عقل کی پہنچ سے باہر ہے۔

پرانے زمانے کے اُس فلاسفر نے جو کچھ غور و فکر سے دریافت کیا ہے سچے فلاسفر کی سوچ بچار اُس کی تصدیق کرتی ہے۔ عقل جب تعصبات اور جذبات سے دُھندلی اور تاریک نہ ہُوئی ہو اور جب اُسے درست طور پر استعمال کیا جائے تو وہ اِس وسیع کائنات کا سبب خُدا کو تسلیم کرتی ہے۔ عقل کے لئے خُدا کا جاننا کہ وہ ہے مُشکل نہیں ہے بلکہ آسان ہے۔ عقل کو خُدا کی ہستی آسانی سے معلوم ہو جاتی ہے تبھی تو اُسے انسانوں کی بہت بڑی اکثریت قبول کرتی ہے۔ عقل یہ بتاتی ہے کہ خُدا کائنات اور اُس کی ہر چیز کا قائم رکھنے والا ہے۔ اِس کی زندہ مخلوقات کو سامانِ حیات مہیا کرنے والا اور اِن کا پروردگار ہے۔ سیاروں کو اُن کے مداروں میں چلانے والا۔ اُن کی راہنمائی کرنے والا اور سب قوانین کا بنانے والا اور چلانے والا ہے۔ پھر عقل یہ بھی ثابت کرتی ہے کہ خُدا ہی اِنسان کا خالق اور مالک ہے اُس نے جب چاہا جہاں چاہا اور جس

طرح چاہا اِسے بنایا۔ وہ اِسے ادنےٰ یا اعلےٰ پیدا کرتا ہے اور جب چاہتا ہے اِسے بُلا لیتا ہے۔ عقل خُدا کی بابت یہ بھی بتاتی ہے کہ خُدا قانون دینے والا ہے اور ہر آدمی اور ہر چیز اُس کے حکم کے نیچے ہے۔ اُس نے اپنی مرضی اِنسان کی ضمیر اور اپنے کلام کے ذریعے سے ظاہر کی اور اپنے قوانین کی اِستقامت اور اُنہیں بااختیار ثابت کرنے کے لئے اُس کے پاس ابدی انعامات اور ابدی سزائیں ہیں۔ عقل آخر یہ بھی بتاتی ہے کہ خُدا منصف ہے اور اُس کے فیصلے کے بعد کسی اور کے آگے اپیل نہیں کی جا سکتی۔ وہ ہر ایک کو اپنی عدالت میں لائے گا اور اُنہیں اُن کے کاموں کے مطابق جزا یا سزا دے گا۔ عقل کی روشنی میں خُدا اِسی طرح کا ہے اور سب قوموں نے متفقہ طور پر اُسے اِسی طرح کا مانا ہے۔ خُدا ہر چیز کا شروع ہے یعنی وہ ہر چیز کا شروع کرنے والا ہے۔ وہ سب چیزوں سے پہلے تھا۔ اُسی میں ہم رہتے چلتے پھرتے اور موجود ہیں۔ وہ ہر چیز کا آخر ہے۔ ہر چیز اُسی کی طرف رجوع ہوتی ہے اور ہر چیز کو اُسی کی خدمت کرنا چاہئیے۔

ہماری محدود عقل لامحدود خُدا کے بارے میں جو کچھ سمجھ سکتی ہے ہمیں چاہئیے کہ ہم خُدا کی مرضی سے اُسے دریافت کرنے کی سعی و کوشش کریں اور جو کچھ اُس نے ہمارے جاننے اور ماننے کے لئے اپنی مقدس کتاب اور اپنے مقدس مذہب میں ظاہر کیا ہے اُسے پوری کوشش سے جانیں اور سارے دِل

سے مانیں۔

خُدا کی ہستی :-

خُدا کائنات کا پہلا اور ذی عقل سبب ہے اور وہ سب سے
بڑا فرماں روا اور حکمران ہے جس کے آگے ہم سب کے سب اپنے
اخلاقی کاموں کے ذمہ دار ہیں۔ جو اشخاص خُدا کی ہستی کو قبول نہیں
کرتے بلکہ اُس کا انکار کرتے ہیں وہ دہریے یا منکرین خُدا کہلاتے
ہیں۔ عملی دہریے تو اپنے عملوں یا کاموں سے خُدا کا انکار کرتے ہیں
وہ اپنے بُرے کاموں کی وجہ سے خُدا کا انکار کرتے ہیں۔ وہ
چاہتے ہیں کہ خُدا نہ ہو تو اچھا ہے تاکہ کوئی ہمیں ہمارے بُرے
کاموں کی سزا دینے والا نہ ہو پس وہ اپنے دِل کو جھوٹی تسلی
دینے کے لئے کہتے ہیں کہ خُدا نہیں ہے اور نظری یا عقلی دہریے
اپنی سوچ بچار سے اُس کا انکار کرتے ہیں۔ بد قسمتی سے عملی دہریے
بہت ہیں اور نظری دہریے بہت کم ہوتے ہیں اور بہت کم ہیں۔
عملی دہریے تو اپنے اعمالِ بد کی وجہ سے خُدا کا انکار کرتے ہیں۔
رہے نظری دہریے اِن میں سے بھی نیکی میں کبھی کوئی مشہور نہیں
ہُوا یعنی بہت بڑا نیک نہیں ہُوا۔ دہریوں کی ایک اور قسم اَیگنا
سٹِک لوگ ہیں۔ اِن کا مکتب فکر آج کل کے زمانے کا ہے۔ یہ
اُتنے عقلی فلاسفر نہیں جتنے طبعی سائنس دان ہیں۔ اَیگناسٹِک کے
معنی ہیں بے علم۔ بے خبر۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ خُدا کے بارے میں

نہ کوئی علم ہے اور نہ ہو سکتا ہے کیونکہ خُدا کی ہستی کا صحیح اور درست ثبوت کوئی ہے ہی نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں نہ تو یہ معلوم ہے کہ وہ ہے اور نہ یہ معلوم ہے کہ وہ نہیں ہے۔ ہم اُس کے بارے میں بے علم اور بے خبر ہیں۔ وہ خُدا کو نامعلومِ اعظم قرار دیتے ہیں۔ اور اِس لحاظ سے وہ خود بے علمِ اعظم اور بے خبرِ عظیم ہیں۔ وہ خُدا کا نامعلوم ہونا الجبرے کے علم میں یوں بیان کرتے ہیں کہ خُدا x^n یا لا^ن ہے جس میں نہ x یا لا کی قیمت معلوم ہے اور نہ n یا ن کی لہٰذا وہ بڑا نامعلوم ہے۔ یہ تو اُس کے بارے میں خُدانادان کہتے ہیں لیکن خُدا دان کہتے ہیں کہ ہم کو x یا لا اور n یا ن دونوں کی قیمت معلوم ہے۔ لا کی قیمت لامحدود یا ∞ ہے اور ن کی قیمت ہے پس لا^ن = ∞^1 = ∞ = لامحدود ہے۔ یعنی خُدا لامحدود ہے اُس کا وجود لامحدود ہے۔ اُس کی صفات اور اُس کے کمالات لامحدود ہیں۔ اُس کی موجودگی یا اُس کے ہونے کا عرصہ لامحدود ہے اور اُس کا مکان یا اُس کی جگہ لامکانیت ہے اور اُس کی لامکانیت لامحدود ہے یہ ایک لامحدود وجود ہر لحاظ سے لامحدود ہے اور خُدا نامعلومِ اعظم نہیں بلکہ معلومِ اعظم ہے خُدا جس کے بارے میں ہم بہت کچھ یا کافی کچھ جانتے ہیں اُسے نامعلومِ اعظم کہنا کذبِ اعظم ہے یعنی سب سے بڑا جھوٹ یا بہت بڑا جھوٹ ہے اِس باب میں یہ ثابت کیا جائے گا کہ اِنسان کا خُدا کے بارے میں یہ اعتقاد کہ وہ ہے بالکل راست

اور کامل طور پر یقینی ہے اور خُدا ناد انوں کا یہ دعوٰی کہ خُدا کی ہستی کا صحیح اور درست ثبوت کوئی نہیں ہے بالکل نہ درست اور لا یعنی دعوٰی ہے۔

خُدا جو ہمارا خالق اور خُداوند ہے وہ مخلوقات کے ذریعے سے عقل کی فطری روشنی سے یقینی طور پر جانا جا سکتا ہے۔ یہ بات مسئلۂ ایمان ہے۔ وَٹیکین کی پہلی کونسل نے یہ فتوٰی دیا کہ اگر کوئی کہے کہ واحد سچّا خُدا جو ہمارا خالق ہے اور خُداوند ہے وہ مخلوق چیزوں کے ذریعے سے اِنسانی عقل کی روشنی سے یقینی طور پر نہیں جانا جا سکتا تو اُس پر لعنت ہو۔

وَٹیکین کونسل کا یہ فتوٰی مندرجہ ذیل نکات پر زور دیتا ہے۔

الف۔ ہمارے جاننے کا مقصود واحد سچّا خُدا ہے جو ہمارا خالق اور خُداوند ہے۔ وہ دُنیا سے الگ اور علیحدہ وجود ہے اور اُس میں شخصیت پائی جاتی ہے یعنی وہ پرسنل اور شخصی خُدا ہے۔ وہ کائنات نہیں ہے جیسے کہ ہمہ اوستی مانتے ہیں بلکہ کائنات سے بالکل الگ ہے اور کائنات کا بنانے والا ہے۔

ب۔ وہ شے جو خُدا کو جانتی ہے وہ اِنسان کی فطری عقل ہے جیسی کہ وہ زمین پر ہے۔

ج۔ خُدا کو جاننے کا وسیلہ خلق کی ہُوئی چیزیں ہیں یعنی کائنات اور اُس کی سب اشیاء۔ پتّے پتّے میں تیرا پتہ مل گیا۔ مجھ کو ہر شے میں تیرا پتہ مل گیا۔

د۔ خُدا کے بارے میں علم جو حاصل ہوتا ہے وہ اپنے طور اور اپنی ماہیت میں یقینی علم ہے۔

ہ۔ خُدا کا ایسا علم یعنی یقینی علم ممکن ہے لیکن اُسے جاننے کا یہی واحد طریق نہیں ہے۔

کتابِ مقدس سے ثبوت۔

ا۔ کتابِ مقدس کی گواہی کے مطابق خُدا کی ہستی قُدرت سے معلوم ہو سکتی ہے۔ قُدرت سے مُراد نیچر یعنی کائنات ہے۔ حکمت کی کتاب میں آیا ہے کہ "سب لوگ جنہوں نے خُدا کو نہیں پہچانا اپنی سرشت ہی سے احمق ہیں۔ وہ نظر آنے والی اچھی چیزوں سے اُس کو جو ہے نہ جان سکے اور نہ اُنہوں نے کاریگریوں پر غور کر کے اُن کے کاریگر کو پہچانا مگر اُنہوں نے گمان کیا کہ آگ یا باد یا لطیف ہوا یا ستارگان کا دائرہ یا جوشاں پانی یا آسمان کے نیّر معبود ہیں جو جہان پر حکمرانی کرتے ہیں۔ اگر وہ اُن معبودوں پر اُن کی خوبصورتی کے باعث خوش ہو کر اعتقاد لائے تو اُن کو جاننا چاہیئے کہ اُن کا مالک اُن سے کس قدر زیادہ خوبصورت ہے کیونکہ جس نے اُن کو پیدا کیا وہی تمام خوبصورتی کا بانی ہے اور اگر وہ اُن کی قوّت اور اُن کی تاثیر سے حیران ہوئے تو اُن کو اُن سے سمجھنا چاہیئے کہ اُن کا بنانے والا اُن سے کتنا زیادہ طاقتور ہو گا کیونکہ مخلوقات کی عظمت اور خوبصورتی سے بطریق قیاس کے اُس کا پیدا کرنے والا دیکھا جا سکتا ہے پھر بھی اُن کے لئے عُذر کی وجہ ہے کہ شاید

وہ ایسی تلاش میں جو خُدا کے لئے تھی اور ایسی خواہش میں جو اُس کے پا لینے کی تھی گمراہ ہُوئے کیونکہ وہ غور کر کے مصنوعات میں اُس کی تلاش کرتے ہیں تو اُن کی شکل اُن کو فریفتہ کرتی ہے کیونکہ نظر آنے والی چیزیں خوبصورت ہیں باوجود اس کے اُن کے لئے عُذر نہیں کیونکہ اگر وہ ایسے علم تک پہنچے کہ اُن کو زمانے کی ماہیت جاننے کی بھی طاقت ہو گئی تو کس طرح اُنہوں نے ان چیزوں کے مالک کو پیشتر ہی نہ پہچان لیا" حکمت ۱۳ : ۱-۹

"اُس کے نادیدنی اوصاف دُنیا کی تکوین ہی سے مخلوقات پر غور و خوض کرنے سے صاف نظر آتے ہیں۔ ایسے ہی اُس کی ازلی قُدرت اور اُلوہیت بھی۔ یہاں تک کہ وہ کچھ عُذر نہیں کر سکتے" رومیوں ۱ : ۲۰ ۔ خُدا کا علم جس کی اِن دو حوالوں میں گواہی دی گئی ہے فطری ہے یقینی ہے اور کائنات سے براہ راست حاصل ہوتا ہے اور آسانی سے حاصل ہوتا ہے۔

ب۔ ضمیر سے خُدا کی ہستی کا ثبوت:-

"غیر قوم میں جن کے پاس شریعت نہیں ہے اگر طبیعت سے شریعت کا کام کرتی ہیں۔ تو وہ شریعت نہ رکھنے کے باوجود اپنے لئے خود ہی ایک شریعت ہیں چنانچہ وہ شریعت کی باتیں اپنے دلوں پر لکھی ہُوئی ظاہر کرتی ہیں اور اُن کی ضمیر اور باطنی خیالات بھی یہی گواہی دیتے ہیں جب یا تو الزام لگاتے ہیں یا معذور رکھتے

ہیں"۔ رومیوں ۲: ۱۴-۱۵ غیر قوموں کے لوگوں کو شریعت کی لازمی ضروری اور اہم باتوں کا علم فطرتاً حاصل ہے۔ غیر قومیں جن کے پاس شریعت نہیں جن کے پاس موسوی شریعت یا عہدِ عتیق کی شریعت نہیں ہے اُن کے پاس بھی ایک شریعت ہے جو ضمیر اور دِل کی شریعت ہے۔ اُن کے دِل میں ایک شریعت لکھی ہوئی ہے جس کا ماننا ایسے ہی فرض ہے جیسے موسوی شریعت کا ماننا فرض ہے اور یہ ضمیر اور دِل کی شریعت سب سے بڑے شریعت دینے والے کا پتہ دیتی ہے۔ سب سے بڑا شریعت دینے والا خُدا ہے پس یہ خُدا کا پتہ دیتی ہے۔ دِل یا ضمیر کی شریعت سے ثابت ہوتا ہے کہ خُدا ہے۔

ج۔ تاریخ سے خُدا کی ہستی کا ثبوت:۔

"اُس زندہ خُدا کی طرف پھرو جس نے آسمان اور زمین اور سمندر اور جو کچھ اُن میں ہے پیدا کیا۔ اُس نے اگلے زمانے میں سب قوموں کو اپنی اپنی راہ چلنے دیا تو بھی اُس نے اپنے آپ کو بے گواہ نہ چھوڑا چنانچہ اُس نے مہربانیاں کیں اور آسمان سے تمہارے لئے پانی برسایا اور بڑی بڑی پیداوار کے موسم عطا کئے تمہارے دِلوں کو خوراک اور خوشی سے بھر دیا" اعمال ۱۴: ۱۵-۱۷۔ "اُس نے ایک ہی اصل سے آدمیوں کی ہر ایک قوم تمام رُوئے زمین پر رہنے کے لئے پیدا کی اور اُن کی معیادیں اور سکونت

کی حدیں مقرّر کیں تاکہ خُدا کو ڈھونڈیں شاید کہ ٹٹول کر اُسے پائیں ہر چند وہ ہم میں سے کسی سے بھی دُور نہیں ہے کیونکہ اُس میں ہم جیتے اور چلتے پھرتے ہیں اور موجود ہیں جیسے کہ تمہارے شاعروں میں سے بھی بعض نے کہا ہے کہ ہم تو نسل ہی اُسکی ہیں،، اعمال ۱۷ ۲۶۔ ۲۸ مقدس پولُوس رسول نے جو تقریریں لُسترہ کے ایتھنز میں اریوپگس کے مقام پر کیں اُن میں یہ پایا جاتا ہے کہ خُدا اپنی مہربانیوں کے کاموں سے اپنے آپ کو غیر قوموں پر بھی ظاہر کرتا ہے اور اُسے دریافت اور معلوم کر لینا آسان ہے کیونکہ وہ ہم میں سے ہر ایک کے نزدیک ہے "کیونکہ ہم اُسی میں جیتے چلتے پھرتے اور موجود ہیں۔" اعمال ۱۷ : ۲۸ "ہر ایک گھر کا کوئی نہ کوئی بنانے والا ہوتا ہے مگر جس نے سب چیز بنائیں وہ خُدا ہے،، عبرانیوں ۳ : ۴ نیز دیکھیں ایوب ۱۲ : ۷۔۱۰ ازبور ۱۹ : ۱

پس خُدا جو سب چیزوں کا شروع اور آخر ہے عقل کی فطری روشنی سے یقینی طور پر جانا جا سکتا ہے جیسے کہ کوئی سبب اپنے نتیجے سے جانا جاتا ہے ویسے ہی خُدا بھی مخلوقات کے ذریعے سے جانا جاتا ہے یعنی کائنات کی موجودگی اور تخلیق کے دیدنی کاموں سے جانا جاتا ہے اور اُس کی ہستی قاطع اور ساطع دلائل سے ثابت ہوتی ہے۔

د۔ روایت سے خُدا کی ہستی کا ثبوت:۔

آبا کتابِ مقدس کے مندرجہ بالا ثبوتوں کے بارے میں اِس بات پر زور دیتے ہیں کہ خُدا کے قُدرتی علم کا حصول ممکن اور آسان ہے۔ طرطولیئن کہتا ہے کہ "اَے رُوح! تُو فطرتاً مسیحی ہے" یعنی اِنسانی روح جو فطرتاً مسیحی ہے وہ خُدا کے ہونے پر گواہی دیتی ہے۔ اِنسانی رُوح فطرتاً خُدا کو ماننے والی ہے اِس لئے وہ مسیحی ہے۔ اِنسانی روح کے ذریعے سے خُدا کی ہستی ثابت ہوتی ہے۔ یُونانی آبا خُدا کے بارے میں کائناتی ثبوتوں کو ترجیح دیتے تھے جو خارجی یا بیرونی تجربے سے صادر ہوتے ہیں۔ لیکن لاطینی آبا نفسیاتی ثبوتوں کو ترجیح دیتے ہیں جو باطنی یا اندرونی تجربے سے صادر ہوتے ہیں۔ تھیوفیلس انطاکوی لکھتا ہے کہ "خُدا ہر چیز کو نیستی سے ہستی میں لایا ہے تاکہ اُس کی عظمت اُس کے کاموں کے ذریعے سے جانی اور سمجھی جائے جس طرح رُوح جو اِنسان میں ہے وہ نظر نہیں آتی کیونکہ یہ نادیدنی ہے اِسی طرح خُدا بھی اِنسانی آنکھوں سے نظر نہیں آسکتا لیکن وہ اپنی پروردگاری اور اپنے کاموں کے ذریعے سے دیکھا اور جانا جاتا ہے۔ سمندر پر جب کوئی جہاز بندرگاہ کی طرف جا رہا ہو تو جہاز کو بندرگاہ کی طرف جاتے ہُوئے دیکھنے والا شخص یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ جہاز میں کوئی ایسا شخص ضرور موجود ہے جو اِسے

چلاتا اور اِسے بندرگاہ کی طرف لے جاتا ہے اسی طرح یہ بھی جان لینا چاہیئے کہ خُدا ہر چیز کا چلانے والا ہے اگرچہ وہ بدنی آنکھوں کے ساتھ نظر نہیں آتا کیونکہ اُسے بدنی آنکھوں کے ساتھ نہیں دیکھ سکتے" اتھناگوراس۔ کلیمنٹ اِسکندرومی۔ مقدس باسل۔ مقدس گریگوری اعظم۔ مقدس اِرینیئس اور مقدس یُوحنا خرِوسوستم بھی اپنی تصانیف میں اِسی طرح کی دلائل پیش کرتے ہیں۔

کیا خُدا کا خیال یا تصوُّر اِنسان میں فطری جبلّی یا وجدانی ہے؟

بعض عُلمائے نے یہ کہا ہے کہ اِنسان میں خُدا کا علم فطری اور پیدائشی ہے لیکن یہ بات حقیقت اور تجربے کے خلاف ہے۔ اِنسان خُدا کا علم اپنے اندر سے نہیں بلکہ باہر سے حاصل کرتا ہے۔ دہریوں کا موجود ہونا یہ ثابت کرتا ہے کہ اِنسان کو یہ علم اُس کے اندر سے حاصل نہیں ہوتا۔ خُدا کے بارے میں اِنسان کا علم فطری اور جبلی نہیں بلکہ یہ اِسے باہر سے حاصل ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص باہر سے حاصل ہونے والے علم کو قبول نہیں کرتا تو وہ دہریہ بن جاتا ہے۔ جن مسیحی علما نے یہ کہا ہے کہ اِنسان میں خُدا کا علم فطری اور جِبلّی ہے اس سے اِن کی مُراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ یہ کہنا چاہتے تھے کہ خُدا کو جاننے کا ملکہ اور اُس کا علم حاصل کرنے کی قابلیت اِنسان کی فطرت میں پائی جاتی ہے۔ خُدا کو جاننا اِس قدر آسان ہے کہ اُنھوں

نے خُدا کے علم کے آسانی سے حاصل ہونے کو اِس کا فطری اور جِبلّی علم کہا۔ اِنسان فطرتاً خُدا کو جاننے کے قابل ہے۔ جس طرح اِنسان میں خود دانی کی قابلیت فطرتاً موجود ہے اِسی طرح اِس میں خُدا دانی کی قابلیت بھی فطرتاً موجود ہے۔ جہاں اور باتوں میں اِنسان خُدا کی صورت پر ہے وہاں خاص کر اِس وجہ سے یہ خُدا کی صورت پر ہے کہ اس میں خود دانی (self-consciousness) اور خُدا دانی (God-consciousness) پائی جاتی ہیں۔ اِنسان میں خُدا دانی کا پایا جانا اِس کا خُدا کی صورت پر ہونا ہے۔ اِنسان میں خُدا کا علم فطری اور وِجدانی نہیں ہوتا لیکن خُدا کو جاننے کی قابلیت اِس میں فطرتاً موجود ہوتی ہے۔

اِنسان اپنی فطری قابلیت سے جانتا ہے کہ "ہر ایک گھر کا کوئی نہ کوئی بنانے والا ہوتا ہے مگر جس نے سب چیزیں بنائیں وہ خُدا ہے" عبرانیوں ۳: ۴ "آسمان خُدا کا جلال ظاہر کرتا ہے اور فضا اُس کی دستکاری دکھاتی ہے" زبور ۱۹: ۱ "حیوانوں سے پُوچھ تو وہ تجھے سکھائیں گے اور ہوا کے پرندوں سے دریافت کر تو وہ تجھے بتائیں گے یا زمین سے بات کر تو وہ تجھے سکھائے گی اور سمندر کی مچھلیاں تجھ سے بیان کریں گی۔ کون نہیں جانتا کہ اِن سب باتوں میں خُداوند ہی کا ہاتھ ہے جس نے یہ سب بنایا۔ اُسی کے ہاتھ میں ہر جاندار کی جان اور کُل بنی آدم کا دم ہے" ایوّب ۱۲: ۷-۱۰

خُدا کے ہونے کا پہلا ثبوت کائنات کی موجودگی ہے کیونکہ
کائنات خودہست نہیں ہے خودہست کا ہونا لازمی اور واجب
ہے۔ اُس کا نہ ہونا ناممکن ہے تبھی تو وہ خودہست ہے پس
خودہست واجب الوجود ہے۔ واجب کے معنی لازمی اور ضروری
ہیں۔ لہٰذا واجب الوجود ایسا وجود ہے جس کا ہونا لازمی اور
ضروری (Nesessary) ہے اور وہ وجود اُس طرح کا ہوگا جس
طرح کا ہونا لازمی اور ضروری ہے پس اُس کی حالت تبدیل نہیں
ہو سکتی۔ وہ لاتبدیل ہوگا لیکن کائنات اور جو کچھ اِس میں ہے
وہ تبدیل ہوتا رہتا ہے لہٰذا تبدیل ہوتی رہنے والی چیز خودہست
اور واجب الوجود نہیں ہے پھر اِس کی ہر تبدیلی کا کچھ وقت یا
عرصہ ہے اور وہ عرصہ محدود عرصہ ہوتا ہے اگر اس شیٔ کی سب
تبدیلیوں کے سب محدود عرصوں کو جمع کیا جائے تو سارا مجموعی
عرصہ بھی محدود ہی ہوگا کیونکہ مجموعہ محدودات محدود ہوتا ہے
اگر کہو کہ ازل سے تبدیلیاں ہوتی آئی ہیں تو تسلسل لازم آئے
گا۔ یعنی بے حد سلسلہ ہوگا لیکن تسلسل یا بے حد سلسلہ باطل ہے
کیونکہ کوئی سلسلہ بے حد نہیں ہو سکتا۔ کوئی سلسلہ بے حد نہیں ہوتا
سلسلے کا ہمیشہ شروع ہوتا ہے لہٰذا کائنات کی تبدیلیوں کے سلسلے
کا بھی شروع ہے اِس لئے کائنات کا کوئی شروع کرنے والا ہے۔
کائنات کی تبدیلیوں کی تعداد ہے۔ گنتی اور شمار ہے۔ تعداد
معیّن اور مقرر ہوتی ہے وہ کبھی بے حد نہیں ہوتی۔ جو چیز گنی

جاتی ہے اُس کی تعداد معیّن ہوتی ہے یعنی محدود ہوتی ہے
پس کائنات کی تبدیلیوں کی تعداد محدود ہے اور اِن کا عرصہ
بھی محدود ہے لہٰذا کائنات ازلی اور ہمیشہ سے نہیں ہے۔
یہ واجب الوجود نہیں ہے اور جو واجب الوجود نہ ہو وہ
ممکن الوجود ہوتا ہے۔ ممکن الوجود کا ہونا اور نہ ہونا دونوں
ممکن ہوتے ہیں کائنات کے بارے میں یہ بھی ممکن تھا کہ یہ
کبھی وجود میں نہ آتی جیسے کہ یہ ازل سے ابتدا تک کائنات
تک غیر موجود رہی تھی اور یہ بھی ممکن تھا کہ یہ وجود میں لائی
جائے جیسے کہ یہ ابتدا سے لے کر ہے پس کائنات محض ممکن
الوجود ہے اور اِس کا بنانے والا کوئی اَور ہے اور جو اِس کا
بنانے والا ہے وہ خُدا ہے۔ کوئی چیز اپنے آپ کو آپ نہیں
بنا سکتی۔ اپنے آپ کو بنانے کے لئے اُسے اپنے آپ کو بنانے
سے پہلے موجود ہونا چاہیئے یعنی وہ ہو گی بھی اور نہیں بھی ہو
گی۔ وہ ہو گی اِس لئے کیونکہ اُسے اپنے آپ کو بنانا ہے اور
اپنے آپ کو بنانے کے لئے اُسے پہلے موجود ہونا چاہیئے اور وہ نہیں
ہو گی کیونکہ اُسے ابھی بننا ہے لہٰذا اپنے آپ کو آپ ہستی میں لانا
سخت نامعقول بات ہے پس ظاہر ہے کہ کائنات نے اپنے آپ
کو آپ نہیں بنایا کیونکہ یہ ناممکن ہے بلکہ اِسے کسی اَور نے بنایا
ہے اور اُسی کو ہم خُدا کہتے ہیں۔
خُدا کی ہستی کی دوسری دلیل وہ تجویز اور ترتیب ہے جو

کائنات میں پائی جاتی ہے۔ انسانوں اور دیگر جانداروں کو بینائی کی ضرورت ہے تو اِن کے لئے آنکھیں اور روشنی مہیا کی ہیں سُننے کی ضرورت کو پورا کرنے کیلئے کان اور آواز ہیں۔ سانس لینے کے لئے ہوا اور پھیپھڑے ہیں غرض یہ کہ ہر ضرورت کا سامان موجود ہے۔ پیاس لگتی ہے تو پیاس بجھانے کے لئے پانی موجود ہے۔ بھوک لگتی ہے تو بھوک مٹانے کیلئے خوراک موجود ہے آنکھ کان دل اور ہاتھ کی ساخت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان اعضا کا بنانے والا بے حد دانا اور عقلمند ہے اور اُس نے مرضی سے تجویز اور ترتیب کے کام کئے پس اُس میں عقل اور مرضی پائی جاتی ہیں اور وہ عقل اور مرضی والا ہونے کی وجہ سے شخصیت والا ہے اُس کا وجود شخص والا یا شخصی یا پرسنل (personal) ہے۔ وہ پرسن (Person) ہے۔ دُنیا میں تجویز کا پایا جانا یہ ظاہر کرتا ہے کہ کوئی تجویز کرنے والا یا مُجوِّز ہے اور ترتیب سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی ترتیب دینے والا یا مُرتّب ہے۔ اجرامِ فلکی کا نظام اور کائنات کی سب چیزوں کا ایک دوسری کو مکمل کرنے والی ہونا اعلےٰ منتظم کا پتہ دیتی ہے انسان کی کہنی کے جوڑ کا خیال کرو۔ اگر یہ جوڑ نہ ہوتا تو ہم روٹی کا نوالہ اور پانی کا گلاس اپنے مُنہ تک کیسے لا سکتے پھر دوسرا شخص اپنے سیدھے بازو کے ساتھ ہمارے مُنہ تک نوالہ اور گلاس لاتا اور اُس کے لئے بھی یہ کام کرنا چنداں آسان نہ ہوتا اور کئی اور کام جو اس

جوڑ کے نہ ہونے سے ہم نہ کر سکتے تھے۔ اِس جوڑ کے ہونے سے ظاہر ہوتا ہے کہ بنانے والے نے یہ دیکھا کہ یہاں جوڑ کا ہونا ضروری ہے پس وہ عقل والا ہے۔ اُس نے جوڑ بنا دیا لہٰذا وہ قُدرت والا ہے۔ اُس نے دیکھا کہ یہاں جوڑ کا ہونا اِنسان کیلئے بہت مفید ہے اور نہ ہونا بڑے نقصان کا باعث ہے اِس لئے وہ محبّت والا ہے اِسی طرح دُنیا کی ہر شَے سے خالق کی عقل قُدرت اور محبّت ظاہر ہے سّچ ہے کہ پتّے پتّے میں تیرا پتہ مل گیا۔

کائنات میں جس قِسم کی تجویز، ترتیب اور تنظیم پائی جاتی ہے یہ امرِ اتفاقی ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اِس قِسم کی کائنات اتفاق یا چانس (chance) کا نتیجہ نہیں ہو سکتی بلکہ عقل مرضی قُدرت اور محبّت کا نتیجہ ہے یعنی یہ کائنات عقل مرضی قُدرت اور محبّت سے بنائی گئی ہے۔

اِنسان کی تمدّنی حالت اور تاریخِ دُنیا سے معلوم ہوتا ہے کہ اِنسانی خود غرضیوں اور خرابیوں کے باوجود یہ خُدا کی حکمت کے قابو میں ہیں یعنی تمدّنی حالت اور تاریخ دُنیا کے واقعات کی باگ ڈور خُدا کے ہاتھ میں ہے۔ ساری کائنات کے مجموعی واقعات کا رُخ اُدھر ہے جدھر خُدا کائنات کے مجموعی واقعات کو لے جانا چاہتا ہے۔ کائنات کے مجموعی واقعات کے رُخ کے پڑھنے والے ماہرین کہتے ہیں کہ شیاطین اور بُرے اِنسانوں اور

خُدا کے سب دُشمنوں کی انتہائی کوششوں کے باوجود جو وہ خُدا کے مقصد کو ناکام بنانے کے لئے کرتے رہے ہیں اور کرتے رہتے ہیں مگر پھر بھی کائنات واقعات کے لحاظ سے بالکل اُسی طرف جا رہی ہے جس طرف خُدا چاہتا ہے کہ یہ جائے یعنی یہ اُس طرف جا رہی ہے جدھر خُدا اِسے لے جانا چاہتا ہے اور اُس راہ سے سرِ مو اِدھر اُدھر نہیں ہوتی۔

خُدا کی ہستی کا اَخلاقی دلیل سے ثبوت:۔

اَخلاق کی دلیل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک سب سے بڑا آقا اور مالک ہے جس کے آگے سب آدمی اپنے اَخلاقی کاموں کے ذمہ دار ہیں۔ وہ دلیل یہ ہے کہ دُنیا کے ہر حِصے میں معاشرے کے ہر درجے میں اور سب نسلوں میں سب آدمیوں کو جب عقل کافی طور پر حاصل ہو جاتی ہے یا جب وہ عقلی بلوغت کو پہنچ جاتے ہیں تو وہ اِس پختہ اور مضبوط یقین پر متفق پائے جاتے ہیں اور یہ یقین اُن کے جذبات پر لگاتار قابو رکھتا اور اُن کو روکتا ہے اور وہ پختہ یقین یہ ہے کہ ایک سب سے بڑا آقا اور مالک موجود ہے جس کے آگے ہم اپنے اَخلاقی کاموں کے لئے جوابدہ ہیں۔ یہ مضبوط اور عالمگیر فیصلہ غلط نہیں ہوسکتا ورنہ یہ نتیجہ نکلے گا کہ غلط فیصلہ کرنا اِنسان کے لئے فطری ہے اور اِنسانی عقل سچائی جاننے کی ذاتی لیاقت قابلیت ذہنی قوت گن اور

طاقت (Faculty) ہونے کی بجائے عالمگیر دھوکے کا سرچشمہ ہے۔
اَخلاقی شریعت خُدا کی ہستی کو دو طرح سے ظاہر کرتی ہے۔
خُدا کے بغیر اِس کے بارے میں نہ تو بتایا جا سکتا ہے کہ یہ کیوں موجود ہے اور نہ اِس کا کوئی اثر ہو سکتا ہے اگر خُدا کو نہ مانا جائے تو اَخلاقی شریعت بے اثر اور بے نتیجہ ہو گی۔ کوئی اِس پر عمل نہیں کرے گا دہریوں اور اشتراکی لوگوں کو دیکھو کہ کس قدر ظالم بے درد بے انصاف اور ہر نیکی سے دُور ہیں۔ یہ اخلاقی شریعت ہم پر پُر زور اثر کرتی ہے کیونکہ یہ ہماری فطرت اور ذات کے مضبوط ترین محّرِک سے مطابقت رکھتی ہے۔ ہم سب اُس خوشی کے حصول کے لئے کوشش کر رہے ہیں جس کے بارے میں ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ اُس کا خاتمہ نہیں ہو گا اور وہ خالص خوشی ہو گی یعنی خوشی ہی خوشی ہو گی اور اُس میں غم اور دُکھ کا نام و نشان نہیں ہو گا اور اِس خوشی کا اجر اور انعام اُن کو ملے گا جو اپنے فرائض وفاداری سے سر انجام دیتے ہیں اور ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو بُرے ہیں اور اپنے فرائض کی بجا آوری سے نفرت کرتے ہیں وہ دُکھ اور ناخوشی کی سزا پائیں گے لیکن خوشی صرف تبھی پیدا ہو سکتی ہے جب کہ نیچر یعنی قُدرت یا فطرت اور ہماری خواہشات میں مطابقت ہو۔ یہ مطابقت ہم خود پیدا نہیں کر سکتے کیونکہ نیچر یا فطرت ہمارے قبضے اور قابو میں نہیں ہے پس اَخلاقی شریعت پر عمل کرنے کے اجر کی خوشی اُسی

صورت میں ممکن ہے جب کہ ایک ایسا خُدا موجود ہو جسے ہماری خواہشات کا علم ہو اور جس میں اُن خواہشات کے پورا کرنے کی قُدرت ہو۔

فرض کی موجودگی سے خُدا کی ہستی یقینی طور پر ثابت ہوتی ہے۔ اِنسان اخلاقی شریعت کے ماتحت ہے جو اسے نیکی کرنے اور بدی نہ کرنے کا حکم دیتی ہے۔ اخلاقی شریعت جبر نہیں کرتی جیسے کہ قوانینِ قُدرت جبر کرتے ہیں اور نہ یہ ریاضی کے قوانین اور اصولوں جیسی ہے اُن سے بھی رُوگردانی نہیں ہو سکتی۔ اِن دونوں قسموں کے قوانین کی تعمیل کے لئے اِنسان مجبُور ہوتا ہے لیکن اخلاقی قوانین اِس طرح کے نہیں ہیں۔ جبراً کرنے یا لاًمحالہ کرنے میں آزادی نہیں ہوتی۔ جبر اور لزوم آزادی کے ساتھ نامطابقت رکھتے ہیں جب کہ فرض کی ادائیگی آزادی کے ساتھ نامطابق نہیں ہوتی بلکہ اس میں آزاد مرضی سے انتخاب کرنا پایا جاتا ہے۔ اگر مَیں اپنا توازن کھو دُوں تو مَیں گرنے کے لئے مجبُور ہوتا ہُوں۔ مُجھے ضرور گرنا ہوتا ہے اور ریاضی کے قانون کی رُو سے مَیں یہ خیال نہیں کر سکتا کہ دو اور دو پانچ ہوتے ہیں۔ دو اور دو کا چار سمجھنا لازمی ہے لیکن مَیں نیکی اور بدی میں سے جو چاہوں کر سکتا ہوں۔ اِن کے کرنے اور نہ کرنے میں میں آزاد ہُوں۔ یہ آزادی لاتحتی نہیں ہے یعنی اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آزاد شخص کسی کے ماتحت نہیں ہے کیونکہ جب میں نیکی کرتا ہُوں

تو اُس وقت مجھے یہ احساس ہوتا ہے کہ مَیں شریعت کی فرمانبرداری
کر رہا ہوں۔ اور جب میں بدی کرتا ہُوں تو مَیں عالی تاثیر سے
نہیں بچ سکتا جس کا میرے باطن میں احساس ہوتا ہے۔ وہ مجھے
ملامت کرتی ہے یعنی مجھ میں پشیمانی ندامت اور شرمندگی پیدا
کرتی ہے۔ وہ مجھے شرمندہ کرتی اور مجھے شرمسار بنا دیتی ہے
یہ ملامت ندامت اور شرمندگی ایک منصف کی آواز ہے اور
اِسی طرح جب نیکی کی جاتی ہے تو اُسی منصف کی منظوری اور
پسندیدگی کی آواز آتی ہے جو رُوح کو خالص نادر اور نفیس خوشی
سے بھر دیتی ہے تو میرے آزاد کاموں کا منصف کون ہے۔ یہ
میں خود نہیں ہو سکتا کیونکہ پھر تو میرے کام ملامت سے بالا ہوتے۔
وہ اندرونی آواز کچھ تو میری آواز ہے لیکن وہ کچھ خُدا کی آواز
بھی ہے جو میری تعریف کرتی یا مجھے ملامت کرتی ہے۔ اِس کو
ضمیر کہتے ہیں۔ ضمیر ہمارے اندر خُدا کی موجودگی ہے۔ خُدا ہی
ہم پر کوئی فرض عائد کر سکتا ہے۔ عقل فرض کا صرف پتہ دیتی
ہے۔ یہ فرض کو پیدا نہیں کرتی ورنہ ہم نیک کام جس کو عقل
منظور کرے کہ یہ نیک کام ہے وہ فرض ہو گا۔ ہر طرح کے
نیک کام یا سب نیک کام کرنا فرض نہیں ہے بلکہ وہی نیک
کام کرنا ہمارا فرض ہے جس کا کرنا ہم سے خاص تعلق رکھتا ہے یا
جس کا کرنا ہمارے لئے مقرر کیا ہُوا ہے ہماری مرضی فرض کو
بجا لانے کا صرف ارادہ کرتی ہے۔ یہ فرض کو پیدا نہیں کرتی

اور نہ ہر ارادہ جو ہم کرتے ہیں اُس کا عمل میں لانا فرض ہوگا یعنی جو ارادہ بھی کریں وہ فرض ہوگا لیکن ہم خوب جانتے ہیں کہ ہمارے بہت سے ارادے ایسے ہوتے ہیں جو قطعاً فرض نہیں ہوتے دوسرے آدمی کی اعلےٰ عقل میری عقل کو روشن تو کر سکتی ہے تاکہ مجھے اپنے فرض کا پتہ لگے لیکن یہ میری اپنی عقل سے بڑھ کر مجھ پر فرض عائد نہیں کر سکتی۔ نہ میری عقل اور نہ کسی اَور کی عقل مجھ پر فرض عائد کر سکتی ہے۔ دوسرے کی مرضی مجھ پر دباؤ ڈال سکتی ہے لیکن وہ مجھ پر فرض کا احساس یعنی فرض پیدا نہیں کر سکتی یا یہ کہ مَیں دوسرے کی مرضی کی بات کو اپنا فرض نہیں سمجھ سکتا جب تک وہ بات مجھے اپنے فرض کا اظہار معلوم نہ ہو یعنی جب تک مجھے یہ معلوم نہ ہو کہ یہ بات واقعی میرا فرض ہے پس فرض کا واحد معقول حل وہی ہے جو یہ بتاتا ہے کہ فرض خُدا کی وہ آواز ہوتی ہے جس سے وہ اِنسان کی ضمیر کے ذریعے سے اُس کے ساتھ بات کرتا ہے۔ اِنسان کی ضمیر بتاتی ہے کہ اُس کا کیا فرض ہے۔ خُدا کی طرف سے ہمارے لئے خُدا کا پہلا پیغمبر ہماری ضمیر ہے۔

اِنسان کی ضمیر یا کانشنس سے خُدا کی ہستی ثابت ہوتی ہے

ہر ایک اِنسان نیکی اور بدی میں آسمان زمین کا فرق سمجھتا ہے سب اِس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ نیکی کرنا اور بدی نہیں کرنا چاہیئے۔ اگر کوئی ضد سے کہے کہ بدی کرنا ٹھیک ہے تو اُس

سے یہ پوچھنا چاہیئے کہ اوروں کے ساتھ ہی بدی کرنا ٹھیک ہے یا
تمہارے ساتھ بھی بدی کرنا ٹھیک ہے۔ کیا صرف یہی ٹھیک ہے
کہ تم اوروں سے بدی کر لیا کرو یا یہ بھی ٹھیک ہے کہ اور لوگ
بھی تم سے بھی بدی کر لیا کریں۔ اوروں کا تمہارے ساتھ بدی کرنا تو
تم کو بھی ضرور بُرا معلوم ہوتا ہو گا اور تم کو ہرگز پسند نہیں ہو گا
کہ اور لوگ تم سے بدی کریں۔ کیا تم کو تمہاری بے قصوری کی حالت
میں مارنا پیٹنا ٹھیک ہو گا؟ کیا تمہاری بے عزتی کرنا ٹھیک ہے؟
تمہاری بدنامی کرنا تمہاری چوری کرنا تمہارا مال لُوٹنا اور تمہیں قتل
کرنا ٹھیک ہے؟ اُس کو معلوم ہو جائے گا کہ میں نہیں چاہتا کہ میرے
ساتھ بدی کی جائے اور اُسے اور باقی کے سب اِنسانوں کو معلوم
ہے کہ ہر کوئی یہی چاہتا ہے کہ میرے ساتھ نیکی ہی نیکی کی جائے
اور میرے ساتھ قطعاً ذرا بھی بدی نہ کی جائے پس نیکی اور بدی
اور اِن کے فرق کو سب تسلیم کرتے ہیں۔ نیکی کرنا اور بدی نہ کرنا اخلاقی
شریعت ہے۔ اِن کا فرق اخلاقی شریعت کی موجودگی پر منحصر
اور موقوف ہے۔ اِنسان شریعت کا پابند ہے۔ شریعت حاکم
کی مرضی کا اِظہار ہے۔ شریعت دینے والے حاکم کے بغیر شریعت
کا ہونا ممکن نہیں ہے۔ وہ شریعت جو ہر ایک سمجھدار آدمی میں
نیکی کرنے پر زور دیتی اور بدی سے منع کرتی ہے وہ مخلوق
کی طرف سے نہیں ہے۔ ضمیر کی گواہی ہر کہیں یہی ہے کہ اخلاقی
شریعت پر عمل کرنے کی ذمہ داری اور اُس پر عمل نہ کرنے کی

جوابدہ ہی خُداہی سے تعلق رکھتی
ہیں ضمیر کی گواہی بہت صاف ہے۔ خُدا کی ہستی کے بارے
وجود ہیں اور حقیقت میں موجود ہیں۔ جبکہ ضمیر اور شریعت حقیقی
حقیقت میں موجود ہے۔ تو خُدا بھی فی الواقع اور
ہے اور نہ اخلاقی شریعت لہٰذا ضمیر اور اخلاقی شریعت کی موجودگی
سے خُدا کی موجودگی ثابت ہوتی ہے۔

مادی کائنات اور فوق الفطرت نظام سے خُدا کے ہونے کا ثبوت

۱۔ کائنات ممکن الوجود ہے اس لئے کوئی واجب الوجود اس کا خالق ہے اس کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہر معلول کی کوئی علّت ہوتی ہے۔ کائنات ممکن الوجود ہونے کے باعث معلول ہے اس لئے کوئی اس کی علّت ضرور ہے اور اس کی وہ علّت اس کا خالق ہے یعنی اس کی وہ علّت خُدا ہے لہٰذا خُدا موجود ہے۔

۲۔ کائنات میں تجویز ترتیب اور خوبصورتی پائی جاتی ہے لہٰذا کوئی تجویز کرنے والا۔ ترتیب دینے والا اور خوبصورتی پیدا کرنے والا موجود ہے اور اُس مجوّز مرتّب اور حُسن ساز کو خُدا کہتے ہیں۔ وہ خود حُسنِ مُطلق ہے اور اُس حسینِ مُطلق نے یہ خوبصورت دُنیا بنائی ہے۔

۳۔ ضمیر اور اخلاقی شریعت سے خُدا کی ہستی ثابت ہوتی ہے

۴۔ ہر جگہ اور ہر وقت پروردگاری نظر آتی ہے لہٰذا کوئی

پروردگار موجود ہے۔

۵۔ سب اِنسانوں میں خوشی کی خواہش پائی جاتی ہے۔ سب انسانوں میں اُن کی زندگی کے بہت بڑے حصے میں خوشی موجود ہوتی ہے اور دُکھ زندگی کی مستثنے حالت ہے۔ اِنسانی زندگی میں کوئی ہمیشہ کی خوشی کی خواہش کا ڈالنے والا اور اِس خواہش کو پورا کرنے والا ہے۔ کائنات کی سب چیزوں اور سب باتوں کی طرح ہمیشہ کی خوشی کی خواہش بھی سچی چیز اور سچی بات ہے لہٰذا اِس خواہش کا کوئی پیدا کرنے والا اور اِسے پورا کرنے والا موجود ہے

۶۔ اِنسان میں الٰہی پرستش کی قوّت اور رغبت موجود ہے اِس حقیقت پر سب قوموں کی شہادت متفق ہے۔ عبادت کی طبیعت اور اِمکان سب میں موجود ہے۔ اِس قوّت و رغبت کی موجودگی ثابت کرتی ہے کہ خُدا موجود ہے۔ جب کہ آنکھوں کے لئے نور کانوں کے لئے آواز پھیپھڑوں کے لئے ہوا جسم کے لئے خوراک اور عقل کے لئے علم ہے تو رُوح کی سیری کے لئے بھی کچھ ہونا چاہیئے۔ رُوح کی سیری خُدا سے شراکت اور رفاقت میں ہے۔ اگر رُوح کے لئے زندہ خُدا نہ ہو تو یہی اکیلی ایسی ہو گی جس کی سیری اور آسودگی کے لئے کوئی سامان موجود نہیں ہے۔ صرف یہی ایک ایسی ہو گی جس کی آسودگی کے لئے کچھ بھی نہیں ہو گا۔ صرف یہی جو کائنات کی سب سے اعلےٰ چیز ہے سیری اور آسودگی سے محروم رہے گی لیکن جس طرح باقی چیزیں محروم

نہیں ہیں اُسی طرح یہ بھی محروم نہیں ہے۔ اِس کی سیری کے لئے زندہ خُدا ہونا چاہیئے۔ لہٰذا اِس کی سیری اور آسودگی کے لئے زندہ خُدا موجود ہے۔ رُوح کی آسودگی کی ضرورت کے پورا ہونے سے خُدا کی ہستی ثابت ہوتی ہے۔

۷۔ راست بازوں کے تجربے سے خُدا کی ہستی ثابت ہوتی ہے

جب اِنسان گناہ اور اُس کی آلودگیوں اور نجاستوں سے بچنے کے لئے خُدا کی تلاش کرتے ہیں تو وہ اُنہیں مل جاتا ہے۔ وہ عجیب طور سے اپنے آپ کو اُن کے دِلوں میں ظاہر کرتا ہے اُنہیں اُس کی رفاقت حاصل ہو جاتی ہے اور اُسکی رفاقت کا تجربہ حاصل ہونے سے اُس کی ہستی پر شک کرنا ممکن نہیں رہتا۔ اُنہیں اُس کی مددوں، نعمتوں اور برکتوں کے حاصل ہونے کے بے شمار تجربے اور موقعے حاصل ہوتے ہیں۔ مشکلات خطرات، مصائب اور ضروریات میں اُس کی اِمدادیں اُس کی ہستی سے اچھی طرح ثابت کرتی ہیں۔ اُن کی تسلیاں پریشانیوں کو دُور کرتی ہیں۔ یہ تجربہ بہتوں کو حاصل ہُوا ہے اور جوں جوں زمانہ گزرتا ہے توں توں خُدا کے اُن ماننے والوں کا شمار بڑھتا جاتا ہے جنہیں یہ تجربہ حاصل ہے۔ اِس تجربے کے بارے میں اُن کی گواہی بہت صاف ہے اور اُن کے نیک کاموں اور نیک زندگی سے اُن کی گواہی سچی ثابت ہوتی ہے۔ جو خُدا کو نہیں مانتے اُن میں کسی کی بھی زندگی نیک نہیں ہوتی۔

وہ نیک زندگی با اعلےٰ درجے کی نیک زندگی کے لیئے مشہور و معروف اور نامور نہیں ہوتے۔ وہی لوگ نیک اور اعلےٰ درجے کے نیک اور چھوٹی کے نیک ہوتے ہیں جو خُدا کو مانتے ہیں۔ وہ زندگی جو خُدا کے ساتھ بسر کی جاتی ہے نیک زندگی ہوتی ہے پس راستبازوں کے تجربے اور اُن کی نیک زندگی سے خُدا کی ہستی ثابت ہوتی ہے۔

۸۔ بائبل مقدس میں بہت سی پیشگوئیاں پائی جاتی ہیں جن کا بہت بڑا حصہ پورا ہو چکا ہے اور کچھ کا پورا ہونا ابھی باقی ہے۔ دوسری پیشگوئیوں کی طرح وہ بھی اپنے اپنے وقت پر ضرور پوری ہوں گی۔ مَیں لکھ رہا ہوں لیکن مستقبل کے بارے میں مَیں اِتنا بھی نہیں جانتا کہ دو منٹ کے بعد میرا قلم کیا لکھ رہا ہو گا۔ بائبل میں سینکڑوں ہزاروں برس پہلے اُن واقعات کی خبر دی گئی ہے جو ہونے والے تھے اور جو تھوڑے عرصے کے بعد ہونے والے تھے اُن کی بھی پہلے سے خبر دی گئی ہے۔ بعض باتیں قیافے سے اور قدرتی طور پر معلوم ہو سکتی لیکن بائبل کی پیشگوئیوں کی باتیں ایسی ہیں جو قیافے اور قُدرتی طور پر معلوم نہیں ہو سکتیں۔ مذہب اور علم اِلٰہی کے لحاظ سے حقیقی پیشگوئی وہی ہوتی ہے جو قیافے سے اور قُدرتی طور پر معلوم نہ ہو سکے۔ مذہب کی رُو سے پیشگوئی وہ ہوتی ہے جس میں بیان کیا ہُوا ہونے والا واقعہ قیافے سے اور

قدرتی طور پر معلوم نہ ہو سکے مستقبل کا اِس طرح کا علم صرف خُدا ہی کو ہو سکتا ہے لہٰذا بائبل کی پیشگوئیوں کے پورے ہونے سے خُدا کی ہستی ثابت ہوتی ہے۔

۹۔ بائبل مقدس میں بے شمار معجزات کے وقوع میں آنے کا ذکر پایا جاتا ہے۔ وہ معجزات خُدا کے خاص بندوں نے کئے اور جس طرح پیشگوئیوں سے مستقبل کے بارے میں خُدا کا خاص علم ظاہر ہوتا ہے اُسی طرح معجزات سے خُدا کی خاص قُدرت ظاہر ہوتی ہے۔ معجزے اُس طاقت و قوت سے نہیں ہو سکتے جو قُدرتی یا نیچر کی ہے بلکہ یہ فوق الفطرت قُدرت سے وقوع میں آتے ہیں۔ یہ قوانینِ قُدرت سے نہیں بلکہ نیچر اور قُدرت سے بالا قُدرت سے وقوع میں آتے ہیں۔ فطرت اور نیچر سے بلند و بالا قُدرت خُدا کی قُدرت ہے۔ نیچر سے بلند و بالا قُدرت سے وہ قدرت مُراد ہے جو فرشتوں کی طاقت سے بھی بلند و بالا ہے کیونکہ فرشتے نیچر سے باہر یا اُوپر نہیں ہیں بلکہ نیچر میں شامل ہیں لہٰذا معجزے کرنے والی قُدرت سے خُدا کی ہستی ثابت ہوتی ہے۔

۱۰۔ عہدِ عتیق کے تحت یہودیوں کی تاریخ سے خُدا کی ہستی ثابت ہوتی ہے۔ خُدا نے حضرت ابراہیم کے ساتھ عہد کیا یہ عہد خُداوند یسوع مسیح سے قریباً دو ہزار سال پہلے باندھا گیا تھا پھر حضرت موسیٰ کے وسیلے سے وہ عہد جسے پُرانا عہد یا

عہدِ عتیق کہتے ہیں بنی اسرائیل کے ساتھ باندھا گیا تھا۔ اِس عہد
کے زمانے کو پُرانے عہد کا زمانہ کہتے ہیں اِس عہد کے زمانے
کے دوران میں اگرچہ اہلِ اسرائیل غیر اقوام سے گھرے رہتے
تھے بھی اُن کی مذہبی معاشرتی اور سیاسی زندگی اُن سے بالکل
مختلف تھی۔ اُن کا اِس طرح کا ہونا اُن کا نسلی میلان نہیں تھا۔ وہ
تو بار بار بُت پرستی کی طرف مائل ہو جایا کرتے تھے اور انبیا انہیں
راہِ توحید و اخلاق پر آنے کی تعلیم دیا کرتے پس اُس قِسم کی تعلیم جو
پُرانے عہد نامے کی کتاب میں پائی جاتی ہے اُن کے فطری خاصے
اور قومی میلان کے باعث نہیں تھی۔ اُن کی خصوصیات کا واحد حل
اِس بات میں پایا جاتا ہے کہ یہ خصوصیات اُن میں فوق الفطرت
اسباب کی بنا پر پائی جاتی تھیں۔ اُن میں پیشگوئیوں، معجزوں
اور نادیدنی قدرت کے دیدنی ظہوروں کا افراد اور ساری قوم
پر ایک طویل اور پورا ناشکستہ سلسلہ پایا جاتا ہے۔ سارا پُرانا
عہد نامہ خُدا اور اُس کی صفات کا نہایت تعجب انگیز اور حیرت افزا
مکاشفہ ہے اور یہ قادرِ مطلق اور مہربان بادشاہ کی موجودگی اور
ہستی کا ایک پُر زور اور یقینی ثبوت بہم پہنچاتا ہے۔

۱۱۔ یسوعؔ مسیح کی شخصیت سے خُدا کا ہونا ثابت ہوتا ہے۔
اُس کے بارے میں عبرانیوں کے خط کے شروع میں لکھا ہے کہ
"اگلے زمانے میں خُدا نے باپ دادا سے حِصہ بحِصہ اور طرح بہ
طرح نبیوں کے ذریعے سے کلام کرکے اِن آخری ایام میں ہم

سے بیٹے کے ذریعے سے کلام کیا جسے اُس نے سب چیزوں
کا وارث ٹھہرایا اور جس کے وسیلے سے اُس نے عالم بھی
پیدا کئے"۔

عبرانیوں ۱: ۱-۲۔ اِس سے صاف ظاہر ہے کہ پرانا عہد نامہ
نئے کی صرف تیاری تھا۔ مسیحا کی شخصیت میں خُدا زمین پر کامل
طور پر ظاہر ہُؤا۔ اُس کا حیرت انگیز طور پر حمل میں لیا جانا۔ اُس کے
معجزات اُس کی پیشگوئیاں۔ اُس کی فوق الانسانی تعلیم۔ اُس کا کلیسیا
قائم کرنا۔ اُس کا جی اُٹھنا اور آسمان پر جانا کامل طور پر ثابت کرتے
ہیں کہ مسیح فی الحقیقت وہی تھا جس کا وہ دعویٰ کرتا تھا۔ وہ خُدا
کا حقیقی بیٹا ہونے کا دعویٰ کرتا تھا لہٰذا وہ فی الوقع خُدا کا حقیقی
بیٹا تھا اور جب کہ وہ فی الواقع خُدا کا حقیقی بیٹا تھا تو یقیناً خُدا موجود
ہے۔ تاریخ دانوں اور فلاسفروں کے لئے وہی اِقرار کرنا لازمی
ہو جاتا ہے جو انجیل نویس نے کیا تھا کہ "ہم نے اُس کا ایسا جلال
دیکھا جیسا باپ کے اِکلوتے کا جلال۔ فضل اور سچائی سے معمور"
یُوحنا ۱: ۱۴ گھڑی کی دونوں سوئیوں کی طرح عالم گیر تاریخ جو مسیح
سے پہلے تھی اور اُس کے بعد ہے وہ یسُوع کی گواہی دیتی ہے
پُرانا زمانہ تو مسیح کے پاس لانے والا خادم اور مسیحی زمانہ پیچھے
کی طرف اشارہ کرتا ہے جب کہ مسیح میں تکمیل ہوئی۔ مسیحی زمانہ
مسیح کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جو کچھ پورا ہونا چاہیئے تھا وہ سب
اِس میں پورا ہو گیا ہے۔ تجسّد خُدا کا سب سے بڑا اور انتہائی

اور کامل مکاشفہ ہے جو اُس نے بنی نوعِ انسان پر کیا۔ اِس سے بڑا مکاشفہ زمین پر ناممکن ہے اور خُدا کا یہ مکاشفہ یسُوع مسیح میں ہُوا ہے پس فی الحقیقت کائنات اور عالم گیر تاریخ کا محور ہے اور اِس لئے خُدا کی ہستی اور موجودگی کا زندہ ثبوت ہے۔

۱۲۔ جو ممالک بحیرۂ روم کے سواحل پر واقع ہیں وہاں کی اقوام نے مسیحیت کے ابتدائی ازمنہ میں مسیحیت کو قبول کر لیا۔ اُن قوموں میں جن لوگوں نے مسیحیت کو اختیار کیا اُن کی مذہبی اور اخلاقی حالت میں مسیحیت کی پہلی تین صدیوں میں بڑی عجیب تبدیلی رُونما ہُوئی مسیح کی آمد سے پہلے غیر قوموں کے لوگ موت کے سائے کے ظلم و تعدی سے دبے رہتے تھے اور وہ بدی اور تاریکی کی راہوں میں چلتے تھے یا جیسے کہ مقدس پولوس رسول لکھتا ہے اُس کے مطابق "اُس نے اگلے زمانے میں سب قوموں کو اپنی اپنی راہ چلنے دیا" اعمال ۱۴ : ۱۶۔ چوتھی صدی مسیحی تک یہ قومیں بنیادی طور پر تبدیل ہو چکی تھیں۔ اِن قوموں میں مسیحیت سے پہلے اور اِس کے ابتدائی زمانوں میں بدی اپنی سب بُری سے بُری قسموں میں انتہا کو پہنچی ہُوئی تھی۔ مسیحیت نے اُن بدیوں کو بند کیا اور اُن قوموں کے مسیحی لوگوں میں ہر طرح کی اور ہر درجے کی نیکیاں پیدا کیں۔ اُن لوگوں میں ایسی اعلےٰ درجے کی نیکیاں پیدا کیں جنہیں دیکھ کر عقلِ انسانی حیران رہ جاتی تھی۔ وہ نئی قِسم کی مخلوق بن گئے۔ وہ صلیب کی راہ میں چلتے تھے اور جن چیزوں کی وہ پہلے پُوجا کرتے تھے اُن چیزوں

کو جلا کر بھسم کر دیا۔ رومی قیاصرہ نے اِس نئے مذہب کو مٹانے کے لئے سب پاپڑ بیلے۔ سخت سے سخت اور خونچکاں ایذارسانیاں جاری رکھیں۔ اِس قدر مسیحی جان سے مارے جاتے تھے کہ مسیحی ہونا اور مسیحیت کو اختیار کرنا گویا موت کے مُنہ میں پڑنا ہوتا تھا اور باوجود اِس قدر ظلم سہنے اور گشت و خون کے مسیحیت پھر بھی تیزی سے پھیلتی رہی۔ مسیحیت کی خاطر مسیحیوں کے کثیر تعداد میں ہلاک کئے جانے اور مسیحیت کے پھر بھی سُرعت سے پھیلتے چلنے کے بارے میں بزرگ طرطولیئن نے کیا ہی عمدہ اور سچی بات کہی تھی کہ شہیدوں کا خون کلیسیا کا بیج ہے یعنی کلیسیا میں نئے مسیحیوں کے شامل ہونے کا بیج ہے یا یہ کہ شہیدوں کا خون نئے مسیحی بننے کے لئے بیج ثابت ہوتا ہے۔ مسیحیوں کے شہید ہونے سے خدا غیر مسیحیوں کو فضل دیتا ہے اور وہ اُن کے شہید ہونے کے نمونے اور اُن کی شہادت کی برکت سے مسیحی مذہب اختیار کر لیتے تھے اور یوں شہیدوں کا خون کلیسیا کا بیج ثابت ہوتا تھا۔ اگر سب باتوں کے ذکر کو ایک طرف رہنے دیا جائے اور صرف خالص تاریخی نقطۂ نگاہ ہی سے دیکھا جائے کہ خاندانی، اقتصادی اور سیاسی زندگی میں جو کامل تبدیلی آئی اور عوام کی تبدیلی اور اُن کا ایسی اَخلاقی پاکیزگی کی حالت میں قائم ہو جانا جیسی کہ دُنیا نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی اِس کا کوئی حل حل ہونا چاہیئے۔ خاندانی اقتصادی اور سیاسی زندگی میں کامل

تبدیلی کس وجہ سے آئی۔ عوام کی تبدیلی اور اُن کی زندگی کا پاکیزہ بن جانا کس وجہ سے تھا۔ جن لوگوں میں یہ تبدیلی پیدا ہوئی تھی اُن میں یہ تبدیلی مسیحیت کی آمد سے پہلے کیوں نہیں ہوئی تھی۔ مسیحیت کے مخالف علماء نے کہا کہ مسیحیت نے جو کچھ بُت پرستی والے مذہب میں لیا ہُوا تھا اُس کے اثر سے یہ تبدیلی آئی تھی۔ مسیحیت نے اپنی تعلیم اور اخلاقی تعلیم غیر مسیحی مذاہب یعنی اُس وقت کے مذاہبِ کُفر و اِلحاد سے حاصل نہیں کی تھی۔ اُن میں تو یہ تعلیم تھی ہی نہیں تو اُن سے حاصل کیسے اور کہاں سے کی جاتی۔ مسیحیت مذاہبِ کُفر و اِلحاد کی تعلیم کو سختی سے ردّ کرتی تھی۔ اُس سے سخت نفرت کرتی تھی اور اپنے پیرووُں کو یہ تعلیم دیتی تھی کہ مرتے مر جاؤ مگر اِس کو نہ مانو اور اِس پر عمل نہ کرو۔ مخالف عُلما نے یہ ثابت کرنے کے لئے اپنا سارا جتن لگایا ہے کہ مسیحیت مشرقی اعتقادات اور یونانی فلاسفی کے مختلف نظریات کا بقیہ ہے لیکن وہ یہ ثابت کرنے میں کامل طور پر ناکام ہو رہے ہیں۔ مسیحیت اپنی تعلیم اور اخلاق میں بُت پرستی والے مذاہب کا اُلٹ تھی۔ یہ اُن کا تضاد تھی اور اِس لئے سوسائٹی کی جو حالت اِس نے پیدا کی وہ مذاہب کُفر و اِلحاد کی تعلیم کے اثرات کا نتیجہ نہیں ہو سکتی۔ بگڑے ہُوئے عوام کو نئی پیدائش دینے اور بحال کرنے کے کام میں یونانی فلاسفی مسیحیت کی مدد کرنے کی بجائے اِس کی ویسی ہی مخالف تھی جیسی متعصب یہودیت مخالف تھی۔ یہودیت میں مسیحیت کے خلاف مذہبی

جنون اور دیوانگی پائی جاتی تھی اور بُت پرست لوگ خواہ وہ فلسفے کے کسی نظریے کو ماننے والے تھے اور خواہ عام اَدہام کو ماننے والے اور بُت پرستی کرنے والے تھے وہ سب مسیحیوں کے خون کے پیاسے تھے۔ غیر اقوامی مذاہب موت کے پنجے میں پھنسے ہوئے تھے۔ اِن سے زندگی کی کیا اُمید ہوسکتی تھی۔ اِنہیں مذاہب نے تو لوگوں کو اِس حالت تک پہنچایا ہوا تھا۔ اِن سے نئی پیدائش اور بحالی کی کیا اُمید ہوسکتی ہے نئے مذہب کی یہ فتح کسی قسم کے جَبر یا زبردستی کی وجہ سے نہیں تھی سیاسی زور و قوت مسیحی سوسائٹی میں نام کو نہیں تھا اِس لئے یہ فتح زبردستی اور جبر سے حاصل نہیں ہوئی تھی۔ عظیم سلطنت روما کے قیاصرہ یعنی فرمانروا اور حُکام مسیحیت کے حامی و مددگار نہیں تھے وہ تو مسیحیت کو مٹانے پر تُلے ہوئے تھے۔ جو پُر زور وسائل اُنہیں حاصل تھے وہ اُن سے مسیحیت کی اِشاعت کے کام میں مدد نہیں کرتے تھے بلکہ اُن پُر زور وسائل کو مسیحیت کے مٹانے کے لئے کام میں لاتے تھے۔ اُنہوں نے اپنے یہ سارے وسائل اِس نئے مذہب کو اِس کے پیروؤں کے خون کی ندیوں میں ڈبو کر اِسے نیست و نابود کرنے کے لئے استعمال کئے۔ چوتھی صدی مسیحی میں جب قسطنطین کا زمانہ آیا تب مسیحیوں کے ساتھ اُس وحشیانہ ابلیانہ اور حبشیانہ سلوک میں تبدیلی آئی جو تین سو سال تک جاری رہا تھا۔ اِس سب کا اور کوئی تسلی بخش حل نہیں ہوسکتا سوائے اِس کے کہ ایک

فوق الانسانی وجود اِنسانوں کے انجاموں کی راہنمائی کرتا ہے اور اپنی نازک پروردگاری کا سورج کمزوروں اور زور آوروں پر یکساں طور سے چمکاتا ہے۔ کسی نامعلوم بزرگ مُصنف نے رسولی آبا کے زمانے میں دیوگینیتس کو ایک خط لکھا تھا اُس خط میں وہ اِس عظیم سچائی کے یقین سے معمور ہو کر لکھتا ہے کہ "یہ کام اِنسان کا معلوم نہیں ہوتا۔ یہ خُدا کی قدرت ہے۔ یہ اُس کی حضوری کے ثبوت ہیں"، دیوگینیتس کو خط۔ ۷ : ۹۔

۱۳۔ خُدا کے ہونے کا ایک فلسفیانہ ثبوت :۔

خُدا کو نہ ماننے والے بعض تو اُس کی ہستی پر شک کرتے ہیں اور بعض اُس کی ہستی کا انکار کرتے ہیں۔ خُدا کی ہستی پر شک کرنا اور اُس کی ہستی کا انکار کرنا تو ایک طرف رہا۔ چاہو تو سب کچھ پر شک کرلو اور سب کچھ کا انکار کردو یہاں تک کہ اُس نُقطے پر پہنچ جاؤ جہاں شک پر بھی شک کرے اور انکار انکار کا بھی انکار کرے۔ دُنیا میں شک کرنے کی حالت ایک حقیقت ہے یہ بات نہیں کہ دُنیا میں شک کرنا ہے ہی نہیں۔ دُنیا میں شک کرنا ہے ہی نہیں تبھی کہہ سکتے ہیں جب کہ نہ اِس سے پہلے کبھی کسی نے شک کیا ہو اور نہ اب کوئی شک کرتا ہو لیکن دُنیا میں لوگ پہلے بھی شک کرتے آئے ہیں اور اب بھی کرتے ہیں اور یہی حال انکار کا ہے پس دُنیا میں شک اور انکار موجود ہیں یعنی شک

کی حالت اور انکار کی حالت حقیقتیں ہیں۔ اُمورِ واقعی ہیں
ہیں۔ یہ فرضی اور خیالی باتیں نہیں ہیں۔ Facts۔
اِس کے کہ ہر شخص کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی بات پر شک کرنا عام ہے لیکن باوجود
ہم مُنکرِ خُدا کو کہتے ہیں کہ شک کرنے میں یہاں تک بڑھ جاؤ
کہ شک پر بھی شک کرو یعنی شک کی حالت کے شک کی حالت ہونے
پر بھی شک کرو۔ اب یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ شک کرنا انکار کرنا
اور اقرار کرنا اِنسان کے کس وصف کا نام ہے یا یہ کہ اِنسان میں
وہ کیا چیز ہے جس کے ذریعے سے شک انکار اور اقرار کیا جاتا ہے
یا اِنسان میں وہ کیا چیز ہے جو شک انکار اور اِقرار کا کام کرتی ہے۔
اِنسان میں وہ کیا چیز ہے جو شک کرتی انکار کرتی اور اقرار کرتی ہے۔
اِنسان میں وہ چیز عقل ہے۔ عقل شک کرتی انکار کرتی اور اقرار
کرتی ہے۔ شک کرنا انکار کرنا اور اقرار کرنا عقل کا کام ہے۔
اگر کوئی اپنے میں عقل کے ہونے پر شک کرے یا اُس کے ہونے
کا انکار کرے تو اُس کے شک کرنے یا انکار کرنے سے اُس میں
عقل کا ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ عقل کے بغیر شک یا انکار ہو
ہی نہیں سکتے۔ پس اپنے عقل والا ہونے پر شک کرنے یا اپنے
ذی عقل ہونے کا انکار کرنے سے اُس کا عقل والا یا ذی عقل
ہونا ثابت ہوتا ہے۔ وہ اپنے میں عقل کے ہونے پر شک کرتا
ہے اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس میں عقل موجود ہے کیونکہ
عقل کے بغیر شک نہیں کیا جا سکتا۔ شک کرنا عقل کا کام ہے

اور اگر وہ اپنے میں عقل کے ہونے کا انکار کرے تو اِس سے بھی
یہی ثابت ہوتا ہے کہ اُس میں عقل موجود ہے ورنہ وہ عقل کے
ہونے کا انکار نہ کر سکتا پس اپنی عقل کے ہونے پر شک کرنے
یا اِس کا انکار کرنے سے عقل کا وجود ردّ نہیں ہوتا بلکہ ثابت ہوتا
ہے اگر کوئی کہے کہ عقل کا وجود کائنات میں ہے ہی نہیں۔ یہ نہ
مُجھ میں ہے اور نہ کسی اور میں تو وہی بات ثابت ہوتی ہے کہ
عقل ضرور ہے کیونکہ عقل کے ہونے کا انکار کرنے کے لئے عقل
چاہیئے عقل کے بغیر عقل کا اِنکار نہیں کیا جا سکتا پس چونکہ شک
کرنا عقل کا کام ہے اِس لئے کوئی ذی عقل ہی شک کر سکتا ہے۔
شک کرنے کے لئے بھی عقل کی اُسی طرح ضرورت ہے جس طرح
کسی بات کے ماننے کے لئے عقل کی ضرورت ہوتی ہے یا جس
طرح انکار کرنے اور تصدیق کرنے کیلئے عقل کی ضرورت ہوتی ہے
لہٰذا عالمگیر شک ناممکن ہے کیونکہ عالمگیر شک سے ہر چیز پر شک
کرنا مُراد ہے اور ہر چیز میں عقل بھی شامل ہے مگر عقل پر شک
نہیں ہو سکتا کیونکہ عقل ہی تو شک کرتی ہے عقل پر شک کرنے
سے اُلٹا عقل کا وجود ثابت ہوتا ہے لہٰذا عقل کے ہونے کے
بارے میں عقل پر شک نہیں کیا جا سکتا اور اِس کے لئے ہر چیز پر
شک نہیں ہو سکتا۔ عقل حقیقی چیز ہے تو عقل والا یا ذی عقل بھی
حقیقی وجود ہے اور جن چیزوں کو وہ استعمال میں لاتا ہے یا جن
سے وہ بچتا ہے وہ بھی حقیقی ہیں یعنی کائنات بھی حقیقی ہے

پس شک کرنے والی عقل پر شک نہیں کرسکتا اگر اِس پر
بھی شک کیا جائے تو یہ شک پر بھی شک پر بھی شک کرنا ہو گا۔
جب تم شک کر رہے ہوتے ہو تو تم یہ نہیں مان سکتے کہ پتہ
نہیں مَیں شک کر رہا ہوں یا نہیں۔ اُس وقت از کم ایک بات
ایسی ہوتی ہے جس پر تم شک نہیں کرتے یعنی تم اِس بات پر
شک نہیں کرتے کہ مَیں شک کر رہا ہوں۔ تمہیں اِس بات کا
یقین ہوتا ہے کہ مَیں شک کر رہا ہُوں یعنی تم جانتے اور مانتے ہو
کہ مَیں شک کر رہا ہُوں۔ شک کرنے والی عقل کے بارے میں
شک کرنا اِس بات کے بارے میں شک کرنا ہو گا کہ تم شک
کرتے ہو یعنی تمہیں اپنے شک کرنے پر بھی شک کرنا ہو گا کیونکہ
اعقل کے بغیر یقین ہی کا ہونا ناممکن نہیں بلکہ شک کا ہونا بھی ناممکن
ہے پس عقل کے ہونے کی تصدیق لازمی ہے یعنی عقل یقیناً
موجود ہے کیونکہ عقل کے بغیر عقل کا انکار نہیں کیا جاسکتا اور
عقل کے ہونے کا عقل کے ذریعے سے اِنکار کرنا بنفسہٖ متضاد
ہے۔ یہ تو انکار کرنے کے عمل میں اُس کا اقرار کرنا ہے پس
جتنا چاہو شک کر لو لیکن تمہیں اِس بات کا اِقرار کرنا ہو گا کہ
شک کرنے کے لئے عقل کی موجودگی شرط ہے یعنی عقل کا ہونا
ضروری ہے پس اگر اِس بات کو مانا جائے کہ شک کرنا ممکن ہے
اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ہم کئی باتوں پر شک کرتے رہتے ہیں
یعنی شک کرنا ممکن ہے اور شک کرنا حقیقت ہے تو اِس بات

کو بھی ماننا ہوگا کہ عقل موجود ہے۔ اگر عقل موجود نہ ہو تو عقل کا کام کس طرح وقوع میں آ سکتا ہے کیونکہ جو چیز موجود نہ ہو یا ہستی ہیں نہ ہو وہ کام نہیں کر سکتی۔ اگر عقل موجود نہ ہو تو وہ کام جو محض عقل کے ذریعے سے ہو سکتے ہیں یعنی جو صرف عقل کے کام ہیں اُن کا وقوع میں آنا ناممکن ہے۔ اگر عقل موجود نہ ہو تو کسی بات پر شک کرنا ناممکن ہے۔

پس یہ بات یقینی ہے کہ تم اپنے انکاروں کو جہاں تک چاہو لے جاؤ لیکن تم اُنہیں عقل کے انکار تک نہیں لے جا سکتے یعنی تم عقل کا انکار نہیں کر سکتے کیونکہ وہ تو انکار کا بھی انکار کرنا ہوگا لہٰذا تمہیں عقل و فہم کو تسلیم کرنا ہوگا اور اُسی سب کچھ کو بھی ماننا ہوگا جو عقل کی حقیقت کے لئے لازمی اور ضروری ہے کسی چیز کو تسلیم کر لینے سے تم لازماً وہ سب کچھ تسلیم کر لیتے ہو جس کے ذریعے سے وہ وہ ہے جو کچھ وہ ہے اور جس کے بغیر وہ وہ نہیں ہو سکتی جو کچھ وہ ہے۔ عقل و فہم کا کام جاننا اور سمجھنا ہے اور اس لئے عقل کے لئے اُس چیز کا ہونا لازمی ہے جس کو عقل جانے جیسے کان کے لئے آواز کا ہونا ضروری ہے تاکہ وہ سُنے اور آواز موجود ہے۔ آنکھ کے لئے روشنی کا ہونا ضروری ہے تاکہ وہ دیکھے اور روشنی موجود ہے اور پھیپھڑوں کے لئے ہوا کا ہونا ضروری ہے تاکہ وہ سانس لیں اور ہوا موجود ہے اسی طرح عقل کے لئے وجود یا شے کا ہونا ضروری ہے تاکہ

وہ اُسے جانے اور اِسے بھی موجود ہونا چاہیئے محض خیالی یا ذہنی آواز سے کان نہیں سُن سکتا کیونکہ خیالی آواز کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ حقیقی آواز نہیں ہے اور خیالی روشنی سے آنکھ نہیں دیکھ سکتی کیونکہ خیالی روشنی روشنی نہیں ہے اِس طرح محض خیالی وجود وجود نہیں ہے۔ وجود حقیقی وجود ہونا چاہیئے پس عقل کے ہونے سے حقیقی وجود کا ہونا ثابت ہوتا ہے جس کا عقل کو علم ہو یا جسے عقل جانے پس عقل کی موجودگی سے حقیقی وجود کی موجودگی ثابت ہُوئی۔ عقل کی موجودگی سے ایک تو اُس وجود کی موجودگی ثابت ہوتی ہے جس میں عقل موجود ہے یعنی ذی عقل وجود اور دوسرے وہ وجود جس کا عقل کو علم ہونا چاہیئے۔ عقل کو اُس ذی عقل کا بھی علم ہوتا ہے جس میں وہ پائی جاتی ہے اور اِس کے علاوہ وہ اَور وجودوں کو جاننے کے لئے ہوتی ہے بہر حال عقل کی موجودگی سے وجود کی موجودگی ثابت ہوتی ہے۔ وجود ایسے بھی ہیں جو صرف عقل سے جانے جاتے ہیں وہ حواس سے نہیں جانے جاتے مثلاً اِنسان کی رُوح کا وجود۔ فرشتے کا وجود اور خُدا کا وجود اور ایسے وجود بھی ہیں جنہیں عقل حواس کے ذریعے سے جانتی ہے پس عقل کا کام وجودوں کو جاننا ہے خواہ براہِ راست جانے اور خواہ حواس کے ذریعے سے جانے پس اگر وہ وجود جسے عقل جانتی ہے واجب الوجود ہو تو وہ خُدا ہو گا پس خُدا کی ہستی ثابت ہُوئی اور اگر وہ

ممکن الوجود ہو تو اُس کا کوئی خالق ہونا لازمی ہے اور اُس وجود کا خالق واجب الوجود ہوگا لہٰذا ممکن الوجود وجود سے خُدا کی ہستی ثابت ہوئی صرف عقل ہی وہ وجود ہے جس کے ہونے پر نہ شک کیا جا سکتا ہے اور نہ اُس کا انکار کیا جا سکتا ہے اور جس کے جاننے یا علم کے لئے کسی نہ کسی طرح کے حقیقی وجود کا ہونا لازمی ہے پس جس وجود کو عقل جانتی ہے خواہ وہ واجب الوجود ہو اور خواہ ممکن الوجود اُس سے خُدا کی ہستی ثابت ہے۔ چونکہ عقل کا انکار کرنے میں بھی عقل کے ہونے کا اقرار پایا جاتا ہے اِس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عقل کے ہر کام میں خُدا کے ہونے کا اقرار پایا جاتا ہے یا عقل کے ہر کام سے خُدا کا ہونا ثابت ہوتا ہے عقل حواس کے ذریعے سے کائنات میں جو تبدیلی ہوتے دیکھتی ہے اُس سے بھی خُدا کی ہستی ثابت ہوتی ہے۔ چڑیا کے پھُدکنے سے خُدا کی ہستی ثابت ہوتی ہے کیونکہ پھُدکنے سے پہلے چڑیا بے حرکت تھی پھر وہ پھُدکنے سے حرکت میں آئی یعنی اُس میں تبدیلی آئی اور تبدیل ہونے والی چیز ازلی نہیں ہو سکتی اِس لئے اُس کا ضرور کوئی خالق ہے پس چڑیا کے پھُدکنے سے یقینی طور پر خُدا کی ہستی ثابت ہوتی ہے۔ جب ہم چلتے ہیں تو ہر قدم اُٹھانے میں ہم میں تبدیلی ہوتی ہے لہٰذا ہم ازلی نہیں ہیں اور اس لئے بالضرور ہمارا کوئی خالق ہے اور جو ہمارا خالق ہے وہی خُدا ہے پس

جب چلتے ہیں ہمارے ہر قدم اُٹھانے سے خُدا کی ہستی ثابت
ہوتی ہے پس یہ سچ اور برحق ہے کہ قدم قدم پر تیرا پتہ
مل گیا۔

۱۴۔ عقل جاننے والا وجود ہے عقل جانتی ہے کہ میں جاننے کا
وجود ہوں جس طرح کان سُننے کا اور آنکھ دیکھنے کا وجود ہے۔
ہم عقل سے جانتے ہیں کہ وہ آدمی جو سورج کی روشنی میں رہتا ہے
وہ سورج کی ہستی کے بارے میں بہت دلیلوں کا محتاج نہیں
ہوتا۔ جو چیز ہمارے سامنے موجود ہے اور ہم اُسے اپنے سامنے
دیکھتے ہیں اُس کے موجود ہونے کا دیکھنا ہی کافی ثبوت ہے
اِسی طرح وہ شخص جو خُدا کی رفاقت، صحبت اور سنگت میں زندگی
گزارتا ہے وہ اُس کی ہستی کے حقیقی ہونے کو بخوبی جانتا ہے۔
بائبل مقدس میں خُدا کی ہستی کے ثبوتوں کا بیان کم پایا جاتا ہے۔
بائبلِ مقدس کے لکھنے والوں کو یہ سوال درپیش نہیں تھا کہ وہ خُدا
کے ہونے کے ثبوتوں کے انبار لگا دیں۔ اُس کے مصنفوں نے خُدا
سے اِلہام پا کر خُدا کیساتھ خاص رفاقت اور شراکت حاصل کی۔
اُن کا کام خدا کے بارے میں گواہی اور خبر دینا اور اُسکی طرف سے
خبر دینا تھا۔ خُدا دُنیا پر اُنکے ذریعے سے ظاہر کیا گیا۔ لوگوں کی رُوحانی
بینائی جہاں تک صاف اور روشن ہوئی اُنہوں نے انبیا اور ملہمین
کی شہادت کو برحق پایا۔ جو چیز روشنی میں آنکھوں کے سامنے پڑی
ہوئی ہو اُسکے ہونے کے ثبوت کی تلاش کی بہت ضرورت نہیں ہوتی

آنکھوں کی گواہی کافی ہوتی ہے۔ جو لوگ خُدا کو نہیں مانتے وہ اس لئے نہیں مانتے کیونکہ وہ اُسے ماننا نہیں چاہتے اور بیشتر ایسے ہیں کہ جن کے لئے خُدا کے ہونے کو نہ جاننا تو ایک طرف رہا وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ ہم خُدا کو اِس لئے نہیں مانتے ہیں کیونکہ ہم اُسے ماننا نہیں چاہتے۔ والٹیئر نے کیا خوب کہا ہے کہ کسی نے بھی ثابت نہیں کیا کہ خُدا نہیں ہے۔ ہر شخص جو بائبل مقدس کی خبر اور گواہی کے مطابق خُدا پر توکل کرے وہ خُدا کو اپنے بچانے اور سنبھالے جانے کے لئے موجود پاتا ہے۔ خُدا کی ہستی اور اُس کے جلال کافی اور معقول شہادتوں اور دلیلوں سے سے ثابت ہوتے ہیں "احمق ہی اپنے دل میں کہتا ہے کہ خُدا نہیں ہے" (زبور ۱۳ (۱۴) : ۱۔ خُدا کے بارے میں شک کرنا یا اُس کے ہونے کا انکار کرنا جہالت یا تعصب کا پھل ہوتا ہے۔ خُدا کو اُس کی روشنی میں اُسے دیکھنے جیسا اور کوئی ثبوت نہیں۔ خُدا کی ہستی کے یقین کا دروازہ تمام بنی نوعِ انسان پر کھلا رہتا ہے۔ تمام اِنسانوں کا یہ حق ہے کہ اُنہیں خُدا کی ہستی کا یہ عجیب علم حاصل ہو اور خُدا کے ہونے کا علم سب کو حاصل ہو سکتا ہے۔

باب دہم:-

عہدِ عتیق میں خُدا کے سات پاک نام

خُدا کسی جنس کی کوئی نوع نہیں ہے اور نہ اُس جیسا کوئی اور ہے اِس لئے حقیقت میں اُس کا نہ کوئی اِسمِ معرفہ اور نہ اِسمِ نکرہ ہو سکتا ہے اِس وجہ سے اُس کو بے نام اور ناقابلِ بیان کہتے ہیں۔ بائبلِ مقدس میں اُس کے جو نام آئے ہیں وہ خُدا کی ذات اور ماہیت کو کامل اور کافی طور پر بیان نہیں کرتے مگر اُن میں یہ ضرور معلوم ہو جاتا ہے کہ خُدا کس طرح کا ہے۔

عہدِ عتیق میں خُدا کے سات نام پائے جاتے ہیں۔ اُنہیں تین جماعتوں تقسیم کیا گیا ہے پہلی جماعت میں تین نام پائے جاتے ہیں اور اِن سے خُدا کا بیرونی یا خارجی رشتہ اور تعلق ظاہر ہوتا ہے یعنی اِنسان کے ساتھ رشتہ اور تعلّق اور تیسری جماعت

اور تیسری قسم میں بھی تین نام پائے جاتے ہیں اور یہ خُدا کی باطنی کمالیت کے تین اظہارات ہیں دونوں قسموں کے ناموں کے مرکز میں خُدا کے ناموں کی دوسری قسم کا نام یہوہ (yachveh) پایا جاتا ہے جو لازمی طور پر خُدا کا اِسم علم یا اِسم معرفہ ہے کیونکہ یہ خُدا کی ماہیت کو ظاہر اور بیان کرتا ہے اور اِس کے دوسرے چھ ناموں سے ایسا تعلق ہے جیسا سبب کا اپنے اثرات یا نتائج سے ہوتا ہے۔

خُدا کا اِسم معرفہ یا اِسم علم جو اُس کی ماہیت کا بیان کرتا ہے وہ یہوہ (Yahvh = יהוה) ہے۔ خُدا کے باطنی کمال کو ظاہر کرنے والی تین صورتیں یہ ہیں۔

پہلے خُدا قادر اور طاقتور اور مضبوط ہوتا۔ اِسے ظاہر کرنے والا نام شدّئی (shadday) ہے۔ دوسرے خُدا کا اونچا سرفراز اور مُتعال ہونا۔ اور اُس کی اِس کمالیت کو ظاہر کرنے والا نام علیون ہے اور اُس کے تقدس اور اُس کی پاکیزگی کو ظاہر کرتے والا نام قادوش (Qadosh) یعنی قُدّوس ہے۔

خُدا کا بیرونی تعلق ظاہر کرنے والے ناموں میں پہلا نام ایل (אל) ہے اِس کا معنی قُدرت ور طاقت یا زور آور ہے۔ دوسرا نام الوہیم (Elohim) ہے اور اِس کا معنی ہے وہ جو عزت و احترام کے لائق ہے اور تیسرا نام ادوناہی (adonay) ہے اور اِس کا معنی حکم دینے والا۔ حکمران۔ آقا اور خُداوند ہے جب خُدا نے حضرت

موسیٰ کو مصر میں بھیجا تاکہ وہ بنی اسرائیل کو غلامی سے چھڑائے تو
خُدا نے اپنی الٰہی ماہیت کو ظاہر کرنے والا اپنا نام یہوہ بنایا۔ اِس
کا معنی ہے وہ جو ہے یا وہ ہے۔ خُدا نے خود اِس لفظ کے یہی
معنی بتائے کہ میں ہُوں جو ہُوں۔ یہ اِس لفظ کے مُرادی معنی ہیں
لیکن لفظی معنی ہیں وہ جو ہے یا وہ ہے۔ اور تُو بنی اسرائیل کو بتانا
کہ مجھے وہ جو ہے نے بھیجا ہے پس یہ خُدا کا اِسم علم یا اِسم معرفہ
ہے جو اُس کی حقیقت، اصلیت اور ماہیت کو ظاہر کرتا ہے
اور یہ نام کسی اَور وجود کا نہیں ہو سکتا۔ مصریوں اور دیگر اقوام کے
خُداؤں یا معبودوں کی خاصیت یہ تھی کہ وہ جو نہیں ہیں۔ وہ محض
فرضی خُدا تھے اور حقیقت میں موجود نہیں تھے لیکن جس خُدا نے
حضرت موسیٰ کو بنی اِسرائیل کے پاس بھیجا۔ وہ حقیقت میں موجود
ہے اور معبودوں میں سے وہی حقیقت موجود ہے۔ وہ جو ہے
کا مطلب یہ ہے کہ وہ جو ہمیشہ ہے۔ سنکھوں سال پیچھے کی طرف
چلے جاؤ یعنی ماضی میں چلے جاؤ اور اُس وقت بھی موجود ہے
یا وہ اُس وقت بھی موجود تھا۔ وہ ہمیشہ ہے پس وہ جو ہے کہ
مطلب یہ ہے کہ وہ جو ہمیشہ ہے۔ وہ ازل میں بھی موجود ہے۔ اُس
کی موجودگی بے شروع زمانے میں بھی ہے۔ سنکھوں سال آگے چلے
جاؤ یعنی مستقبل میں چلے جاؤ وہ اُس وقت بھی موجود ہے پس وہ
جو ہے کا مطلب یہ ہے کہ وہ جس میں ہمیشگی ہے۔ وہ جو ہمیشہ
ہے اور چونکہ وہ ہمیشہ ہے اِس لئے وہ جو بے شروع ہے اور

چونکہ وہ بے شروع ہے اس لئے وہ خودہست ہے۔ یہ نام جو خُدا کا خودہست ہونا ظاہر کرتا ہے یہ خُدا کا سب سے اعلےٰ نام ہے۔ اِس نام جیسا نہ کوئی نام ہے اور نہ ہو سکتا ہے کیونکہ یہ خُدا کی بنیادی صفت کو ظاہر کرتا ہے۔ خُدا کی بنیادی صفت یا اُس کا خودہست ہونا ہے۔ خُدا کے اِس نام کی خوبی کو وہی سمجھ سکتے ہیں۔ یہی نام اسمِ اعظم ہے اور یہ سچ ہے کہ اِسمِ اعظم کھو گیا تھا کیونکہ یہودی لوگ خُدا کا یہ نام اپنے مُنہ سے نہیں نکالتے تھے کہیں ایسا نہ ہو کہ خُدا کا نام مُنہ سے بے فائدہ نکل جائے خُدا کا حکم یہ تھا کہ تُو خُداوند اپنے خُدا کا نام بے فائدہ ہے کیونکہ جو اُس کا نام بے فائدہ لیتا ہے خُداوند اُسے بے گناہ نہیں ٹھہرائے گا۔ خروج ۲۰ : ۷۔ استثنا (تثنیہ شرع) ۵ : ۱۱۔ خُدا کا نام بے فائدہ لینے کا مطلب ہے خُدا کا نام بے حُرمتی سے لینا۔ خُدا کا نام ہنسی ٹھٹھے میں لینا یا حقارت اور نفرت سے لینا۔ اُس کے نام کی بے عزتی کرنا اور اُس کے نام پر کفر بکنا اور خُدا کے نام پر کفر بکنے کی سزا یہ ہے کہ "یہ کہ جو خُداوند کے نام پر کُفر بکے ضرور جان سے مارا جائے۔ ساری جماعت اُسے قطعی سنگسار کرے خواہ وہ دیسی ہو خواہ پردیسی جب وہ پاک نام پر کُفر بکے تو ضرور جان سے مارا جائے" احبار ۲۴ : ۱۶۔ یہودیوں نے غلط فہمی سے خُدا کا پاک نام اپنے مُنہ سے نکالنا چھوڑ دیا اور اِس کی بجائے ادونائی استعمال کرنے لگے لیکن حکم کا مطلب یہ نہیں تھا کہ خُدا کا پاک نام

اپنے مُنہ سے نہ نکالو بلکہ یہ کہ خُدا کے نام کی بےحُرمتی نہ کرو۔ مثبت
معنی ہیں اِس کا مطلب یہ تھا کہ خُدا کے نام کی عزت کیا کرو۔ خُدا
کا نام عزت سے لیا کرو۔ جو خُدا کے نام کی بے عزتی اور بےحُرمتی
کرے گا۔ وہ سزا کے لائق ہوگا خُدا کا نام عزت سے مُنہ سے نکالنا
یعنی عزت سے لینا دینداری اور بڑی نیکی کا کام ہے اور ہرگز
ممنوع نہیں ہے۔ مابعد زمانے کی یہودیت نے اِس نام کا مُنہ سے
نکالنا ممنوع قرار دیا۔ وہ اِس نام کا مُنہ سے نہ نکالنا خُدا کی عزت
کرنا سمجھتے تھے اور عہدِ عتیق میں جہاں یَہوِوہ لکھا ہوتا تھا وہاں ی ہ
و ہ پر ادونای کے اِعراب لگاتے تھے اور اِس لفظ کو یَہوِوہ پڑھنے
کی بجائے ادونای پڑھتے تھے۔ عبرانی عہدِ عتیق میں جب ابھی
حروف پر اِعراب نہیں لگائے گئے تھے تو اُس وقت یہودی یَہوِوہ
کو ادونای پڑھا کرتے تھے اور جب عبرانی حروف پر اِعراب ایزاد
کئے گئے تو یَہوِوہ کے حروف پر ادونائی کے اِعراب لگائے گئے
اور اُن اِعرابوں کی وجہ سے اِسے ادوی پڑھتے تھے لیکن اُن اِعراب
کی وجہ سے یہ لفظ یہوہ مُنہ سے ادا ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ کچھ بھی
نہیں پڑھا جا سکتا تھا۔ چونکہ یہ لفظ کوئی بھی مُنہ سے نہیں نکالتا
تھا اِس لئے زمانے کے گزرنے کے ساتھ اِس لفظ کا صحیح تلفظ کسی
کو بھی یاد نہ رہا اور یوں یہ اِسمِ اعظم کھو گیا لیکن مسیحی عُلماء جو بال
کی کھال اُتارنے والے ہیں اُنہوں نے عبرانی زبان کی گرامر کے
لحاظ سے معلوم کر لیا کہ یہ لفظ کیا ہونا چاہیئے چنانچہ اُنہوں نے

معلوم کر لیا ہے کہ یہ نام یَہوِہ (Yahueh) ہے اور یوں اِسمِ اعظم پھر مل گیا ہے۔

یَہوِہ عبرانی بادشاہتِ الٰہی کا خُدا کا پاک نام اور اُس کا اسمِ معرفہ ہے۔ یہ لفظ مادہ ہاواہ اور ہایاہ سے ہے جس کا معنیٰ ہونا ہے پس اِس لفظ میں خاص معنی ہستی اور وجود ہونے کے پائے جاتے ہیں۔ وہ وجود جس سے ہستی خاص طور پر تعلّق رکھتی ہے یعنی وہ وجود۔ ہونا جس کی ذات ہے۔ جو اپنے آپ سے موجود ہے اور صرف وہی اپنے آپ سے موجود ہے یعنی خود ہست ہے۔ وہ اپنی ہستی کا مختار ہے۔ وہ اپنی ہستی کے بارے میں خود مختار ہے۔ مخلوقات اپنی ہستی خُدا سے لیتی ہے لیکن وہ اپنی ہستی کسی سے نہیں لیتا۔ اُس کی ہستی اُس کے آپنے آپ سے ہے ایسا وجود جس کی ہستی اپنے آپ سے ہو اَور کوئی نہیں ہے۔ حقیقی وجود یا کامل وجود یعنی خود ہست وجود صرف اُسی کا ہے۔ اُسی میں حقیقی وجودیت یا خود ہستی پائی جاتی ہے اور یہ خاصیت اَور کسی وجود میں نہیں پائی جاتی اور نہ پائی جا سکتی ہے۔ وجودیت ہستی اور موجود کی ذاتی طور پر صرف اُسی میں پائی جاتی ہے۔ اِس لئے یَہوِہ ہی حقیقی اور سچّا خُدا ہے۔ وہ اپنے کاموں سے جانا جاتا ہے۔ اور اُس کے بارے میں مکاشفہ یہ ہے کہ صرف وہی موجود اور ہست خُدا ہے اور کوئی معبود موجود نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے اور جو لوگ ایسے معبودوں کو خُدا مانتے ہیں وہ لوگ خود تو ہست اور موجود ہیں۔

لیکن اِن کے معبود ہست اور موجود نہیں ہیں۔ اِن کے معبود نیست
ہیں اور یہ لوگ نیستوں کو اپنے خُدا مانتے ہیں۔
خُدا کا نام اِلوہیم خُدا کا عام نام ہے جو قادر خُدا کو ظاہر کرتا ہے
اور معبود ہونے کے لحاظ سے قابلِ عزت و احترام ہے۔ عبرانی گرامر
کے لحاظ سے یہ نام جمع ہے اور واحد اِس کا اِلوہ ہے اور اِس
اکیلے میں وہ سب خُوبیاں پائی جاتی ہیں جو غیر اقوام کے بے شمار
معبودوں میں پائی جاتی ہیں۔ یہ سب صفات والا خُدا ہے اِس لحاظ
سے واحد خُدا کے لئے جمع کے صیغے والا نام بطور واحد استعمال
ہوتا تھا۔ واحد کے معنی میں یہ سچے خُدا کے لئے استعمال ہوتا تھا
اور وہ کائنات کا حکمران مانا جاتا تھا جو بہمہ کمالات موصوف
ہے لیکن یہوہ سے وہ خُدا مُراد ہے جو وجودیت کا خود مختار
سرچشمہ ہے اور ازلی اور لاتبدیلی ہے۔

تیسری قسم کے ناموں میں سے جو نام کثرت سے استعمال ہُوا
ہے اور قدیم ترین ہے وہ شدّئی ہے اور یہ نام خُدا کا قُدرت
ور ہونا ظاہر کرتا ہے اور اِس سے خُدا کا قادرِ مطلق ہونا کشف
ہوتا ہے۔ خُدا کی عظمت اُس کی سرفرازی اور سربلندی اُس کے
نام علیون سے ظاہر کرتی ہے۔ اِس سے خُدا کا خُدائے تعالےٰ
ہونا یا خُدائے مُتعال ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ خُدا کے باطنی کمال کو
ظاہر کرنے والا ایک نام قادوش ہے۔ اِس کا معنیٰ قُدّوس ہے
اور اِس سے مُراد یہ ہے کہ خُدا کی ماہیت پاک مُقدس اور

بے حد صاف ہے اور یہ تین کمالات صرف واحد سچے خُدا ہی میں پائے جاتے ہیں۔

خُدا کا نام جو ایل ہے اِس کا مادہ اول (ul) ہے اور اِس کا معنی مضبوط اور زور آور ہونا ہے۔ الوہیم کا واحد الوہ ہے۔ ایل۔ الوہ اور الوہیم ہم معنی اور ایک ہی نام ہے۔ الوہیم کا استعمال یہ ظاہر نہیں کرتا کہ یہ کثرتِ آلِہہ کی تعلیم بہت سے حصّہ ہے آلِہہ جمع ہے اِلہ کی اور کثرتِ آلِہہ (alha) کی تعلیم بہت سے اِلہوں کی موجودگی کی تعلیم ہے۔ اِسم الوہیم میں کثرتِ آلِہہ کی تعلیم کی بُو تک نہیں کیونکہ جب یہ اِسم اسرائیلیوں کے خُدا کے لئے استعمال ہوتا ہے تو اِس کے ساتھ فعل ہمیشہ بصیغۂ واحد استعمال ہوتا ہے یعنی یہ لفظ ایک خُدا کے معنی میں استعمال ہوتا ہے لیکن جب یہ لفظ غیر اقوام کے معبودوں کے لئے استعمال ہوتا ہے تو فعل بصیغۂ جمع استعمال ہوتا ہے اور اُس وقت اس سے کثیر معبود مراد ہوتے ہیں۔ خُدا کے وہ نام جو اِنسانوں سے تعلّق رکھتے ہیں اُن میں سب اہم نام ادونائی ہے۔ یہ لفظِ دون سے ہے جس کا معنی انصاف کرنا ہے اور ادونائی کا معنیٰ ہے منصف یا خُداوند یا آقا۔ یہ لفظ معنی میں واحد ہے اور خُدا کا رشتہ اِنسانوں کے ساتھ ظاہر کرتا ہے کہ خُدا اِنسانوں کا منصف اُن کا خُداوند آقا اور مالک ہے۔

بائبل مقدس میں خُدا کے بہت سے علامتی نام بھی پائے جاتے

ہیں۔ مثلاً خُدا کو باپ کہا گیا ہے اور اِس سے یہ ظاہر کرنا مقصود
ہے کہ وہ محبت کرنے والا رحم کرنے والا اور پروردگار ہے اُس
کو نُور۔ شیر۔ آفتاب۔ آگ۔ چٹان۔ قلعہ۔ تلوار اور ڈھال کہا گیا ہے۔
روشنی راحت بخش اور باعثِ خوشی ہوتی ہے۔ خُدا فرشتوں اور
اِنسانوں کو خصوصاً اور ساری جاندار مخلوقات یعنی نباتات کے
سوا سب جانداروں کو عموماً خوشی اور راحت بخشنے والا ہے اور
اِس معنیٰ میں وہ نُور ہے۔ وہ اِنسانوں کو ہر اچھائی اور ابدی خوشی
کی طرف راہنمائی کرنے والا ہے اور اِس لحاظ سے بھی وہ نُور ہے
خُدا اپنی بے حد سچائی حکمت اور پاکیزگی وغیرہ کے باعث بھی نُور
کہلاتا ہے لیکن خُدا کا نور مادی نُور نہیں ہے۔ اُس کا نُور الٰہی نور
ہے۔ وہ الٰہی صفات کے باعث نُور ہے شیر سے خُدا کا قادر
اور غیر مفتوح اور غیر مغلوب ہونا مُراد ہے۔ اُسے آگ اِس
لئے کہا گیا ہے کیونکہ جس طرح آگ بہت جلد پھیلتی ہے اور
راحت پہنچانے اور بھسم کرنے والی ہوتی ہے اُسی طرح خُدا
اپنے ارادوں کو جلد پورا کرنے والا ہے یعنی وہ جب چاہے اپنے
ارادوں کو پورے کر سکتا ہے اور وہ اپنے فیصلوں کو فوری طور
پر پورے کر سکتا ہے اور راست بازوں کو راحت پہنچاتا اور
ناراستوں کو بھسم کرتا یعنی سخت سزا دیتا ہے۔ خُدا کو آفتاب
اِس لئے کہا گیا ہے کیونکہ اُس کا عرصہ موجودگی سورج کی طرح بہت
طویل ہے اور سب کو روشن کرنے والا اور برکات کا دینے والا

ہے۔ چٹان سے قوّت مضبوطی اور پناہ مُراد ہے۔ قلعے اور ڈھال
سے خُدا کا پناہ ہونا مُراد ہے۔ خُدا کو تلوار اِس لئے کہا گیا ہے کہ
کیونکہ وہ بُروں کو اُن کی بُرائیوں کا بدلہ دیتا ہے وہ عدل کی تلوار
ہے یعنی عادل ہے۔ بُروں کے لئے اُس کے فتوے اور فیصلے تلوار
ہیں۔ خُدا اپنے ارادوں اور فیصلوں کو پورے کرنے کے لئے جو
جو وسیلہ استعمال کرتا ہے وہ بھی تلوار ہے۔ وہ امداد جس سے
خُدا کے بندے فتح پاتے اور بُروں سے محفوظ ہوتے ہیں وہ بھی
تلوار ہے پس عادل خُدا اپنے فیصلوں کو پورا کرنے والے۔ مددگار
اور فتح بخشنے والے کے معنی میں تلوار کہلاتا ہے۔ یہ سب نام
مجازی ہیں۔ انہیں لفظی معنی میں سمجھنا بدعت اور جھوٹی تعلیم ہے
اِسی طرح خُدا سے اِنسانی اعضا اور اِنسانی جذبات بھی منسوب
کئے گئے ہیں مثلاً آنکھیں کان ہاتھ بازو اور پاؤں۔ آنکھوں اور
کانوں سے دیکھنا اور سُننا یعنی سب کچھ جاننا مُراد ہے۔ ہاتھ اور
بازو سے قُدرت مُراد ہے اور پاؤں سے چلنا یا کسی جگہ میں
موجود ہونا یا کسی جگہ میں ظاہر ہونا مُراد ہے۔ اِسی طرح غم کرنے
ملول ہونے اور غُصہ کرنے سے بُرائی کو سخت ناپسند کرنا مُراد ہے
اور انتقام یا بدلہ لینے سے عدل کرنا مُراد ہے اور نفرت کرنے
سے بُرائی سے نفرت کرنا مُراد ہے۔

باب یازدہم :-

خود ہستی خُدا کی بُنیادی صفت ہے

خود ہستی وہ الٰہی صفت ہے جس کی وجہ سے خُدا اپنے آپ سے اور اپنے آپ میں اور اپنے آپ کے ذریعے سے موجود ہے۔ یہ وہ ہستی ہے جو وجود کے اپنے آپ ہی سے ہے۔ وجود کا اپنے آپ ہی سے ہونا خود ہستی ہے۔ ایک اور طرح کی ہستی بھی ہوتی ہے جو کسبی یا حاصل کی ہوئی ہستی ہوتی ہے۔ یہ ہستی اُس وجود کو کسی اَور سے ملی ہُوئی ہوتی ہے۔ خُدا کے ساتھ ہر چیز کی ہستی کسبی یا حاصل کردہ ہستی ہے اور اِس لحاظ سے خُدا تو بذات خود وجود ہے لیکن ماسوا اللہ یعنی ہر مخلوق محض وجود رکھنے والا ہے۔ ساری کائنات کے لئے بحیثیتِ مجموعی اور اِس کی ہر چیز کے لئے بحیثیتِ انفرادی یہ لازمی شرط ہے کہ کوئی

اور اسے ہستی دے اور اسے ہستی میں لائے کائنات اور اس کی سب چیزوں کی ہستی کسبی ہستی ہے کیونکہ اس نے اپنی ہستی خُدا سے حاصل کی ہُوئی ہے۔

خود ہست ہونا الٰہی ماہیت کے طور یا اُس کے مرتبے کو ظاہر کرتا ہے اِس کا مرتبہ یہ ہے کہ اِس کے ہونے کا کوئی سبب نہیں ہے۔ اس کے ہونے کی وجہ (meason) تو ہے لیکن سبب (eause) نہیں ہے۔ اُس کے ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اُس کی ہستی ہے ہی ایسی کہ وہ ہمیشہ موجود ہو۔ اُس کا نہ ہونا ناممکن اور ہونا واجب (needsary) ہے اِس لئے اِس کے ہونے کا کوئی اور سبب نہیں ہے۔ خُدا اپنی ہستی کا سبب نہیں ہے کیونکہ اپنی ہستی کا سبب ہونے کی صورت میں خُدا سبب بھی ہو گا اور نتیجہ بھی ہو گا اور سبب ہونے کی حیثیت سے وہ نتیجہ یا اثر ہونے کی حیثیت سے پہلے ہو گا۔ جب وہ محض سبب ہو گا تب وہ نتیجہ یا اثر نہیں ہو گا یعنی تب وہ ایک حیثیت سے ہو گا اور ایک حیثیت سے ہو گا۔ سبب ہونے کی حیثیت سے تو ہو گا لیکن نتیجہ ہونے کی حیثیت سے نہیں ہو گا یہ بات نامعقول ہے کیونکہ کوئی وجود اپنے آپ کو آپ بنانے والا نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا خُدا اپنے وجود کا سبب نہیں ہے لیکن خُدا میں موجود ہونے کی اور ہمیشہ موجود ہونے کی وجہ ضرور پائی جاتی ہے۔ جو کچھ کوئی چیز ہو وہ اُس کی ماہیت ہوتی ہے۔ ہونا اور ہستی خُدا کا خاصہ ہے پس ہستی خُدا کی ماہیت ہے خُدا کی

ہستی اور اُس کی ماہیت عین ایک ہے
ہستی ہے اور اُس کی ہستی اُس کی ماہیت ہے۔ خُدا کی ماہیت اُس کی
سے نہیں بلکہ اپنے آپ سے ہے اُس میں ماہیت اور ہستی ایک
ہی ہونا چاہئیں۔ جس کی ہستی کسی دوسرے

الٰہی وجود اور مخلوق وجود میں بے حد فرق ہے۔ خُدا اپنی ذات
سے وجود ہے اور اس لئے وہ واجب الوجود ہے لیکن مخلوق کا
ہونا ضروری نہیں۔ یہ صرف ممکن الوجود ہے۔ خُدا وجود ہے لیکن
مخلوق وجود رکھتا ہے۔ مخلوق کا وجود کسی ایک ہی طرح کا نہیں ہوتا۔
یہ انیک اور بے شمار اقسام کا ہے خُدا بے حد بلند و بالا وجود ہے لیکن
مخلوق وجود وجود کی کسی نہ کسی قِسم سے محدود ہوتا ہے خُدا کی وجودیت
اور مخلوق کی وجودیت ایک ہی پیمانے سے نہیں ناپی جاسکتیں۔ اِن
میں کوئی تناسب نہیں ہے۔ اِن کی وجودیت ایک قِسم کی نہیں ہے
اِس لئے یکسانیت کے لحاظ سے اِن کا باہمی مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ خُدا
اور معنی میں وجود ہے اور مخلوق بالکل اور معنی میں اور اِس لحاظ
سے اِن میں قطعاً یکسانیت نہیں ہے پس وجود کوئی مشترک جنس
نہیں ہے جس میں خُدا اور مخلوق یکساں ہوں۔ وجود کا تصور کامل موزوں
اور حقیقی معنی میں صرف خُدا ہی سے منسوب کیا جاسکتا ہے اور مخلوق
سے محض ناکامل اور مشابہت کے لحاظ سے۔ مشابہت یہ ہے کہ
خُدا بھی موجود ہے اور مخلوق بھی موجود ہوتا ہے۔ خُدا بھی ہے اور
مخلوق بھی ہوتا ہے لیکن مخلوق کے ہونے کا طور اور درجہ ناکامل ہے

خُدا کے ہونے کا طور کامل ہے کیونکہ وہ اپنے آپ سے موجود ہے
اُس کا وجود اپنے آپ سے ہے اور کسی اور سے حاصل کیا ہُوا نہیں
ہے۔ مخلوق کو بائبلِ مقدس میں نہ ہونے کے برابر کہا گیا ہے۔ ملا
خط ہو "سارا عالم تیرے نزدیک ترازو پر ایک دانے کی مانند ہے
یا شبنم کے ایک قطرے کی طرح جو صبح کے وقت زمین پر پڑتا ہے"
حکمت ۱۱ : ۲۲ "دیکھو غیر قومیں ڈول کے قطرے کی مانند سمجھی جاتی ہیں
اور ترازو میں ذرّے کی مثل ہیں۔ دیکھو جزیرے تھوڑی گرد کی طرح
ہیں۔ لبنان ابندھن کے لئے کافی نہیں اور اُس کے جانور سوختنی
قربانی کے لئے بس نہیں۔ سب قومیں اُس کے نزدیک ناچیز سی
ہیں اور اُن کے سامنے عدم اور خلا ہی خیال کی جاتی ہیں"

اشعیا (یسعیاہ) ۴۰ : ۱۵ - ۱۷

خود ہستی دو طرح کی صفات کا سرچشمہ ہے۔ صفاتِ وجودی اور
صفاتِ حیاتی۔ صفات وجودی وہ صفات ہیں جن سے خُدا کا وجود
ظاہر ہوتا ہے اور صفاتِ حیاتی وہ صفات ہیں جن سے خُدا کی حیات
ظاہر ہوتی ہے۔ خود ہستی خُدا کی بنیادی صفت ہے۔ کتابِ مقدس
اور روایت یہ تعلیم دیتی ہے کہ خود ہستی ایک ایسی صفت ہے
جو صرف خُدا ہی کی صفت ہے۔ اُسی اکیلے میں یہ صفت پائی جاتی
ہے اور سوائے اُس کے اور کسی میں یہ صفت نہیں پائی جاتی۔ کتابِ
مقدس میں یہ تعلیم اس صورت میں پائی جاتی ہے کہ خُدا نے اپنا نام
یہوواہ ظاہر کیا۔ اُس نے فرمایا کہ "میں ہوں جو ہوں ۔ . . . تو بنی اسرائیل

مے یہ کہنا کہ وہ جو ہے اُس نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے"
خروج ۳ : ۱۴۔ "مَیں یہوؔہ ہوں یہی میرا نام ہے"۔ اشعیا ۴۲ : ۸۔
یہوؔہ سے مُراد خود ہست وجود ہے "مَیں الفا اور اومیگا۔ اوّل و آخر
اور ابتدا و انتہا ہوں۔
مکاشفہ ۲۲ : ۱۳۔ اِس کا مطلب بھی یہی ہے کہ مَیں خود ہست
ہوں۔ شہرِ نزیان کا مقدس گریگوری۔ شہرِ دمشق کا مقدس یُوحنّا
اور ہلاری خُدا کے خود ہست ہونے کی تعلیم دیتے ہیں لہٰذا کتابِ
مقدّس اور روایت متفقہ طور پر خُدا کے خود ہست ہونے کی تعلیم
دیتی ہیں۔

خود ہست کو واجب الوجود بھی کہتے ہیں یعنی جس کا وجود
واجب ہے اِس لفظ میں واجب کا معنی مناسب اور لائق نہیں
بلکہ ضروری دائمی اور ہمیشہ ہونے والا ہے۔ وجود کا معنی ہستی ہے
پس واجب الوجود کا معنی ہُوا وہ جس کی ہستی ضروری اور دائمی
اور ہمیشہ ہے یا یہ کہ واجب الوجود وہ وجود ہے جس میں وجوب
پایا جاتا ہے۔ وجوب کا معنی واجب ہونا ہے یعنی اِس کا معنی خود
ہست ہونا اور مداومت اور ہمیشگی ہے۔ وجوب صرف خُدا کی
صفت ہے کیونکہ وجوب خود ہستی ہے۔ وجوب سوائے خُدا کے
کسی اَور میں نہیں پایا جاتا اور نہ پایا جا سکتا ہے پس واجب الوجود
یا خود ہست وہ ہے جو ہمیشہ ہے اور جس کا نا ہونا ناممکن ہے
اور اُس کا نہ ہونا اِس لئے ناممکن ہے کیونکہ اُس کی ماہیت ہست

ہوتا ہے۔ خُدا کیا ہے کا جواب یہ ہے کہ خُدا یَہوَوہ ہے یعنی خود ہست وجود یا واجب الوجود ہے۔ اُس کا واجب ضروری اور ہمیشہ ہونا اُس کے وجوب یا خود ہست ہونے کی وجہ سے ہے۔

خُدا کی خود ہستی اُس کی سب صفات کی بنیاد ہے چونکہ وہ خود ہست ہے اِس لئے وہ ازلی و ابدی ہے۔ وہ لامحدود۔ لاتبدیل قادرِ مطلق۔ اچھا۔ نیک۔ پاک۔ بھلا۔ سچّا۔ دانا۔ ہمہ دان۔ خوش۔ رحیم منصف اور وفادار ہے۔ اُس میں ہر کمال پایا جاتا ہے۔ خُدا کے کمالات یا اُس کی صفات دو طرح کی ہیں۔ اُس کی صفاتِ وجودی یا یا صفات غیر عاملہ۔ یہ صفات کام نہ کرنے والی صفات ہیں اور یہ اُس کی وحدت لاتبدیلی، ہمیشگی، لامکانیت اور خود ہستی ہیں اور اُس کی صفاتِ حیاتی یا صفاتِ عاملہ یعنی کام کرنے والی صفات اور اِن کے دو محل یا مراکز ہیں اور وہ عقل اور مرضی ہیں اور قُدرت علم اور محبّت ایسی صفات ہیں جن سے اور صفات نِکلتی ہیں۔ خُدا اپنی مرضی سے رحم، محبّت اور انصاف کے کام کرتا ہے۔ اپنی عقل سے سب کچھ جانتا ہے اور علم کے کام کرتا ہے اور اپنی قُدرت سے اُس نے کائنات کو پیدا کیا اور اُس کی چیزوں کو پیدا کرتا رہتا ہے۔ اُس کی صفاتِ عاملہ قُدرت۔ اچھائی۔ بھلائی۔ نیکی دانائی رحم اور اِنصاف اور وفاداری ہیں اور صفاتِ غیر عاملہ لامحدودیت خود ہستی۔ وحدت۔ لاتبدیلی۔ لازمانیت اور لامکانیت ہیں۔

صفاتِ عاملہ میں سے اُس کی کام کرنے والی ایک صفت قدرت قُدرت ہے

ہے جس سے وہ کائنات کی چیزیں پیدا کرتا رہتا ہے اور جن چیزوں کو برباد کرنا چاہیئے اور جو ہلاکت کے لائق ہوں اُنہیں ہلاک اور برباد کرتا رہتا ہے۔ جنہیں وقتی زندگی اور ہمیشہ کی زندگی میں قائم رکھنا چاہیئے اُنہیں قائم رکھتا ہے اور اپنے عدل سے وہ بُروں کو سزا اور نیکوں کو ہمیشہ کی زندگی کا انعام دیتا ہے۔

باب دوازدہم :-

خُدا کا لامحدُود طور پر کامل ہونا

جو کچھ کسی چیز یا ذات میں ہونا چاہیئے اگر اُس چیز میں وہ سب کچھ پایا جاتا ہو اور اُس میں اُس کی کوئی کمی ہو تو وہ چیز یا وہ ذات کامل ہوتی ہے اور قطعی اور انتہائی طور پر کامل وہ ہے جس میں سب ممکن خوبیاں اور کمالات پائے جاتے ہوں۔ اُن کمالات میں سے اُس میں کسی کی بھی کمی نہ ہو اور اُس میں وہ کمالات اُس درجے اور حد تک پائے جاتے ہوں جس حد تک ممکن ہے مثلاً قدرت ایک کمال ہے اس لئے یہ قطعی اور کامل طور پر کامل وجود میں موجود ہونا چاہیئے اور اِس کا درجہ یا اس کی حد بے حد ہے اس لئے کامل طور پر کامل وجود میں یعنی بے حد کامل وجود میں قدرت کا درجہ بے حد ہونا چاہیئے قطعی اور انتہائی کامل وجود بے حد ہونا

چاہیئے۔ قطعی اور انتہائی کامل وجود بے حد ہو چاہیئے اُس کے کمالات کا درجہ بے حد ہونا چاہیئے اور اُس وجود سے سب خامیاں خارج ہونا چاہیئیں یعنی اُس میں کوئی بھی خامی اور کمی نہیں ہونا چاہیئے محدود چیز نسبتی طور پر کامل ہوتی ہے اور اُس میں اُس کی ذات کے مطابق کمالات پائے جاتے ہیں۔

کمال کوئی حقیقی شے ہوتی ہے۔ یہ کوئی اچھی شے ہوتی ہے جس کا ہونا نہ ہونے سے بہتر ہوتا ہے۔ نہ ہونا دو طرح کا ہوتا ہے ایک تو کسی شے کا عدم یا اُس کی نیستی ہے جیسے پتھر میں زندگی عقل اور بینائی معدوم نیست اور غیر موجود ہیں اور نہ ہونے کی دوسری قسم محرومی ہے یعنی کسی وجود میں جو شے ہونا چاہیئے وہ اُس میں نہ ہو مثلاً آدمی میں بینائی ہونا چاہیئے لیکن اندھا آدمی بینائی سے محروم ہوتا ہے پس جو شے یا جو کمال نہیں ہونا چاہیئے اُس کا ہونا عدم یا نیستی ہے۔ پتھر میں بینائی نہیں ہونا چاہیئے اور اُس میں اِس کی غیر موجودگی عدم اور نیستی ہے۔ آدمی میں بینائی ہونا چاہیئے اور اِس میں اِس کی موجودگی محرومیت ہے۔ عدم تو کسی اچھائی کا محض نہ ہونا ہے لیکن محرومیت اُس اچھائی کا نہ ہونا ہے جسے ہونا چاہیئے اور اِس لئے یہ محض نہ ہونے یا عدم و نیستی سے بدتر ہے۔

کوئی وجود لامحدود طور پر تب کامل ہوتا ہے جب اُس میں کوئی ممکن شے یا ممکن اچھائی بلند ترین ممکن درجے تک پائی

جاتی ہو۔ خُدا چونکہ کائنات کا خالق ہے یعنی اُس کی ہستی کا سبب ہے اِس لئے وہ کمالات جو کائنات میں فی الوقع پائے جاتے ہیں خُدا میں بھی بالضرور پائے جانے چاہئیں کیونکہ اثر یا نتیجے میں کوئی ایسا کمال نہیں پایا جاسکتا جو اُس کے سبب میں نہ ہو لیکن خُدا میں وہ سب کمالات بھی ہونے چاہئیں جو بذاتہٖ ممکن ہیں۔ صفات دو طرح کی ہیں خالص اور مخلوط۔ خالص وہ ہیں جن میں ناکاملیت نہیں ہے مثلاً خُدا کا علم۔ اچھائی۔ راستی اور قُدرت وغیرہ اور مخلوط وہ ہیں جن میں کچھ کمال پایا جاتا ہے مثلاً سوچ بچار کر کے کوئی بات معلوم کر لینا کمال ہے لیکن سوچ بچار کرنے سے ظاہر ہے کہ وہ بات پہلے نامعلوم تھی۔ خُدا کے لئے کوئی بات نامعلوم نہیں۔ وہ سوچ بچار کر کے کسی بات کو معلوم نہیں کرتا بلکہ اُس کی بے حد عقل اور بے حد علم کے آگے سب کچھ کھُلا ہے وہ ہمہ دان مخلوق چیزوں میں عرصہ پایا جاتا ہے لیکن مخلوق چیزوں کا عرصہ وقت ہے اور خُدا کا عرصہ ہمیشگی ہے۔ خُدا میں خالص صفات اُس صورت میں پائی جاتی ہیں جس طرح کی وہ ہیں لیکن مخلوط صفات خُدا میں اُسی طرح نہیں ہیں جسطرح وہ مخلوق میں ہیں بلکہ اُس سے بہتر صورت میں ہیں اور بغیر کمیوں یا ناکاملیتوں کے ہیں یعنی اُن میں کوئی کمی یا ناکاملیت نہیں ہے۔

سب کمالات جن کا خیال کیا جا سکتا ہے وہ یا تو واجب الوجود والے کمالات ہیں یا ممکن الوجود والے۔ وہ یا تو خود ہست

ہیں اور یا اُن کا ہونا محض ممکن ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ یا تو بلا سبب ہیں اور یا سبب کے ذریعے سے پیدا ہونے والے ہیں۔ جو کمالات بلا سبب ہیں وہ خُدا میں اُسی طرح ہیں جس طرح وہ ہیں یعنی وہ اپنی خاص خاصیت کے مطابق ہیں مثلاً ہمیشگی قُدرتِ مطلق اور لامحدود علم وغیرہ اور ممکن الوجود کمالات بھی خُدا میں ہونے چاہئیں کیونکہ خُدا اُن کا سببِ اوّل ہے اور جو کچھ اثر و نتیجہ میں ہے وہ سبب میں ضرور ہونا چاہیئے لیکن خُدا میں وہ بہتر طور میں ہے۔ عرصہ قُدرت اور دانائی مخلوق میں ہیں یہ خُدا میں بھی ہیں مگر اُس میں یہ کسی کمی اور خامی کے بغیر ہیں۔ سوچ بچار خُدا میں بہتر اور اعلےٰ صورت میں ہے یعنی ہمہ دانی کی صورت میں ہے۔ عرصہ مخلوق میں محدود صورت میں ہے اور قابل تقسیم ہے۔ مخلوق کے عرصے کے حِصے ہوتے ہیں۔ مخلوق کے عرصے کو وقت کہتے ہیں اور وقت کے حِصے سیکنڈ۔ منٹ۔ گھنٹہ۔ پہر۔ دن۔ ہفتہ مہینہ۔ سال اور صدی ہیں لیکن خُدا کا عرصہ ہمیشگی یا لازمانیت ہے اور اِس کے حِصے نہیں ہو سکتے یہ ناقابلِ تقسیم ہے کیونکہ یہ لامحدود عرصہ ہے اور لامحدودیت کے حِصے نہیں ہو سکتے۔ یہ ناقابلِ تقسیم ہے پس جو کمالات خُدا سے باہر پائے جاتے ہیں یعنی مخلوق میں پائے جاتے ہیں اور مخلوق کے کمالات ہیں یہ خارجی کمالات خُدا میں اُسی طرح نہیں پائے جاتے جسطرح مخلوق میں پائے جاتے ہیں بلکہ اُس سے اعلےٰ طور میں پائے جاتے

ہیں مثلاً مخلوق چیزوں میں وسعت اور پھیلاؤ یا امتداد یعنی لمبائی
چوڑائی اونچائی اور گہرائی پائی جاتی ہے لیکن خُدا اِن چیزوں کیطرح
پھیلا ہُوا یا وسیع نہیں ہے اگرچہ وہ ہمہ جا موجود ہونے کی وجہ
سے اعلےٰ طور کی اور اور طرح کی وسعت رکھتا ہے یعنی اُس کی
وسعت اُس کی لامکانیت ہے اور جس طرح اُس کے عرصے کے
حِصے نہیں اُسی طرح اُس کی وسعت کے بھی حِصے نہیں جس طرح
اُس کا عرصہ لازمانیت بے حد عرصہ ہے اُسی طرح اُس کی وسعت
لامکانیت یا بے حد وسعت ہے جس طرح اُس کا بے حد عرصہ یا
لازمانیت اُسی میں ہے اُسی طرح اُس کی بے حد وسعت یا لا
مکانیت اُسی میں ہے۔ وہ اپنے آپ میں بے حد وسیع ہے
چونکہ خُدا لامکان اور لامحدود ہے اور رُوح ہے اِس لئے اُس
کے حِصے نہیں ہو سکتے وہ جہاں بھی ہے وہ وہاں سارے کا سارا
ہے۔ مادی اور محدود چیزوں کی طرح اُس کا ایک حِصہ ایک جگہ
اور دوسرا حِصہ دوسری جگہ نہیں ہوتا۔ مادی اور مخلوق چیز کا ایک
حِصہ ایک جگہ اور دوسرا حصہ دوسری جگہ ہوتا ہے لیکن خُدا کے حِصے
ہیں ہی نہیں پس اُس کی وسعت مخلوق کی وسعت سے اعلےٰ طور
کی ہے۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ مخلوق کی طرح کا جری اور دلیر
ہے۔ مخلوق میں جرأت اور دلیری سے خطرے کا مقابلہ کرنے کے
ہمت مُراد ہے۔ خُدا کو نہ کوئی خطرہ ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔
اُس میں جرأت اور دلیری کا بے حد اعلےٰ صورت میں ہے اور وہ
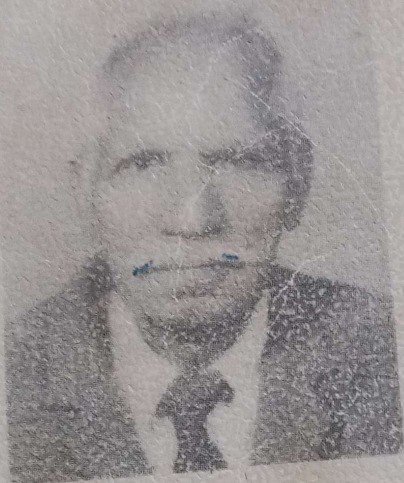
مصنّف :-

اصل نام :- لال دین

مسیحی نام :- پال ارنسٹ

پیدائش :- ۲۷ فروری ۱۹۰۲ء

خوشپور، ضلع فیصل آباد۔

تصانیف

حقیقت المسیح

حقائق بائبل مقدس

خدا کی کتاب

خدا کی زبان

خدا کی بات

قسر صلیب بجواب کسر صلیب

پیدائش عالم

کنواری سے پیدائش

پُر فضل کنواری

مقام مریم